اسلام، الحاد اور سائنس

مُصنّف: محمد سلیم

اسلام، الحاد اور سائنس

محمد سلیم

الفرقان پبلشرز

[illegible]

"جملہ حقوق محفوظ ہیں"

نام کتاب : اسلام، الحاد اور سائنس

مصنف : محمد سلیم

قیمت : 600 روپے

ناشر : محمد سلیم

محمد سلیم نے بھٹو پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
الفرقان پبلشرز لاہور سے شائع کی۔

فہرست

○ ابتدائیہ ____ 9

1- الحاد کیا ہے؟ ____ 11

2- الحاد اور اسلام ____ 14

3- شرم و حیا کا خاتمہ الحاد کا ہتھیار ____ 15

4- کائنات کی پیدائش۔ معجزہ یا حادثہ؟ ____ 21

5- انٹیلی جنٹ ڈیزائن اور ڈیزائنر ____ 32

6- دین، الحاد و حقیقت اور ہم جنس پرستی ____ 38

7- دو قوموں پہ عذاب کا قصہ ____ 43

8- تشکیک۔ عمدی یا اتفاقی ____ 48

9- اسلام کا بدل ____ 56

10- سمندر کے اقسام ____ 60

11- بھوک کا سبب انسان یا خدا؟ ____ 65

12- آسمانی بارش اور اولوں کے پہاڑ ____ 71

13- انسان کی قدیمیت ____ 83

14- انسان کی قدیمیت (حصہ دوم) ____ 88

15- قرآن کی پیش گوئیاں 90
16- ارتقائی سائنس اور تخلیقی سائنس 94
17- خدا کے بغیر انسان کے تصورات 101
18- انسان کے تخیل کی حد 108
19- ایمان بالغیب اور خدا 113
20- سائنس اور اسلام 118
21- سائنس اور مذہب کا مقدمہ 122
22- کیسے اور کیوں؟ 128
23- کیوں کا سوال 133
24- اسلام اور الحاد۔ ایک موازنہ 137
25- اسلام اور دیگر مذاہب 144
26- اکثر ملحدین کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات 150
27- جنت 155
28- حرام اور حلال 160
29- خدا کے نشان 165
30- خیر و شر 168
31- ڈارون کے ارتقائی نظریے پر کچھ اعتراضات 172
32- ارتقاء پر ایک ملحد سے بحث 175
33- زمین کی ماہیت۔ گول یا چپٹی 186
34- کائنات کی وسعت 192
35- ایک قرآنی آیت پر سائنسی اعتراض کا جواب 197

36- کائنات کی پیدائش چھ ایام یا آٹھ ایام؟ 201

37- قرآن کی زبان 208

38- کیا عورت ناقص العقل ہے؟ 213

39- خواتین اور اسلام 216

40- کم عمری میں نکاح 231

41- کھسیانا بھینسا کھمبا نوچے 239

42- جنگیں اور اسلام 244

43- محمد سلیم کی تحریر ”جنگیں اور اسلام“ کا جواب 248

44- جنگیں اور اسلام (سید لاہوری کو جواب) 258

45- غلامی 265

46- ماضی، حال اور مستقبل 274

47- انسان اور امتحان 277

48- انسانی جبلت 287

49- بن مانگے موتی ملیں 290

50- پنک کلر کی گڑیا 292

51- جہنم کی سزا 295

52- دعا کی قبولیت 302

53- دنیا کی تکالیف، آخرت کا کفارہ 310

54- روح کا وجود 314

55- امراؤ القیس اور تین سال کی بندر، بچے کا جواب 320

56- قرآن پر ایک اعتراض (النضر بن الحارث) 325

57- ملحدین کا قرآن پر ایک اعتراض (عبداللہ بن ابی السرح) 333

58- طلاق کا اختیار 341

59- طویل ترین روزے 345

60- کیا اسلام اللہ کا دین ہے؟ 348

61- معاشرتی زاویہ 350

62- متقین اور فاسقین 354

63- مچھر کی مثال 359

64- بغیر ماں باپ کے معجزاتی پیدائش پر اعتراض 362

65- بھنگی اور پراجیکٹ بلیو برین 365

66- مچھر کا پر 370

67- شیطان اور خدا ایک ملحد سے بحث 374

68- خدا کا عرش اور پانی 379

69- ایک ملحدہ خاتون کے اعتراض کا جواب 389

70- ناامیدی گناہ 392

71- وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ 398

72- یو آر اے گڈ گرل (You are a Good Girl) 401

73- طنزیہ جوابات 406

74- منطقی کرب 407

75- بندر نامہ 410

76- جسم سے زمانہ 413

77- وٹامن ڈی کی کمی، برقعہ اور دنیا کا پہلا سائنس دان 416

-78	ہچکی	424
-79	موت یا تبدیلی	427
-80	ملحد نامہ	430
-81	قدرتی قوانین اور نیچرل لاز	433
-82	کائنات کی ہانڈی	436
-83	اللہ کی مرضی اور سائنس کی مرضی	439
-84	تلاش گمشدہ	441
-85	دنیا کی کم سن ترین ملحدہ گریٹ منسی	443
-86	کچھ بھی نہیں	448
-87	ہونا ہی تھا	451
-88	الحاد کی خوراک	459
-89	پردے میں رہنے دو	462
-90	ٹھرکی بے غیرت	465
-91	فیملی سسٹم	468
-92	کھٹی میٹھی خبریں	475
-93	میڈیائی فتنہ	478

Writer's facebook id

https://www.facebook.com/
mohammad.saleem.568847

ابتدائیہ

جب ہم اس کائنات کا نظام دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دنیا کسی ایک خالق کی تخلیق کردہ ہے۔ نہ اس میں کہیں کوئی نقص ہے نہ جھول۔ ہر تخلیق بامقصد اور منظم نظر آتی ہے۔ سورج کا نظام، چاند کا نظام، سمندروں کے نظام، ان تمام نظاموں سے فائدہ انسانی زندگی اور پھر زندگی کا نظام۔

ہم انسان ایک عقل رکھنے والی باشعور مخلوق ہیں۔ جب ہم اس کائنات کو ایک منظم طریقے سے رواں دواں دیکھتے ہیں تو ہمارے ذہن میں سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

یہ کائنات خود بخود تخلیق ہوئی یا اس کے پیچھے کوئی خدا کارفرما ہے؟

ہمارا وجود کیوں ہے؟

کیا ہمیں کسی خدا نے پیدا کیا ہے یا ہم محض حادثاتی طور پر وجود میں آ گئے ہیں؟

ہمارا خالق کون ہے؟

اگر ہمیں کسی خالق نے پیدا کیا تو ہماری تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جو ہمیشہ سے انسان کی جستجو کا مرکز رہے ہیں۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ہم اس دنیا میں محض حادثاتی طور پر پیدا ہو گئے ہیں تو ہماری زندگی بہت آسان ہے۔ ایک عیاشی بھری زندگی جس کا کوئی قاعدہ نہیں، کوئی ضابطہ نہیں، کوئی اصول نہیں۔ یہ طرزِ زندگی بظاہر ہماری زندگی کو آسان مگر حقیقتاً بہت مشکل بنا دیتا ہے۔ ہم اپنی زندگی کو آسان بنانے کی جستجو میں دوسروں کی زندگی مشکل بنا دیتے ہیں۔۔

[illegible]

[illegible] شامل ہوتی ہے۔ [illegible]

[illegible] خوش ہوگا۔

شیطان [illegible] پیدا کرتا ہے۔

[illegible] شیطان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الحاد کیا ہے؟

یہ لفظ لحد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں قبر میں ایک جانب کا گڑھا۔ عربی زبان میں بھی اس کا مطلب اپنی جگہ سے ہٹ جانا، راہ راست سے ہٹا ہوا ہونا اور انحراف تھا۔

ملحد سے مراد وہ لوگ جو نہ کسی خدا کو نہ کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک یہ پوری کائنات اور اس میں موجود یہ مخلوق محض ایک حادثے کا شاخسانہ ہے۔

انہیں دہریے بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں انہیں دہریہ کہتے ہیں۔ قرآن میں جہاں یہود، نصاریٰ، کفار، مشرکین اور منافقین کو اللہ نے اپنی وعید کی ہے وہاں دہریت کا پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا۔ قرآن مجید کی آخری سورۃ کو پڑھا جائے سورۃ الفرقان کو پڑھا جائے تو زیادہ تر آیات ایسے لوگوں کا ذکر کرتی ہیں جو اس پیدائش، موت وغیرہ کو ایک کھیل سمجھتے ہیں۔ اللہ کے کلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ روز جزا اس [illegible] ایک قسم کا مذاق سمجھتے ہیں۔ سورۃ الفرقان میں واضح صفات موجود ہیں جو ان کا [illegible] ہے۔ مثلاً قرآن ایک [illegible] ہے [illegible] خدا کا [illegible] ہے۔ اچھوں کی بات پر یقین نہیں رکھتے۔

سورۃ جاثیہ آیت نمبر 24

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ...

[illegible]

[illegible] انسان کا پیدا ہونا ایک حادثہ ہے [illegible]

[illegible]

سورۃ الجاثیہ، آیت 23

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (23)

[illegible]

سورۃ الفرقان، آیت 43-44

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا (43)

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا (44)

[illegible]

[illegible] جانوروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ [illegible]

[illegible] ہوتا ہے۔

آپ کسی دوسرے [illegible] ایک دوسرے [illegible] صدقہ، خیرات، زکوٰۃ، انصاف، یہ سب جانوروں کی فطرت میں نہیں ہوتا۔

اس کی سوچ اور دانش آخرکار اسے اسی نتیجے تک پہنچاتی ہے جس کی طرف اس کی تمنا ہوتی ہے۔ جو لوگ جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں وہ آخرکار اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ ہم درحقیقت جانور ہی تھے، جانور ہی ہیں اور جانور ہی رہیں گے۔

درحقیقت ہم محض جانور نہیں ہیں۔ بلکہ بعض معاملات میں ہم جانوروں سے زیادہ گئے گزرے ہیں۔

[illegible] جانوروں کا [illegible] نہیں ہے۔ [illegible] بتاتا ہے۔

سورۃ التین۔ آیت 5،4

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (٤)

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (٥)

"بے شک ہم نے انسان کو بہترین انداز میں پیدا کیا ہے۔"

"پھر ہم نے اسے سب نیچوں سے نیچا کر دیا۔"

الحاد اور اسلام

الحاد کا فتنہ اس وقت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ عیسائیت، یہودیت اور ہندو ازم اس فتنے سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔

اس بڑی کامیابی نے ملحدین کو اس زعم میں مبتلا کر دیا کہ اسلام بھی ایک کمزور ثابت ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی تمام تر قوت سے اسلام سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ لیکن جب ملحد اور عرب سائنس بازوں نے مسلمانوں خصوصاً پاکستان کے علماء ان فتنے کا مقابلہ کیا تو اور اسی سوشل میڈیا پر اللہ کے فضل و کرم سے الحاد کی قلعی کھل گئی۔

اس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس انٹرنیٹ کے دور میں ہمارے کالج، یونیورسٹیز میں پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں سائنس کو جواز بنا کر مذہب بیزاری کی جا رہی ہے کہ قرآن یا اسلام آج کی سائنس سے موافقت نہیں رکھتا۔ ضرورت بھی ہے۔ سوشل میڈیا پر جہاں جہالت عروج پر پہنچ چکی ہے وہاں ایسے لوگوں کی کمی بھی نہیں ہے۔ ملحدین کی طرف سے اسلام اور اس کے عقائد پر جو بڑے بڑے اعتراضات اٹھائے گئے ان کے جوابات انہی کی زبان میں دیے گئے۔

اس دنیا میں کوئی ایسا ملحد نہیں جس نے کوئی ایسا اعتراض کیا ہو جس کا جواب نہ دیا جا سکے۔ قرآن کی روح پر اعتراض ہو یا فلسفہ یا سائنسی۔ ہر قسم کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے گئے۔

ان شاء اللہ اس کتاب میں دیے گئے اعتراضات جو ملحدین نے اسلام پر کیے ہیں اور ان کے جوابات کو پیش کریں گے۔

شرم و حیا کا خاتمہ الحاد کا ہتھیار

[illegible]

نے مادی قدروں کے پیچھے کی قیمت ادا کرنے کی سمت اپنی مدد آپ سے پوری کر
لی۔

یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، ہندوستان جیسے ملک میں فحاشی، عریانی، نفسانی خواہشات، شراب و شباب کی عادتوں میں مبتلا لوگوں کا سب سے بڑا مسئلہ مذہب ہی تو تھا۔ چاہے نام کا ہی سہی مگر مذہب کے تقاضے تو تھے۔ گناہ تو ہے ہی مگر ندامت چپکی ہوئی تھی۔

الحاد نے ان گناہ پرستوں کا یہ حل ندامت پر دیا۔

یعنی گناہ تو ہر شخص کرتا ہی ہے۔ بحیثیت انسان تم گناہ سے بچ تو نہیں سکتے۔ پھر ندامت سے کیا حاصل؟ ضمیر جھنجھوڑتا ہے تو شرم آتی ہے۔ شرم آتی ہے تو رونا آتا ہے۔ رونا آتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے۔ تکلیف ہوتی ہے تو خدا یاد آتا ہے۔

انسان تائب ہو جاتا ہے۔

اس کا یہ حل الحاد نے یہ بتایا کہ اپنے ضمیر کو قتل کر دو۔

گناہ کرو۔ مگر نادم ہونے کی ضرورت نہیں۔

کوئی خدا نہیں جو تمہیں تمہارے گناہ پر پکڑے اور سزا دے۔

جب وہ تمہیں گناہ سے روک نہیں پاتا تو وہ تمہیں سزا بھی نہ دے پائے گا۔

شرم و حیا سے خالی ہو کر گزرو۔ اپنے کپڑے اتار دو اور اس میں ذرا بھی شرم محسوس نہ کرو۔

مگر شرم و حیا تو انسان کا خاصہ ہے۔ جب شرم کی طرح ننگے گھومنا تو جانوروں کی صفت ہے؟

تو ہم جانور ہی تو ہیں۔

کہ ارتقاء جانوروں سے ہی تو ہوا۔

یہ سب جھوٹ ہے کہ انسان سزا سے بچ جائے گا۔

شرم کیا ہوتی ہے؟

شرم کیوں آتی ہے؟

یہ ایک فطرت ہے۔

آپ ایک بہترین اعلیٰ کلاس کی پارٹی میں چلے جائیں۔ جہاں سب نے بہترین لباس زیب تن کیا ہو۔ مگر آپ کا لباس تھوڑا ادنیٰ ہو۔

تو آپ کو شرم آجائے گی۔

آپ کسی اعلیٰ کلاس کی تقریب میں جائیں۔ جہاں ہر شخص کار سے اترے۔ مگر آپ رکشے سے۔ تو آپ کو شرم آجائے گی۔

شرم کا تعلق ہمارا آپ کی حالت سے ہوتا ہے۔

آپ چار سگریٹ نوشوں کے درمیان بیٹھ جائیے۔ اب سگریٹ سلگائیے۔

آپ کو ذرا شرم نہیں آئے گی۔

مگر آپ کسی تبلیغی اجتماع میں چلے جائیے۔ جہاں ہر طرف ذکر الٰہی میں مصروف لوگوں کا ہجوم ہو۔ خواہ وہ تمام سگریٹ کو حرام یا گناہ نہ سمجھتے ہوں۔ محض ایک برائی ہی سمجھتے ہوں۔ آپ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکتے ہوں۔ مگر وہاں آپ کو سگریٹ کا پیکٹ جیب سے نکالتے ہوئے بھی شرم آجائے گی۔ یا تو آپ اپنی عادت پر کنٹرول کریں گے۔ یا پھر ان سے دور کوئی ایسی جگہ ڈھونڈیں گے جہاں کوئی آپ کو سگریٹ پیتا نہ دیکھے۔

شراب کا بھی یہی معاملہ ہے۔

ہمارے ہاں بعض لوگ بڑے فخر سے گناہ کی تشہیر یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ ہم میں منافقت نہیں۔ جو کرتے ہیں سب کے سامنے کرتے ہیں۔ اگرچہ انہیں منافقت اور شیطانیت کی تشہیر کا فرق تک نہ پتہ ہو۔ کھلے عام شیطان کی تشہیری مہم چلاتے ہیں اور اپنے منافق نہ ہونے پر فخر کرتے ہیں۔

گناہ کرنا اور گناہ کی تشہیر کرنا دو مختلف معاملات ہیں۔

گناہ کرو۔ کرکے شرمندہ ہو۔ اسے چھپانے کی کوشش کرو۔ مگر اس سے توبہ کرو۔
ایمان کی علامت ہیں۔ معاشرے کی تربیت کا ان معاملات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔
علی الاعلان گناہ کرنا حقیقت میں لوگوں کو برائی کی طرف بلانے کے مترادف ہے۔
مثل مشہور ہے کہ دوسرے سے صرف اچھائی نہیں سیکھتا۔ برائی کی بھی نقل
ہے۔

اگر فلاں مولوی صاحب اتنی داڑھی رکھ کر فلاں گناہ کر سکتے ہیں۔ تو میں کیوں
"نہ گناہ کرکے منہ میں چلا جاؤں" یہ وہی بے عملی سوچ ہے جو آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔

تبلیغ کے میدان میں عمومی فضا کی خصوصی اہمیت ہے۔ آپ کسی شراب خانے
میں جا کر شراب کے خلاف تقریر نہیں کریں۔ بلکہ ورنہ وہاں کسی ہستی کا اضافہ
یا کم از کم ایک شرابی کا اضافہ ہو جائے گا۔ بہتر کہ اپنے ماحول میں جو شراب خانے
بنا لیا گیا۔

کسی معاملے سے گریز میں پھر تبلیغ کرنے پر بھی گناہ ہوتا ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت کی صحبت میں رہنا بھی گناہ کو
بڑھاتا ہے۔"

آج بہت سے مسلمانوں کو بھی عورتوں سے گریز میں تبلیغ کرتا دیکھتے ہیں جن کو نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت کیسے ہوتی۔ عورتوں سے مخاطب
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہر ایک شرکت کی شرط عام ہوتی ہے۔ اس کا آغاز ہوٹلوں اور کلبوں میں ہونے سے ہوا تھا۔ ایک مجلس سے تمام افراد ایک حمام میں ننگے ہو جاتے تھے۔

جب سارے ہی ننگے ہوں تو شرم کو بھی وہاں جاتے ہوئے شرم آ جاتی ہے۔

اس آغاز کے بعد اس قسم کی مخلوط محافل کا بھی انعقاد کیا گیا۔

سمندر کنارے جانے والوں نے نہانے اور سن باتھ کے بہانے اپنے کافی سے زیادہ کپڑے اتارنے شروع کیے۔ پھر رفتہ رفتہ اس زمین نے وہ مناظر بھی دیکھے جب سمندر کنارے ایسی مخلوط محافل کا انعقاد کیا گیا جہاں شرکت کے لیے مکمل بے لباسی شرط قرار پائی۔ ایک کی بیوی ہزاروں کے سامنے مادر زاد برہنہ اور ہزاروں کی بیویاں ایک دوسرے کے سامنے مادر زاد برہنہ۔ بے غیرتی نے غیرت کو چاروں شانے چت کر دیا۔ آج بھی اگر آپ الحاد کی تبلیغ کا طریقہ کار دیکھیں تو وہاں سب سے پہلے آپ کی شرم، حیا اور غیرت پر حملہ کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث کے مطابق ایمان کی ساٹھ سے زیادہ شاخیں ہیں۔ حیا ان میں سے ایک ہے۔

بے حیائی کفر کا سب سے بڑا ہتھیار رہی۔ ندامت ختم ہو گی تو گناہ کا احساس بھی ختم۔

رد الحاد کا کام کرنے والوں کے لیے سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ آپ کے پاس اپنے دین کا علم کتنا ہے؟ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کا معیار کیا ہے؟ آپ کا اپنا کردار کتنا مضبوط ہے؟ شرم و حیا اور غیرت کے معاملات میں آپ خود کس مقام پر کھڑے ہیں؟ یاد رکھیں۔ آپ دین اسلام کا دفاع کرنے میدان میں نہیں آئے۔ دین اسلام کو دفاع کے لئے آپ کی ضرورت نہیں۔

آپ دفاع کر رہے ہیں اپنا اور اپنے معاشرے کا۔

ورنہ بقول اقبال:

مومن اس دنیا میں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

دین اسلام کا یہ سورج اگر آپ کے خطے میں ڈوب بھی گیا تو اللہ کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔ یہی سورج کسی اور خطے سے اپنی پوری آب و تاب اور چمک دمک کے ساتھ نکلے گا۔

مگر آپ اس خطے کے باسی نہیں ہوں گے۔

○

کائنات کی پیدائش۔ معجزہ یا حادثہ؟

قرآن۔ سورہ الملک۔ آیت 3 اور 4

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن
تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ﴿٣﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ
يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ﴿٤﴾

"اس نے سات آسمان اوپر تلے بنائے۔ (اے دیکھنے والے) کیا تو (خدا) رحمٰن کی آفرینش میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔"

قارئین! ہم آج اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں۔ ترقی کے میدان میں ہم جتنی بھی سیڑھیاں اوپر چڑھتے ہیں اتنے ہی خدا کے قریب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم خدا کا انکار کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہماری ترقی ہمارے اس انکار کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

فلکیات کے میدان میں جتنے بڑے بڑے نام ہیں ان کی کائنات کا تذکرہ خدا کے تذکرے کے بغیر ادھورا ہے۔ چاہے وہ [illegible] [illegible] آئن سٹائن اور [illegible] تک پہنچ جاتا ہے۔

"[illegible] سے خدا کا [illegible] ہے"

مگر نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا سائنس بھی خدا ... [illegible]

اس صدی میں ایسا ہوا ہے ... [illegible]
کیے ہیں جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ اب بہت سے سائنسدانوں نے ... [illegible]
شروع کر دیا ہے کہ یہ کائنات اور اس میں موجود زندگی کی ... [illegible]
ہے۔ بہت سے سائنسداں جو کبھی کسی خدا پر یقین نہیں رکھتے تھے اب خدا ... [illegible]
چارہ نہیں پاتے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ سائنسدان اچانک خدا کے متعلق ... [illegible]
اور اس کائنات اور زندگی کی پیدائش کو خدا کے علم ... رکھتے ہیں؟

تین انقلابی دریافتیں ہیں جنہوں نے سائنسدانوں کو خدا کے متعلق سوچنے پر
مجبور کیا۔

۱۔ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدا ہے۔
۲۔ کائنات زندگی کی نمو کے لئے بہت زیادہ موزوں ہے۔
۳۔ ڈی این اے کوڈنگ بغیر کسی ذہین دماغ کے تشکیل ہو ہی نہیں سکتی۔

ان تین دریافتوں کے بارے میں اگلے صفحات میں سائنسدانوں کے خیالات آپ
کو چونکا دیں گے۔

بیسویں صدی سے پہلے سائنسدانوں کا خیال تھا کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور
اس کا کوئی آغاز نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مادہ، خلا اور توانائی جن سے کائنات بنی وہ ہمیشہ سے
موجود تھے۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں ماہر فلکیات ایڈون ہبل نے دریافت کیا کہ کائنات
پھیل رہی ہے۔ اس نے حساب لگایا کہ جو کچھ بھی کائنات میں ہے جس میں مادہ، خلا، توانائی
بلکہ خود وقت بھی شامل ہے اپنا ایک آغاز رکھتا ہے۔ بہت سے سائنسدانوں جن میں آئن
اسٹائن بھی شامل تھے نے اس نظریے کا انکار کیا۔ مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا
سکتا کہ کسی نے اس کائنات کا آغاز ... [illegible]

آغاز کی توضیح آئن اسٹائن بھی کرنے سے قاصر ہے۔

1992 میں COBE سیٹلائٹ کے تجربے نے بالآخر اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ ایک عظیم دھماکے سے اس کا آغاز ہوا۔ جسے بگ بینگ کا نام دیا گیا۔ سائنس آج ہمیں یہ بتانے سے قاصر ہے کہ کائنات کے اس آغاز کی وجہ کیا تھی اور کون اس کو آغاز بخشنے کا سبب بنا۔ مگر مجھ کو یقین ہے کہ یہ کسی خالق کی طرف ایک بالکل واضح اشارہ ہے۔

برطانوی تھیوریسٹ ایڈورڈ ملنی ریلیٹیویٹی سے متعلق اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"کائنات کے آغاز کی اصل وجہ کیا تھی۔ یہ بات ابھی پڑھنے والوں کے لیے باقی ہے۔ مگر ہماری تصویر "اس ہستی" کے بغیر ادھوری ہے۔"

ایک اور برطانوی سائنسدان ایڈمنڈ وائیکر نے کائنات کے آغاز کو خدا سے منسلک کرتے ہوئے کہا کہ:

"خدا کی ایما پر کائنات عدم سے وجود میں آئی۔"

بیشتر سائنسدان اب یقین کرنے لگے ہیں کہ الہامی کتابوں میں جو کائنات کے عدم سے وجود میں لانے کی بات کی گئی ہے وہی سچ ہے۔

کاسمولوجی کے ماہرین اب اس بات پر یقین کرنے لگے ہیں کہ یہ عظیم دھماکہ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی زندگی وجود میں آ ہی نہیں سکتی تھی اگر اس کا کوئی ڈیزائنر نہ ہوتا۔ انہوں نے اب اس ڈیزائنر کے لئے "عظیم دماغ"، "خالق" اور "زبردست ہستی" جیسے الفاظ کا استعمال شروع کر دیا ہے۔

سائنسدانوں کے اس تحیر کی وجہ یہ ہے کہ اس کائنات کے آغاز میں جتنی حیران کن باتیں تھیں اس سے زیادہ حیران کن اس کا زندگی کے آنا کے لئے موزوں ترین ہونا ہے۔

فزکس کے ماہرین ہمیں بتاتے ہیں کہ یہاں زندگی کا ہونا گویا یہی بعد وقوعہ قوانین جو لاگو ہیں ان کا پیچیدگی سے انتہائی اعلیٰ معیار تک درست ہونا ضروری تھا ورنہ کائنات بن ہی نہیں سکتی تھی۔

مثال کے طور پر کیا آپ جانتے ہیں کہ کائنات کا قدرے پھیلاؤ معمولی سا کم ہوتا تو کیا ہوتا؟

گریوٹی سارے مادے کو دوبارہ کھینچ کر اسی مقام تک پہنچا دیتی جہاں سے اس کا آغاز ہوا۔

ہم یہاں کائنات کے پھیلاؤ کو ایک ۱۰۰ فیصد کم کرنے کی بات نہیں کر رہے۔

جیسے اگناسٹک سائنسدان سٹیفن ہاکنگ کہتے ہیں اس بابت:

"اگر کائنات کے کل پھیلاؤ میں بگ بینگ سے صرف ایک لمحے بعد سو ہزار ملین ملین کا صرف ایک حصہ کمی واقع ہو جاتی تو کائنات اس مرحلے پہنچنے سے کافی پہلے تباہ ہو جاتی جس پر آج قائم ہے۔"

دوسری طرف کائنات کا کل پھیلاؤ اگر اتنا ہی بڑھ جاتا تو ستارے چاند سیارے یا گیلیکسیز کبھی وجود میں نہ آتیں اور ہم یہاں نہ ہوتے۔

مزید یہ کہ زندگی کو وجود میں آنے کے لیے ہمارے سولر سسٹم کی کئی چیزوں کا خصوصاً ہمارے سیارے کے حالات کا سازگار یا موزوں ترین ہونا انتہائی ضروری تھا۔

مثال کے طور پر ہم جانتے ہیں کہ اگر اس سیارے پر آکسیجن نہ ہوتی تو ہم سانس لینے کے قابل نہ ہوتے۔ آکسیجن نہ ہوتی تو پانی بھی نہ ہوتا۔ پانی نہ ہوتا تو نہ بارش نہ خوراک۔ کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسرے عناصر جیسے ہائیڈروجن، نائٹروجن، سوڈیم، کاربن، کیلشیم اور فاسفورس بھی زندگی کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

مگر بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔

زندگی نے ہمارے سیارے کو [illegible] درجہ حرارت [illegible] ہمارے چاند سے

"توانائی اور وسعت۔ کیمیائی مرکبات، سورج اور زمین کا بالکل اسی ترتیب سے ہونا ضروری تھا جس ترتیب سے یہ قائم کیے گئے۔

ایسے نہ جانے کتنے معاملات ہیں جن کا انتہائی موزوں ترین ہونا ضروری تھا ورنہ یہ سب کچھ سوچنے کے لئے ہمارا وجود ہی نہ ہوتا۔

جو سائنسدان خدا کو مانتے ہیں وہ اس انتہائی پیچیدہ مگر ایکوریٹ کیلکولیشن کو مان سکتے ہیں مگر ملحد اور اگناسٹک سائنسدان بھی اسے اتفاق قرار دینے سے قاصر ہیں۔

اگناسٹک سائنسدان اسٹیفن ہاکنگ لکھتے ہیں:

"قابل ذکر حقیقت یہ ہے کہ ان اعداد و شمار کا یقین کی حد تک ایکوریٹ ہونا زندگی کے وجود کے لیے انتہائی ضروری تھا۔"

سوال یہ ہے کہ اعداد و شمار کی اس انتہائی پیچیدہ ایکوریسی کو اتفاق قرار دیا جاسکتا ہے؟

نظریہ امکانات کے مطابق ہماری زندگی کے محض حادثاتی طور پر یا اتفاقیہ وجود میں آجانے کا امکان کتنا تھا؟

سائنسدانوں کے مطابق یہ ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین ٹریلین باریوں میں صرف ایک بار تھی۔

- اس سے کہیں زیادہ ممکن ہے کہ ایک ریت کے ذرے کو مارک کر کے کسی ساحل کی ریت میں ملا دیا جائے اور ایک اندھے کو دنیا کے تمام ساحلوں کی تمام ریت میں سے اس ایک مخصوص ذرے کو ڈھونڈنے کا کہہ دیا جائے اور وہ صرف ایک کوشش میں کامیاب ہو جائے۔

یا پھر کوئی شخص لاکھوں ملین ڈالر کی لاٹری کی ٹکٹ خرید کر ہر مرتبہ جیت لے اور ایسا مسلسل ہزاروں بار ہو۔

یہ ممکن نہیں جب تک کہ اس کے پیچھے کسی کا پلان نہ ہو۔

یہی وہ بات ہے جسے اب سائنسدان سوچنے پر مجبور ہیں کہ یہ کائنات کسی حادثہ یا اتفاق سے نہیں بلکہ "کسی نے" اسے تخلیق کیا ہے۔

یہ جاننے کے بعد کہ کائنات میں ہماری پیدائش کتنی حیران کن ہے ایک امریکی ماہر فلکیات جارج گرین اسٹین یہ سوال پوچھنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"کیا یہ ممکن ہے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی بغیر نیت کے ہم کائنات کی تخلیق کی بہت ہی قابل قدر سائنسی شواہد کی طرف دھکیل دیئے جائیں؟"

اس بیان کا کیا مطلب ہے؟

یعنی جس خالق نے اس انتہائی پیچیدہ مکینزم سے یہ کائنات تخلیق کی ہے اس نے انسان کے پاس ایسی کوئی جائے فرار بھی نہیں چھوڑی کہ وہ اس کائنات کے خالق کا اقرار کیے بغیر کائنات کی توضیح کرے۔

بالفاظ دیگر سائنس اب انتہائی ترقی کے بعد معجزوں سے ٹکرانے کی حد میں داخل ہو چکی ہے۔

بدقسمتی سے جارج گرین سٹین سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے خدا پر یقین کرنے کے بجائے اس کائنات کی بغیر خدا کے سائنسی وضاحت کی کوشش کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

رابرٹ جاسٹرو واضح کرتے ہیں:

"سائنس بھی ایک قسم کے مذہب کی طرح ہے۔ یہ ایک ایسے شخص کا مذہب ہے جو کائنات میں قوانین اور آگہی کی بحالی پر یقین رکھتا ہے۔ سائنسدان کے اس مذہبی نظریے کی خلاف ورزی اس وقت سے ہوتی ہے جب اسے پتہ چلتا ہے کہ کائنات کے آغاز میں وہ تمام طبیعاتی قوانین جن پر اس کا یقین ہے پس پشت ڈال دیے گئے اور ہم ان کی وجوہات جاننے سے قاصر تھے۔ یہ جاننا کہ ... ایک شدید صدمے کا شکار ہو جاتے۔"

اس وقت کوئی بھی ... نہیں ... ہیں اور ... جیسے سائنسدان ...

تمام باتوں کے کیوں کائنات کی اتفاقیہ پیدائش کو مانتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اسے خدا کی تخلیق تسلیم کریں۔

ہاکنگ سمجھتے ہیں کہ ہماری کائنات جیسی دوسری کائناتیں بھی موجود ہو سکتی ہیں جہاں ہماری طرح کی زندگی کے بھی امکانات موجود ہوں۔

البتہ ان کا یہ بیان غیر مستند اور ناقابل تصدیق ہے لہٰذا اسے کسی صورت سائنسی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایک اور برطانوی ماہر فلکیات پال ڈیوس، ہاکنگ کے اس خیال کو محض ان کی قیاس آرائی قرار دیتے ہوئے مسترد کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ:

'یہ محض ان کا ایک عقیدہ ہے جس کے پیچھے کوئی مشاہدہ نہیں۔"

گو ہاکنگ زندگی کی توجیہ خالصتاً سائنسی بنیادوں پر ثابت کرنے کا کام مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں مگر دوسرے سائنسدان جن میں اگناسٹکس بھی شامل ہیں کائنات کی پیدائش میں کسی خالق کے ہونے کے زبردست شواہد پر یقین رکھتے ہیں۔

ماہر فلکیات فریڈرک ہائل لکھتے ہیں:

"شواہد کی بنیاد پر انسانی عقل اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ طبیعیات، کیمسٹری اور بائیولوجی کے نام پر کسی کا ایک نادیدہ اور زبردست قوت کا انکار درحقیقت حماقت پر مبنی ہے۔"

ایک ملحد کرسٹوفر ہچنز جن کی زندگی کا بیشتر حصہ خدا کے وجود کے خلاف لکھنے اور مباحثوں میں گزرا۔ اس بات سے متفق تھے کہ زندگی وجود میں نہیں آ سکتی تھی اگر معاملات اس سے صرف بال برابر مختلف ہوتے جیسے کہ ہیں۔

ڈیوس تسلیم کرتے ہیں کہ:

'میرے لیے اس بات کے ثبوت بہت قوی ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے کوئی

کارفرما ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی نے تمام اعداد و شمار کا حساب لگا کر ہی یہ ایک زبردست کائنات تشکیل دی ہے کہ اسے سمجھ جائے۔"

مگر فلکیات واحد میدان نہیں ہے جہاں سے سائنس کو خدا کی موجودگی کے ثبوت ملے۔

بات کرتے ہیں ایک انتہائی پیچیدہ کوڈنگ کی۔

ڈی این اے۔

1953 کے اوائل میں حیاتیاتی سائنسدانوں نے ہر زندہ جسم میں موجود ایک انتہائی پیچیدہ مالیکیول ڈی این اے کی موجودگی کی تصدیق کی۔

یہ چھوٹا سا مالیکیول جو نہ صرف ہمارے جسم کے بلکہ ہر حیات کے ہر سیل میں پایا جاتا ہے۔ جتنا زیادہ سائنسدان اس ڈی این اے کو سمجھتے جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ یہ ان کو اس ذہانت پر حیران کرتا جاتا ہے جو اس کے پیچھے استعمال ہوئی ہے۔

سائنسدان جو اس مادی دنیا کی بغیر خدا کے تشریح پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ یہ ڈی این اے بغیر خدا کے قدرتی انتخاب کے تحت ہمارے ساتھ ارتقاء پذیر ہوتا گیا۔ مگر پھر بھی کافی ارتقاء کے حامی سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ ڈی این اے کی انتہائی پیچیدہ ترین کوڈنگ ناقابل وضاحت ہے۔

ڈی این اے کی اس پیچیدہ ترین کوڈنگ نے ڈی این اے دریافت کرنے والے سائنسدانوں میں سے ایک فرانسس کرک کو یہ ماننے پر مجبور کر دیا کہ یہ کوڈنگ کسی بھی طور پر خود بخود اس زمین پر وجود میں نہیں آسکتی۔ ان کا خیال ہے کہ حیات کا یہ پہلو تو پیچیدہ ہے کہ اس بارے میں گمان گزرتا ہے کہ یہ کسی اور سیارے سے شروع ہوئی۔

وہ لکھتے ہیں:

"ایک ایماندار انسان، جو آج دستیاب تمام علم اپنے پاس جمع کر لے تب بھی اس ڈی این اے کی وضاحت اسی طرح کر سکتا ہے کہ یہ ایک معجزہ ہے۔ اس سطح میں بہت

زیادہ معاملات ایسے ہیں جن کی تشکیل کے بغیر بڑھنا محال ہے۔"

ڈی این اے میں موجود کوڈنگ ایک ایسی ذہانت کا ثبوت دیتی ہے جس پر یقین کرنا ناممکن ہے۔

ڈی این اے کی کوڈنگ کا صرف سوئی کی نوک برابر سراتی معلومات کے برابر ہے کہ جتنی اگر کتابوں میں رقم کر دی جائیں تو ان کتابوں سے اس زمین جیسی پانچ ہزار زمینوں کو ڈھکا جا سکتا ہے۔

جس طرح ایک کمپیوٹر پروگرام کی کوڈنگ ہوتی ہے ویسے ہی ڈی این اے کوڈنگ کی بھی ایک پیچیدہ زبان ہے۔

مائکروسافٹ کے بانی بل گیٹس کہتے "کہ ڈی این اے کی کوڈنگ کسی بھی کمپیوٹر ٹیکنالوجی سے بہت بہت زیادہ پیچیدہ ہے جو ہم نے آج تک بنائی ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز اور دوسرے ارتقاء کے حامی سے اس کی تمام تر پیچیدگیوں کے باوجود قدرتی انتخاب کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔

مگر کرک جو نوبل پرائز ونر بھی ہیں کہتے ہیں:

"قدرتی انتخاب سے پہلا مالیکیول بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیادہ تر سائنسدان یقین رکھتے ہیں کہ ڈی این اے کے پیچھے جو ذہانت بھری بیش بہا معلومات ہیں وہ اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہیں کہ انہیں قدرتی ماحول سے اخذ کیا جا سکتا۔"

اکیسویں صدی کے اوائل میں ایک ملحد سائنسدان انٹونی فلیو ڈی این اے کے پیچھے چھپی انتہا درجے کی ذہانت کا مطالعہ کرنے کے بعد الحاد چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

فلیو اپنے الحادی نظریات کو بدلنے کی وجہ بتاتے ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ ڈی این اے کی بناوٹ ہمیں اپنے اطراف میں موجود تمام مرکبات میں استعمال کی گئی کمال ذہانت کا یقین دلاتی ہے۔ ایک انتہائی پیچیدہ کوڈنگ اور پھر اس کوڈنگ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے کامل نتائج میرے لئے انسانی ذہانت

کے استعمال کا ثبوت ہے۔ مجھے اب لگتا ہے جیسے ڈی این اے کی دریافت کے پچاس سال اور اس پر ہونے والے کام نے ایک ڈیزائن کی بحث کو انتہائی طاقتور مواد فراہم کر دیا ہے۔"

علیو نے یہ بات تسلیم کی کہ ڈی این اے کی کوڈنگ اس حد تک پیچیدہ ہے کہ بغیر ڈیزائنر کے اس کے خود بخود بن جانے کو ماننا ناممکن ہے۔

یہ تمام شواہد ثابت کرتے ہیں کہ کائنات اور زندگی پر کسی تخلیق کار کے نقش موجود ہیں۔

امریکی سائنسدان رابرٹ جیسٹرو ایسے سائنسدانوں کی ناامیدی اور صدمے کا قصہ بیان کرتے ہیں جنہیں یہ لگتا تھا کہ انہوں نے خدا کو اپنی دنیا سے نکال باہر کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"ان سائنسدانوں کے لئے جو اس عقیدے پر قائم ہیں کہ ہر چیز کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہانی ایک برے خواب پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ وہ جہالت کے پہاڑ کو کچلتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے۔ بس وہ علم کے میدان میں سب سے زیادہ اونچائی سر کرنے کو ہے۔ جیسے ہی وہ آخری چٹان پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھتا ہے، اسے عالموں کی ایک جماعت کی طرف سے خوش آمدید کہا جاتا ہے جو وہاں صدیوں سے بیٹھی ہے۔"

بہت سے سائنسدان جن میں فزکس کے میدان میں نوبل پرائز جیتنے والے آرنو پنزیاس بھی شامل ہیں مانتے ہیں کہ ان نئی دریافتوں نے خدا کی موجودگی کے زبردست شواہد پیش کیے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں:

"مجھے لگتا ہے کہ جب زندگی اور کائنات سے متعلق ان عجائبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو سوال یہ نہیں ہوتا کہ یہ کیسے ہوا۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ ان سوالوں کے ممکن جوابات صرف مذاہب دیتے ہیں۔ میں نے کائنات میں اور خود اپنی زندگی میں خدا کی

ضرورت کو محسوس کیا ہے۔"

آخر میں مایہ ناز سائنسدان آئن اسٹائن کا مشہور بیان ہے کہ:

"سائنس بغیر مذہب کے لنگڑی ہے اور مذہب بغیر سائنس کے اندھا ہے۔"

یہ بات واقعی بہت زبردست ہے کہ سائنس کے میدان میں ترقی انسان کے خدا پر یقین کو پختہ کرتی ہے۔

اور سائنس مذہب کے بغیر لنگڑی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں آج کا سائنسدان ان دریافتوں کے بعد پہنچ چکا ہے۔ اب اس سے آگے جانے کے لئے خدا کو ماننا ضروری ہے۔ سائنس عملی طور پر اب معجزات کو ماننے کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔

انسان جب کوئی نئی چیز ایجاد کرتا ہے تو فخر و غرور سے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا دیتا ہے جیسے کہ وہ اپنے خالق پر سبقت لے گیا۔ کمپیوٹر کی ایجاد بلاشبہ انسان کی آج تک کی سب سے انقلابی ایجاد ہے۔ جس کے بعد دنیا میں معلومات کا سیلاب آ گیا۔ مگر ڈی این اے میں موجود معلومات کے سیلاب کی صرف ہلکی سی جھلک انسان کے تمام کمپیوٹرز کو شرمندہ کرتی نظر آتی ہے۔ آسمان کی طرف سر اٹھائے انسان کو یہ اشارہ ہے کہ تیرے سر کی جگہ آسمان پر نہیں بلکہ خدا کے قدموں میں ہے۔

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾

"تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا (۲۹) اور میری بہشت میں داخل ہو جا (۳۰)"

○

انٹیلی جنٹ ڈیزائن اور ڈیزائنر

اللہ کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے مسلمان ہمیشہ سے اللہ کی تخلیقات کو بطور ثبوت پیش کرتے رہے ہیں اور یہ وطیرہ مسلمانوں کا خود ساختہ نہیں بلکہ خود رب کائنات بھی انسان کی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن۔سورہ البقرہ آیت 118

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

"اور جو لاعلم تھے وہ بولے اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ یا ہمیں کوئی نشانی ملے۔ان سے پہلے کے لوگ بھی انہی کی مثل ایسی ہی کہتے تھے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بے شک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لیے۔"

قرآن۔سورہ الملک۔آیت 3_4

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۖ مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِن تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ (3) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ (4)

"جس نے سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا۔تو رحمان کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے؟ تو نگاہ اٹھا کر دیکھ۔تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کر دیکھ۔

تیری نظر ناکام پلٹ آئے گی تھکی ماندی۔''

قرآن۔ سورہ الواقعہ۔ آیت 58 تا 67

أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ (58) أَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ (59)
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ (60) عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ
أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ (61) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ
فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ (62) أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ (63) أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ
الزَّارِعُونَ (64) لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ (65) إِنَّا
لَمُغْرَمُونَ (66) بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ (67)

''کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ جو نطفہ تم ٹپکاتے ہو۔ کیا تم اسے (آدمی بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی تمہارے درمیان موت (کا وقت) مقرر کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں۔ کہ ہم تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں (یا ایسے عالم میں) پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تم (اپنی) پہلی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو پھر نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تم جو کچھ (بیج) بوتے ہو۔ کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (پیداوار) کو (خشک کر کے) چورا چورا کر دیں تو تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ کہ ہم پر تاوان پڑ گیا۔ بلکہ ہم بالکل محروم ہو گئے۔''

ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ جب ہر چیز ڈیزائن کی گئی اور ڈیزائنر خدا ہے تو اس خدا کا بھی تو ڈیزائنر کوئی نہ کوئی ہونا چاہئے؟

یعنی منطق یہ ہے کہ یا تو خدا کے بھی ڈیزائنر کا اعتراف کر لیا جائے یا پھر مان لیا جائے کہ ہر چیز خود بخود وجود میں آتی چلی جا رہی ہے۔ یعنی کائنات اتفاقی حادثے کے نتیجے میں خود بخود تخلیق ہو گئی۔ انسان خود ہی پیدا ہو گیا۔ ہر جاندار۔ اور ہر چیز جو ہم دیکھتے ہیں وہ از خود تخلیق ہو گئی۔

پہلے خدا کی اس تعریف کو سمجھ لیتے ہیں جو مسلمانوں میں رائج ہے اور وہ تعریف یہ ہے۔

کوئی ایسی ہستی جس نے ہر شے کو تخلیق کیا۔ جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے یعنی خدا اس کا کوئی آغاز ہو نہ کوئی انجام۔ نہ وہ کسی سے جنا گیا ہو نہ ہی اس نے کسی سے جنم لیا ہو اور اس کا کوئی ہمسر نہ ہو۔

یہ ہے مسلمانوں کے نزدیک خدا کی مختصری تعریف۔

اب آجاتے ہیں ملحدوں کے اعتراض پہ۔

کائنات ایک انتہائی پیچیدہ یا انٹیلی جنٹ ڈیزائن ہے اور اس کے لئے ایک ڈیزائنر کا ہونا ناگزیر ہے۔ یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ اس انٹیلی جنٹ ڈیزائن کا ڈیزائنر خود کتنا پیچیدہ ڈیزائن ہوگا اور اس کے لئے ڈیزائنر کا ہونا کیوں ضروری نہیں؟

اس کا بڑا سادہ سا جواب ہے کہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ کائنات کے بنانے والے کا بھی کوئی بنانے والا ہے۔ تو کیا کائنات کا بنانے والا خدا کی اس تعریف پر پورا اترے گا جو میں نے اوپر پیش کی؟

جی نہیں۔

مگر پھر خدا کی تعریف پر وہ پورا اترے گا جو کائنات کے بنانے والے کا بھی بنانے والا ہو۔ پھر اسے خدا سمجھا جائے گا۔

مگر رکیئے۔

ابھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔ کیوں کہ شیطانی دماغ پھر کیا یہ نہ پوچھے گا کہ کائنات کے بنانے والے کا بنانے والا تو موجود ہے تو کیا اس کا بنانے والا نہ ہوگا؟ وہ تو پھر اس سے بھی زیادہ عظیم ڈیزائن ہوا۔ پھر ہمیں ایک قدم اور پیچھے جانا پڑے گا۔

یہ ایک مسلسل اور لاحاصل سلسلہ ہے گا اس وقت تک جب تک انسان کسی مقام

پر اپنے آپ کو روک کر کسی ایک ڈیزائنر کو خدا تسلیم نہ کر لے۔ ورنہ تو جس بنانے والے کو بنانے والا موجود ہے تو پہلا بنانے والا تو خدائی منصب کی تعریف پہ پورا اتر ہی نہیں سکتا۔ المختصر یہ کہ جس مقام پہ ہم اس بحث کو ختم کریں گے اس مقام کی آخری ذات کو بہرحال ہمیں خدا تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔

اس مسئلے کے صرف دو ہی حل ہیں۔ پہلا یہ کہ کائنات کی تخلیق سے متعلق جو واحد خدائی دعویٰ موجود ہے اسے اس کے دعووں پہ پرکھ لیا جائے۔ جس تھیوری آف پروببلٹی کا فائدہ سائنس کو دیا جاتا ہے اسی تھیوری آف پروببلٹی پہ خدا کو بھی پرکھ لیا جائے۔ میں نے تو آج تک سائنس کو ہی قرآن کی تصدیق کرتے پایا ہے۔ بلاشبہ اس تصدیق سے پہلے سائنس ہر دیوار پہ اپنا سر ضرور ٹکراتی ہے کہ حرام ہو جائے قرآن کو نہ ماننا پڑے مگر آخر آنا وہیں پڑتا ہے جس راستے کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ اسی کو زیر نظر رکھ کر تحقیقات کا جائزہ لیا جائے۔

اور دوسرا یہ کہ ہر تخلیق کے خالق کا سرے سے انکار کر دیا جائے چاہے وہ انٹیلی جنٹ ڈیزائن ہو یا نان انٹیلی جنٹ۔

اگر ہم دوسرے حل پہ چلتے ہیں تو ہمارے پاس ناقابل حل سوالات کی ایک لمبی قطار ہے۔

ہمیں ارتقاء کا نظریہ یہ بتاتا ہے کہ انسان جانور سے ارتقاء پذیر ہوا۔ جانور پودوں سے اور پودے ایک یک خلوی جرثومے سے۔ مگر سائنس کی گاڑی بھی یہاں آ کر اٹک جاتی ہے کہ پہلی زندگی یعنی وہ یک خلوی جرثومہ کہاں سے آیا؟ پھر ارتقاء کی تھیوری بذات خود یک انتہائی متنازعہ تھیوری ہے۔ محض اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے جوابات گھڑ لیے گئے۔ مثلاً ارتقائی نظریے کے مطابق آبی جاندار خشکی کے جانداروں میں ارتقاء پذیر ہوئے مگر جب ان سے پوچھا جائے کہ آبی جاندار خشکی پہ سانس لینے کے قابل کیسے ہوئے تو جواب ملتا ہے کہ آبی جانداروں اور خشکی کے جانداروں کے آباء مشترک تھے

اور ... گلپھڑوں اور پھیپھڑوں دونوں نعمتوں سے بہرہ مند تھے پھر جب خشکی کے جاندار خشکی پر آ گئے اور پانی کے پانی میں رہ گئے تو خشکی کے جانداروں کے گلپھڑے بجائے اصلاح کے تحت غائب ہو گئے اور اسی طرح پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے بھی۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان کے جو مشترک آباء تھے ان کے پھیپھڑے ارتقاء سے پہلے ہی بجائے اصلاح کی بھینٹ کیوں نہ چڑھ گئے۔ وہ اس وقت بھی تو غیر ضروری تھے؟ پھر مزید یہ کہ ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کی وضاحت نظریہ ارتقاء کرنے سے قاصر ہے۔ مثلاً پھولوں کی مختلف خوشبوئیں۔ پھلوں کے مختلف ذائقے۔ دنیا میں پھیلی خوبصورتیاں۔ تتلیوں میں بھرے دیدہ زیب رنگ۔ ان تمام چیزوں کی وضاحت ارتقائی نظریہ میں اس طرح کی جاتی ہے کہ جس چیز کو ہم خوبصورت سمجھیں وہ ہمیں خوبصورت لگتی ہے۔ یہ سوال سے جان چھڑانے والی بات ہے۔ انسان جب عورت سے ہم بستری کرتا ہے تو اس عمل سے حاصل ہونے والی آخری لذت کو ہمارے دماغ کا لٹو رہے؟ کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان بچے پیدا کرے ورنہ ضرورت تو مکمل ضرورت ہوتی ہے۔ اس میں اس لذت کا کیا کام تھا؟ کیا خود بخود پیدا ہو جانے والے انسان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ بغیر لذت کے بچے پیدا کر لیا کرتا؟ یا بغیر ذائقے کے تم۔ اناج اور پھل کھا کر طاقت حاصل کر لیا کرتا؟

پھر ارتقائی نظریہ پر مجھے جو سب سے بڑا اختلاف ہے وہ یہ کہ بندر کو انسان میں ارتقاء پذیر ہونے کے لئے لاکھوں برس درکار ہیں مگر ایک قطرہ مادہ منویہ محض نو مہینے میں ارتقاء پذیر ہو کر جیتے جاگتے انسان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ کیا اس ارتقاء کی کوئی عقلی یا سائنسی توجیہ پیش کی جا سکتی ہے؟ زمین میں ایک چھوٹا سا بیج بوتے ہیں اور وہ درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں لکڑی بھی ہے چھال بھی ہے پتے بھی اور شاخیں بھی۔ کیا اس ننھے سے بیج میں یہ سب موجود تھا؟

خدا کے انکار کا منکرین کے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔ کوئی ایسا عمل جو ان کی بیان کی گئی خدائی تعریف سے خارج ہو۔ اب وہ عمل کیا ہو؟ خود بخود سے تخلیق کردہ

سوال اٹھاتے ہیں۔ مگر خدا کا آغاز ثابت کرنے سے مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ جو آغاز بخشے گا وہ خود خدا کہلائے گا۔ یعنی خدا ختم نہیں ہوگا بدل جائے گا۔ دوسری صورت یہ کہ خدا کا فنا ثابت کیا جائے۔ مگر یہاں ملحد اعتراض کریں گے کہ ہم جس کا وجود ہی نہیں، مانتے اس کا فنا کیسے ثابت کریں؟ تو سنیں۔ خدا تو خدا کے نام لیواؤں کے دلوں میں بستا ہے۔ دنیا کی جو دو تہائی آبادی خدا کی نام لیوا ہے اس کا مکمل خاتمہ۔ اب چاہے یہ خاتمہ طاقت سے کیا جائے یا الحاد کی تبلیغ سے۔ جیسے بھی ممکن ہو۔ بڑا حوصلہ درکار ہے تپتی ریت پہ ننگی پیٹھ لیٹ کر اللہ احد پہ قائم رہنے کے لئے۔ طائف میں پتھر کھانے کے لئے۔ جہاد کرنے کے لئے۔ جو ملحد خوف کے مارے فیس بک پہ اپنا اصلی نام نہ بتا سکیں ان کے بس کا روگ نہیں۔

خدا کے نام لیواؤں کو ختم کرنے کا اختیار انسان کے پاس نہیں۔ یہ کام خدا خود کرے گا جب دنیا ختم کرنی ہوگی۔ مگر اس دن تو یہ جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔ قیامت آجائے گی۔

○

دین، لادینیت اور ہم جنس پرستی

اس دنیا کی ۸۰ فیصد آبادی ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو کسی نہ کسی مذہب کو مانتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ ہمیشہ سے انسان کی ضرورت رہا ہے۔ انسان کے اندر موجود تجسس کا مادہ اسے ہر معاملے میں کوئی نہ کوئی نظریہ یا عقیدہ رکھنے کی ترغیب دلاتا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکمل علم کے حصول تک انسان محدود علم سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دے۔

مثال کے طور پر آج ہم یہ جانتے ہیں کہ دنیا بیضوی شکل کی ہے۔ مگر جب انسان یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بیضوی ہے اس وقت وہ اسے گول سمجھتا تھا اور اس سے بھی پہلے چپٹی۔

انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ کسی کے سمجھانے یا دلائل پر اپنے کمتر نظریے یا عقیدے سے دستبردار ہو کر اس کے بہتر نظریے یا عقیدے کو چن لے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ بغیر کسی بہتر عقیدے یا نظریے کے وہ اپنے پرانے نظریے یا عقیدے سے بھی دستبردار ہو جائے۔

مثال کے طور پر اگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ زمین گول ہے۔ تو کوئی شخص اپنے بہتر دلائل سے مجھ پر یہ ثابت کر سکتا ہے کہ یہ زمین بیضوی شکل پر ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ بغیر نئے نظریے کے وہ مجھے میرے پرانے نظریے سے دستبردار کروا لے۔ یعنی نہ زمین گول ہے نہ بیضوی نہ چپٹی بلکہ زمین کسی شکل کی نہیں ہے۔

یہی حال ہے مذہبی نظریے کا۔ چاہے ہم مطمئن نہ ہوں اور جو تحقیق کر رہے ہوں مگر جب تک وہ تحقیق مکمل نہیں، اپنے پچھلے نظریے کو تو رکھنا پڑے گا۔ انسان کا یہ

رویہ اس کی تحقیق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنا۔

میں نے شروع میں عرض کیا کہ اس دنیا کی زیادہ تر آبادی کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر اس دنیا میں کچھ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے۔ انہیں ہم ملحد یا دہریے کہتے ہیں۔

یہ لوگ دنیا کی پیدائش سے متعلق یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ دنیا خودبخود وجود میں آ گئی ہے۔ یہ انرجی محض لا کیمیکل یا اتفاقی حادثہ۔ مگر اس دنیا کا پیدا ہونا، اس میں انسان کا پیدا ہونا، جانوروں کا وجود، کیڑے مکوڑے، پیڑ پودے سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ یعنی نہ کوئی خدا نہ کسی خدا کا وجود۔ یہ سارا نظام بغیر کسی خدا کے چلائے چل رہا ہے۔

چند فیصد لوگوں کے اس رویے کو دنیا کی باقی ماندہ آبادی نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ کیوں کہ خدا کے وجود سے متعلق سوال بہت کم ہیں۔ خدا کہاں سے آیا؟ کس نے پیدا کیا؟ ایسے چند سوال ہیں جو ذہن میں گردش کرتے ہیں۔ اگر خدا واقعی خدا ہے تو اسے اس بات پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی مخلوق کی فرمائش پر اس کے ہر سوال کا جواب دیتا پھرے۔ اور اگر اسے خدا نہ سمجھا جائے تو پھر کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کہاں سے آیا؟ مگر خدا کے انکار کی صورت میں جو سوال کھڑے ہو جاتے ہیں ان کی تعداد ناقابل بیان حد تک زیادہ ہے۔

مثال کے طور پر مجھ سے دو پینٹ کے ڈبے زمین پر گر جائیں اور ایک عجیب و غریب ڈیزائن بن جائے تو اسے اتفاقی حادثہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر کسی تتلی کے پروں پہ مزین رنگ، مچھلی کے جسم پہ بنے انتہائی خوبصورت نقش و نگار، زیبرا، سانپ اور چیتے کے جسم پہ بنے نقوش کو میں اتفاقی حادثہ کیسے مان لوں؟

انسان پانی اور آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسان کا پیدا ہونا اتفاقی حادثہ اور اس سیارے پہ پانی اور آکسیجن کی کثیر فراوانی بھی محض اتفاق؟ خوراک کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کی موجودگی بھی اتفاق؟ جانوروں کا خوراک کے بڑھنے تک سانس لے

خلق بھی اتفاق؟ سورج کی موجودگی اتفاق؟ چاند کی موجودگی اتفاق؟ سورج سے بارش
تک کا دور سائیکل محض ایک اتفاق؟ خوراک کا منہ میں ڈالنا؟ چبانے کے لیے دانتوں کی
موجودگی؟ ہضم کرنے کے لیے سب چیزیں؟ ہضم کرنے کے لیے کام کا عمل؟ ہضم شدہ
خوراک کا جسم سے خارج ہونا سب اتفاقی حادثات ہیں؟

ہر خوراک کے مختلف ذائقے۔ گندم کا ذائقہ اور ہے جو کا اور۔ سیب کا ذائقہ اور
ہے آم کا اور۔ کیا یہ سب محض اتفاق ہے؟

آدمی کی ضرورت زمینوں میں ہے تو وہ زمینوں میں ہی آتا ہے۔ اونٹ صحرا کا
جانور ہے اور حیرت انگیز طور پر صحرا میں پیش آنے والی ہر مصیبت سے بچنے کے لیے اس
کے جسم میں قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں۔ پانی اور خوراک ذخیرہ کرنے کا نظام۔ ریت پر
چلنا جہاں کسی دوسرے جانور کا چلنا محال ہو اور ریت کا طوفان برداشت کرنے کے لیے
مخصوص نظام۔ کیا یہ سب اتفاق ہے؟

گرگٹ کا اپنے دشمن سے بچنے کے لیے رنگ بدلنا اور اس قسم کے تمام جانوروں
کے دفاعی نظام کیا ان کے اندر حادثاتی طور پر آ گئے ہیں؟ پھولوں کے مختلف رنگ ان کی
خوشبو کیا یہ سب اتفاق ہے؟

انسان کے گردوں کا نظام، پھیپھڑوں کا نظام، دل کا نظام، بچے کی پیدائش
کے بعد ماں کے چھاتی میں دودھ کا اترنا، یہ سب ایک اتفاقی حادثے کے سبب ہے؟ مرد اور
عورت کے باہمی تعلق میں بچہ، بچے کی صحت اور پرورش ہو جانے کی ترتیب ہوتی ہے۔
کیا یہ محض اتفاق ہے؟

میں نے چند مثالیں دی ہیں آپ کی سوچ و غور کرنے کی خاطر ورنہ سوالوں
کا ایک ہجوم ہے اور ان سب کا جواب اس کو ملتا ہے جو خدا کا اقرار کرنے کے
بعد۔

اب آ رہے ہیں تحقیق کی طرف تو
اس گروہ کی تحقیق بہت کچھ دیکھ کر ہے مگر دور حاضر میں تحقیق اس کا کیا حصہ ہو

کہ اس وقت انسانوں کی زیادہ تر تعداد اس عقیدہ پر مبنی ہے۔ خدا موجود ہے اور یہ سارا نظام خدا ہی چلا رہا ہے۔ مگر جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہیں ان کے پاس جواب کیا ہے؟ یا ان تمام سوالوں کے جواب میں اپنے دماغ کو جھوٹی تسلیاں دیتے رہیں کہ جلد ہی انسان جواب تلاش کر لے گا؟

پھر ایک ستم یہ بھی ہے کہ جو لوگ خدا کا انکار کر بیٹھتے ہیں وہ ایسی برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا فطرت سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ کو شاذ و نادر ہی کوئی ملحد ایسا ملے گا جو ہم جنس پرست نہ ہو۔ یہ معاملہ بھی بحث طلب ہے کہ دین سے دوری اس اخلاقی گراوٹ کی وجہ بنتی ہے یا پھر اس اخلاقی بیماری میں مبتلا ہونے والے کو مجبوراً دین چھوڑنا پڑتا ہے کیوں کہ کوئی بھی دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔

کسی بھی دوسرے گنہگار کی طرح ہم جنس پرست بھی اپنے دفاع میں دلائل رکھتے ہیں۔ مثلاً وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عمل چوں کہ جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے لہٰذا اسے عین فطرت سمجھا جائے گا۔

اس بات سے قطع نظر کہ جانور ہم جنس پرست ہوتے ہیں یا نہیں، یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ جو فطرت کسی بھی جانور میں موجود ہو اسے انسان بھی اپنا سکتا ہے۔ مثلاً ہمارے ملک میں ایک بکرا پایا جاتا ہے جو اپنا پیشاب پیتا ہے۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ خنزیر اپنی غلاظت کھاتا ہے یہ اس کی فطرت ہے۔ غلاظت کے گڑھے میں ایک بار انسان پھسلنا شروع ہو جائے تو حدود و قیود ختم ہو جاتی ہیں۔

ایک اور تاویل یہ پیش کی جاتی ہے کہ یہ ایک پیدائشی نقص ہے جیسے خدا نے خواجہ سراؤں کو ایک نقص کے ساتھ پیدا کیا ویسے ہی ہم جنس پرست اس نقص کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی ملحد کم از کم اس حد تک تو خدا کو مانتے ہیں کہ انہیں بے شک خدا نے پیدا نہیں کیا مگر جو نقص ان کے اندر موجود ہیں وہ خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ بہر حال یہ تاویل بھی قابل قبول نہیں ہے کیوں کہ خواجہ سرا معذوری کے زمرے میں آتے ہیں مگر ہم جنس پرست

کسی کی اجارہ داری کے دائرے میں نہیں آتے ۔ ان کے ہاں ہم جنس پرستی کی وجہ
یہ ہے کہ انہیں ایسی خواتین جن میں اتنی کشش محسوس نہیں ہوتی جتنی ہم جنس میں ہوتی ہے
ہم جنس پرستی میرے نزدیک ایسے ہی ہے جیسے کوئی شرابی کہے کہ مجھے شراب پینے میں
مزا آتا ہے وہ دودھ پینے میں نہیں آتا اور یہ قصور میرے خدا نے ڈالا ہے۔

پھر ہم جنس پرستوں کا ایک شکوہ یہ بھی ہے کہ انہیں کھلے عام ہم جنس پرستی کی
اجازت کیوں نہیں دی جاتی۔ باقی دنیا ان سے نفرت کیوں کرتی ہے۔ اس بات کا کوئی جواز
ہی نہیں کہ کوئی شخص اپنی انفرادی حیثیت میں ایسے لوگوں کو سزا دینے کے لیے قانون
اپنے ہاتھ میں لے۔ مگر اگر آپ کا کوئی عمل، ریاست کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف
جاتا ہے تو آپ کو اس کی سزا بھگتنا ہو گی یا پھر ریاست تبدیلی چاہے گی۔ کسی بھی
ملک میں جس کے پاس طاقت ہے وہ اپنے لوگوں کے مزاج کے مطابق قوانین بناتے
ہیں۔ مجھے ان کی اس* پر کوئی قوانین پہ نہیں بناتے۔

یہ حقیقت بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ سارے ہی تقریباً ملک پچھلی ایک صدی
ہونے کے باوجود کسی بھی ملک میں قانونی طریقے سے شادی شدہ لوگوں کے مقابلے
کے لئے کوئی ایک بھی کلب موجود نہیں ہے جن کی کوئی ضرورت محسوس ہوئی۔ مگر ہم جنس
پرستوں کو اپنے جذبات کی آزادی سے ساتھ تسکین کے لئے کلب درکار ہیں۔ وہ خوش
نصیبی کو برکات سے محروم کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر کوئی دیکھے آزادی ان سے فرق
نہ جانے۔ کیسی ہے ہم جنس پرستوں سے، بازو کی بھی حمایت کر دیں اور چاہتے ہیں کہ
لوگ ان سے محبت و ہمدردی رکھیں۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی قربانی تو ہم جنس پرستوں کی طرف
سے آئی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ نفرت نہیں کر رہا بلکہ اپنے گھروں میں
محدود رہتے ہیں۔ وہ کسی سے نہیں ملتے، وہ تنہائی پسند ہیں اور دوسروں سے
محبت بھی نہیں کرتے۔ ہمیں بھی ان سے ہمدردی کرنی چاہیے۔

دو قوموں پہ عذاب کا قصہ

حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے بڑے برگزیدہ نبی تھے۔ انہوں نے ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ مگر جب لوگ دنیاداری میں مبتلا اور اللہ کے خوف سے بے نیاز ہو جاتے ہیں تو انہیں حق بات کی تلقین کرنے والے بھی برے لگنے لگتے ہیں۔ بدصورتی کو چھپانے کے دو ہی طریقے ہوا کرتے ہیں کہ یا تو آئینے سے دور رہا جائے یا چہرے پہ جھوٹ کا میک اپ سجا کر اپنے دل کو تسلی دے لی جائے۔ نبی قوموں کو آئینہ دکھانے کے سزاوار ہوا کرتے ہیں جب کہ شیطان کی ذمہ داری ہے برے اعمال پہ خوشنمائی کا میک اپ کرنا۔ کسی کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا آسان نہیں ہوتا، سخت تنقید اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی تکلیفوں کا سامنا حضرت یونس علیہ السلام کو بھی کرنا پڑا۔ وہ اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور قوم ڈھٹائی سے عذاب کو خود دعوت دیتی تھی۔ مذاق اڑاتی تھی کہ اے یونس اتم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو وہ لے کیوں نہیں آتے؟ ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کے بعد آخرکار انہوں نے اپنی قوم کا معاملہ اللہ کے سپرد کیا اور خود بستی چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بستی چھوڑ دینے کے بعد اس قوم کو سمجھانے والا کوئی نہ بچا تھا لہذا اللہ کی حجت ان پر تمام ہوئی اور ان پر عذاب نازل کرنے کی تیاری ہونے لگی۔ ابتدائی علامات کے طور پر اندھیرا چھا گیا اور آسمان سرخ ہو گیا۔ بستی کے لوگ حضرت یونس علیہ السلام کی غیر موجودگی کو محسوس کر چکے تھے وہ ان کے جانے کے بعد آسمان کا سرخ ہو جانا ان کا ماتھا ٹھنکانے کے لئے کافی تھا۔

سب لوگ شہر سے پیش نظر ایک میدان میں جمع ہو گئے تھے۔ خیال آرائیاں جاری تھیں، جھٹلانے والے آج بھی جھٹلانے میں مصروف تھے کہ یہ معمولی طوفان ہے ٹل جائے گا مگر ان میں دانا بھی تھے جو اللہ کے عذاب کو آتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ "یہ کوئی معمولی طوفان نہیں ہے بلکہ وہی اللہ کا عذاب ہے جس کی یونس خبر دیا کرتے تھے۔" مختلف صدائیں تھیں۔ کچھ کا خیال تھا کہ ہمیں یونس کو ڈھونڈ لانا چاہئے۔ ہر گزرتے لمحے عذاب قریب آتا محسوس ہو رہا تھا ایسے میں کسی دانا نے صدا لگائی کہ اے لوگو! یہ اللہ کا عذاب ہے ہم نہیں بچیں گے، بہتر ہے کہ توبہ کر لو۔ اور پھر پوری کی پوری قوم اس میدان میں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئی۔ توبہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل ہے۔ یہ وہ عمل ہے کہ جس نے آدم کی تخلیق کے وقت آدم اور ابلیس میں انسان اور شیطان کی تمیز قائم کی۔ خطا کار دونوں تھے مگر ایک کو احساس ندامت ہوا دوسرے نے تکبر کیا۔ اتنی بڑی اجتماعی توبہ کے بعد کوئی وجہ نہ تھی کہ ان پر عذاب نازل کیا جاتا سو غفور الرحیم نے ان کی توبہ قبول کی اور عذاب کو ان پر سے ہٹا لیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم ہم جنس پرستی کا شکار تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر قوم نے ماننا تھا نہ مانی۔ ان پر بھی حجت تمام ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے چار فرشتے مامور کئے قوم لوط پر عذاب نازل کرنے کے لئے۔ مگر ان چار فرشتوں کو ایک اضافی ذمہ داری یہ سونپی گئی۔ پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر جانا اور انہیں ایک بیٹے کی بشارت دینا۔ اللہ کی فرماں بردار مخلوق کے یہ چار نمائندے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پہنچے تو انسانی شکل میں تھے لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں پہچان نہ سکے اور انہیں اندر بلا کے کھانا پیش کیا۔ مگر جب ان فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہ بڑھایا تو سمجھ گئے کہ یہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور چونکہ تعداد میں چار تھے لہٰذا یہ سمجھنے میں بھی دیر نہ لگی کہ یہ رحمت نہیں بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرے پر خوف

علامات دیکھ کر فرشتوں نے وضاحت کی کہ آپ بے فکر رہیں ہم آپ کی قوم پر نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کے لئے تو ہم اللہ کی طرف سے ایک بیٹے کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔ ہمیں درحقیقت لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجا گیا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، ان کی قوم کی طرف عذاب کی خبر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے پریشان کن تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ کو منانے اور عذاب کے لئے مزید مہلت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان کا موقف تھا کہ وہ خود بھی وہاں جائیں گے اور لوط علیہ السلام کے ساتھ مل کر کام کریں گے جس سے شاید بہتری کی امید پیدا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ اللہ کے ہاں فیصلہ کر کے پلٹایا نہیں جاتا۔ وہ چاروں فرشتے جب لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے تو خوبصورت نوجوان لڑکوں کے روپ میں تھے لہٰذا حضرت لوط علیہ السلام کے گھر کے باہر گمراہ لوگوں کا رش لگ گیا۔ ان لوگوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ ان خوبصورت مہمانوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی منتیں کیں کہ تمہارے لئے میری بیٹیاں ہیں تم کیوں اس قبیح فعل میں پڑتے ہو مگر اس بگڑی ہوئی قوم کی دلچسپی ہم جنس پرستی میں تھی، فطرت سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ تب ان فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ کا حکم سنایا اور انہیں بیٹیوں سمیت بستی چھوڑ دینے کو کہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی گمراہوں میں سے تھی لہٰذا اسے ساتھ لیجانے کی اجازت نہ ملی۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کے بستی سے نکل جانے کے بعد ان فرشتوں نے عذاب کا آغاز کیا اور آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ اس سزا کو اگر آسمانی رجم کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ راقم کے تجزیے کے مطابق موت کی سزاؤں میں سب سے زیادہ تکلیف دہ موت یہی ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے کنکر اور پتھر جسم کے مختلف حصوں سے ٹکراتے ہیں اور ہر بار نئی اذیت سے دوچار کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان سزاؤں کے دوران موت واقع ہونے سے پہلے انسانی جسم کی پوری کھال اتر جاتی ہے۔ اس سزا میں موت کا سبب پتھر کا لگنا نہیں ہوتا بلکہ ناقابل برداشت تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بات بھی تھی کہ پتھروں کے اس

عذاب کے بعد اس قوم کا کوئی فرد زندہ نہ بچا مگر اللہ کی طرف سے ابھی اس قوم کو رہتی دنیا تک کے لیے عبرت کی مثال بنایا جانا باقی تھا لہٰذا ایک فرشتے نے اللہ کے حکم پر اس پوری بستی کو اپنی ہتھیلی پر اٹھایا، اونچی بلندی پر لے کر گیا اور پھر پلٹا کر زمین پر دے مارا۔ پاکستان میں ہم جنس پرستی کے حق میں دلائل دینے والوں کے لئے اس قصے میں عبرت کا کافی سامان موجود ہے بشرطیکہ وہ سمجھیں۔

قارئین! قرآن میں جو پچھلی قوموں کے قصے بیان کئے گئے ہیں ان کا مقصد ہے ان سے سبق حاصل کرنا۔ آپ کے سامنے ایک ایسی قوم کا قصہ بھی موجود ہے جس کو اس کے نبی چھوڑ کر چلے گئے مگر چونکہ وہ خود سدھرنے پر آمادہ ہو گئی لہٰذا اللہ نے اس قوم کو مزید مہلت دے دی۔ اور دوسری طرف ایک ایسی قوم جس کی سفارش اللہ کے خلیل کر رہے تھے اور مہلت مانگ رہے تھے مگر چونکہ وہ قوم خود سدھرنے پر آمادہ نہیں تھی لہٰذا کوئی سفارش اس کے کام نہ آئی۔ ان قصوں سے ہمیں اور بھی کئی سبق ملتے ہیں۔ اللہ کے نبی گناہوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں مگر چونکہ انسانوں ہی میں سے چنے جاتے ہیں لہٰذا انسانی لغزش کا ارتکاب ممکن ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کا حکم آنے سے پہلے بستی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ عام انسان کی ایسی معمولی خطائیں معمولی قابل معافی ہوتی ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داری بہت حساس ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے ان کی تربیت کرتے ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی بستی کو چھوڑ کر گئے تو انہیں مچھلی نے نگل لیا۔ یہ بھی ایک لمبا قصہ ہے ان شاء اللہ اگر موقع ملا تو اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ تین دن تک انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی، مانگتے رہے اور توبہ کی پھر انہیں مچھلی نے اللہ کے حکم پر ایک ساحل پر اگل دیا۔ پھر اللہ نے پھر انہیں اسی قوم کی طرف واپس بھیجا۔ ہمارے معاشرے میں بھی آجکل لوگ بڑی آسانی سے دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں، جن کا کام سمجھانا ہے وہ اپنے پاکستانی بھائیوں کے خلاف جو فیصلے سنا بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے ہاں انسان کی آخری سانس تک سدھرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ اس سے آگے جا کر ہم بعض لوگوں پر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں جبکہ

بغیر کہ کیا پتہ کب اس پر اللہ کی رحمت ہو جائے۔ ایسی صورت میں لوٹ کا کیا ہوگا؟ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن فرشتوں کو قوم لوط کی طرف بھیجا انہی کو ایک اضافی ذمہ داری یہ بھی دی کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سناتے ہوئے جائیں۔ اللہ کے پاس نہ تو فرشتوں کی کوئی کمی ہے نہ ہی وقت کا کوئی مسئلہ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوشش اور اپنے فیصلے کو ایک مثال کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو قوم خود راہ راست پر آنے پر آمادہ نہ ہو اسے اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ شفاعت بھی صرف اسی کی ممکن ہے جو گناہ گار تو ہو مگر اپنے کیے پر شرمندہ بھی ہو۔ فرشتوں کو خوبصورت لڑکوں کے روپ میں بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس قوم کی ذہنیت واضح ہو کر سامنے آجائے۔

اللہ تعالیٰ ظلم کے معاشرے کو بہت زیادہ مہلت نہیں دیتا۔ ایک دوسرے پر رحم کا معاملہ رکھیں اور انتہائی مخدوش حالات میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، ایک دوسرے کو سمجھانے کا عمل مسلسل جاری رکھیں۔ مدد کی امید صرف اور صرف اللہ سے رکھیں۔

○

نقص۔ عمدی یا خطائی

دوائیاں بنانے والی کمپنیاں جب انجکشن بناتی ہیں تو اس کی دوائی کو ایک کمزور شیشے کی ٹیوب میں رکھا جاتا ہے۔ پھر اس ٹیوب کی گردن اس انداز کی بنائی جاتی ہے کہ وہ انگلیوں کے معمولی دباؤ پر ٹوٹ جائے تاکہ سرنج میں ڈال کر اسے انسانی جسم میں داخل کیا جا سکے۔ یہاں اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اتنی نازک شیشے کی ٹیوب کیوں بنائی گئی۔ بلکہ لوہے کی ٹیوب بہتر ہے تاکہ دوائی محفوظ رہتی؟

اس قسم کے اعتراضات یا تو جاہل کرے یا وہ جسے منصوبہ ساز کے منصوبے سے ذرا واقفیت نہیں۔ اس کو بس اتنا پتہ ہے کہ دوائی کو محفوظ حالت میں رکھنے کے لیے شیشے کی ٹیوب بنائی گئی ہے۔ ٹیوب لوہے کی ہوتی تو دوائی اور محفوظ ہو جاتی۔

جو لوگ عمومی زندگی میں اس قسم کے اعتراضات کرتے ہیں انہیں جاہل دیہاتی کہا جاتا ہے۔ سوشل میڈیا کی دنیا میں ایسے اعتراضات کرنے والوں کو ہم ملحد کہتے ہیں۔

ملحد اکثر اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہر شے پر قادر ہے تو بعض دفعہ اس کی تخلیق میں نقص کیوں آ جاتا ہے؟

اکثر انسان اندھے پیدا ہوتے ہیں، لولے لنگڑے، ذہنی معذور؟

کیا یہ نقائص نہیں ہیں؟

پھر انسان میں ایسے اور بھی نقائص موجود ہیں مثلاً انسان تکلیف سہتا ہے، بیمار ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، مرتا بھی ہے۔

اسی طرح پوری کائنات میں ایسی بے شمار چیزیں ہیں جو بنتی بگڑتی رہتی ہیں۔ مثلاً ستاروں کا مٹنا پھر ختم ہو جانا۔ یعنی ہر شے اپنا باقاعدہ ایک آغاز، اپنا زندگی کا دورانیہ اور پھر اپنا فنا رکھتی ہے۔

ملحدین کے نزدیک یہ نقائص ثبوت ہیں کہ اگر خالق کو مانا جائے تو اسے قادر مطلق نہیں ہونا چاہیے۔ قادر مطلق کو تو پرفیکٹ چیزیں بنانی چاہییں۔

انسان کو تلوار کا وار لگتا ہے تو وہ کٹ کر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ پھر اس قدرتی نقص کو دور کرنے کی خاطر اس بیچارے کو زرہ بکتر ایجاد کرنی پڑتی ہے۔ وہ بلٹ پروف جیکٹ ایجاد کرتا ہے۔ اپنی کار کو بم پروف بناتا ہے۔

یعنی بنیادی اعتراض یہ ہے کہ خدا نے ہمیں (معاذ اللہ) ناقص بنایا اور ہمیں عقل دے کر پیغام دے دیا کہ جو بھی کسر رہ گئی اسے آپ ہی پوری کرتے رہنا۔ اب ہم اپنی عقل کی مدد سے اپنے آپ کو مکمل کرنے میں مصروف ہیں۔ ہماری ایک اوسط عمر متعین کی ہے جسے ہم سائنس کی مدد سے بڑھانے میں مصروف ہیں۔ ہمارے اندر بیماری رکھی ہے جسے ہم دوائیاں ایجاد کر کے شفا حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔

تو پھر احسان ہم پر کس کا ہے؟

خدا کا یا سائنس کا؟

اس پر آج بات کرتے ہیں۔

اس پورے موضوع کو میں ایک مثال سے شروع کرتا ہوں۔

فرض کیجیے آپ ایک سائنسدان ہیں اور ایک روبوٹ تخلیق کرتے ہیں۔ یقیناً آپ چاہیں گے کہ یہ روبوٹ ہر خامی سے پاک ہو۔ اس کا جسم ظاہر ہے آپ مضبوط سے مضبوط میٹیریل سے بنائیں گے۔ لوہا، فولاد استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وزن ہلکا رکھنا مقصود ہو تو ذرا مضبوط قسم کا فائبر یا پلاسٹک بھی استعمال کریں گے۔

اب آپ نے ایک مضبوط ترین روبوٹ تیار کر لیا؟

اب آپ یہ کریں کہ اس روبوٹ کے منہ پر ایک زوردار مکہ رسید کریں۔

کیا ہوگا؟

ہوگا یہ کہ روبوٹ تو ٹس سے مس نہیں ہوگا۔ الٹا آپ کا ہاتھ نہ صرف سوجھ جائے گا بلکہ اس میں درد اور تکلیف شروع ہو جائے گی۔

واہ جی واہ! یہ تو کمال ہو گیا۔

خدا کی بنائی مخلوق درد محسوس کر رہی ہے اور آپ کا پہلے ہی ہاتھ ایسا اٹک گیا! آپ کی بنائی ہوئی مخلوق کو تکلیف محسوس ہی نہیں ہوئی۔

اب فی الحال ہم یہ جاننے سے قاصر ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟

یعنی ہم نے روبوٹ بنا تو لیا مگر اس کی تکلیف محسوس کرنے کی خامی ہم نے پے در کی یہ ہم ابھی نہیں جانتے۔ کیوں کہ ایسا اتفاقاً ہو گیا ہے۔

اب ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم نے حادثاتی طور پر روبوٹ میں وہ کون سا پرزہ فٹ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ درد محسوس نہیں کرتا اور ہر قسم کے درد تکلیف سے پاک بن گیا؟

ظاہر ہے یہ خوبی معلوم ہو جائے تو ہم اسے اپنے جسم پر آزما کر اپنا نقص بھی دور کر سکتے ہیں۔ نہ پھر زرہ بکتر کی ضرورت نہ بلٹ پروف جیکٹ کی۔

اس بات کا پتہ لگانے کے لیے آپ کو کئی تجربے کرنے پڑیں گے۔

پہلے اس روبوٹ کا ایک پرزہ نکالیں اور اسے ایک زوردار مکہ ماریں۔

کیا اب اس نے درد محسوس کرنا شروع کیا؟

جی نہیں۔

اب وہ پرزہ واپس لگا دیں اور دوسرا نکال لیں۔ اب پھر مکہ ماریں۔

کیا اب وہ چلایا؟

نہیں؟

ایک ایک کر کے سارے پرزے بدل کر دیکھیں۔

آپ کے سارے تجربے ناکام ہو جائیں گے اور آپ پر یہ منکشف ہوگا کہ آپ کا روبوٹ کسی صورت درد محسوس نہیں کرے گا۔ چاہے آپ اس کے سارے پرزے نکال دیں۔

تو پھر آپ کیوں درد محسوس کرتے ہیں؟ آپ کے اندر یہ خامی یہ نقص کیسے رہ گیا؟

اس کے لیے آپ کو روبوٹ کے بجائے اپنا جسم ٹٹولنا پڑے گا۔ آپ کو خود پر تحقیق کرنی پڑے گی۔ اس تحقیق کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ آپ کے جسم میں درد محسوس کرنے کا عمل کسی نقص کے سبب رہ نہیں گیا بلکہ عمداً ایک درد محسوس کرنے والا نظام باقاعدہ تخلیق کر کے آپ کے جسم میں ڈالا گیا ہے۔ وہی نظام آپ اپنے روبوٹ میں کسی طرح تخلیق کر کے ڈال دیں۔ آپ کا روبوٹ بھی درد محسوس کرے گا۔

مگر اب اس سے بھی بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ اپنے روبوٹ میں یہ نظام کیوں ڈالیں گے؟ آپ کو وجہ بھی تو چاہیے؟

ایک اچھا بھلا روبوٹ ہے۔ اس کے سر پر ڈنڈا مار دو اسے کچھ نہیں ہوتا۔ یہی تو آپ چاہتے تھے۔ اس کو درد نہیں ہوتا۔ تکلیف نہیں ہوتی۔ وہ رنج میں بھی مبتلا نہیں ہوتا۔ اور تو اور اسے بھوک بھی نہیں لگتی۔ اور کیا چاہیے اسے؟

میری والدہ کا انتقال ہوا تو میں تین دن تک روتا رہا۔ پھر ایک سال تک راتوں کو اٹھ اٹھ کر رویا۔ اس کے بعد جا کر قرار آیا۔ روبوٹ کے سامنے آپ دوسرے روبوٹ کو تباہ کر دیں۔ اس کی روتی ہے جوتی۔

"احساسات، جذبات، تکالیف، رنج و الم۔ یہ سب ہمارے پاس کہاں سے آئے؟

اس سے بھی بڑا سوال کہ کیوں آئے؟

کیا یہ ارتقاء کے نتائج ہیں؟

کیا ہمارے ڈی این اے نے یہ صلاحیت یا خوبی خود سے اخذ کر لی؟"

ہمارے دماغوں میں ہم سے پہلے وہ کون سی مخلوق موجود تھی جو ہمیں مرنے والوں کو رویا کرتی تھی؟

یا وہ کون سی مخلوق تھی جس کے سر میں ڈنڈا مارو تو درد ہوتا تھا؟

کیا یک خلوی جرثومے میں یہ خوبی یا خامی موجود تھی؟

ڈی این اے سے کاپی کرنے میں غلطی ہو گئی تو کوئی پورا دماغ ہو جانا چاہیے تھا ذکر ایک پورا جتنا بنایا اتفاقاً مرتب ہو جاتا۔ پھر اس کی وجہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہمیں اس کی کیوں ضرورت ہے؟

ہماری ماں مر جاتی ہے تو ہم روتے ہیں۔ اس رونے سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

اگر ہم زندگی کو حادثاتی تصور کریں تو ان تمام سوالوں کے جواب حاصل کرنا ناممکن ہے۔ چیلنج ہے میرا ارتقا کیوں کو کہ ان سوالات کے جواب دے کر دکھائیں۔ ان سوالات کے جوابات صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہیں کہ ہم اس زندگی کو کسی منصوبہ ساز کا منصوبہ تسلیم کریں۔ جس نے جان بوجھ کر ہمارے اندر یہ نظام ڈالے ہیں۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی منصوبہ ساز ایسا کیوں چاہے گا کہ اس کی مخلوق درد محسوس کرے؟ تکلیف محسوس کرے؟ غم میں مبتلا ہو؟ رنج والم میں اس کے آنسو نکلیں؟

اس کا جواب بھی روبوٹ سے لیتے ہیں۔

آپ اپنے روبوٹ کو حکم دیں کہ وہ آپ کی مکمل فرماں برداری کرے ورنہ آپ اس کو مرنے کے بعد آگ میں جلائیں گے۔

وہ روبوٹ آپ کو جواب دے گا کہ جائیں کسی مجنوں ہونے اسی آگ اٹھا کے شوق پورا کر لو۔ بڑے آئے کسی سمجھدان۔

آگ میں جلنے کی تکلیف کا نظام اس کے اندر انسٹال کیے بغیر اسے احمق

دھمکیاں دیں گے تو وہ بھی جواب دے گا۔

اگر آپ اس زندگی کو ایک حادثہ مان لیں تو آپ اس قسم کے کسی سوال کا جواب ساری زندگی نہیں دے سکتے۔

آپ کو ہر حال میں اس زندگی کو ایک منصوبہ ساز کا منصوبہ اور آزمائشی نظام ماننا پڑے گا۔

انسان کو بھوک کیوں لگتی ہے؟ کسی کو بھوک سے مرتا دیکھ کر دل بے چین کیوں ہو جاتا ہے؟ اس کی تکلیف کو کیسے محسوس کرتا ہے؟ کیوں اس کی مدد کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے؟

دوسری طرف لالچ کا جذبہ بھی بھوک سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

اپنا پیٹ بھرنے کے لیئے کسی دوسرے کا گلا کیسے کاٹا جاتا ہے؟ کسی کو بھوکا مار کر اپنا پیٹ کیسے بھرا جاتا ہے؟

کن جذبات کو دبانا ہے اور کن کو ابھارنا ہے اس کا اختیار آپ کو دیا گیا ہے۔ عقل و شعور موجود ہے۔ علم موجود ہے۔ ہدایت گاہے بگاہے آ رہی ہے۔

یہ جذبات و احساسات کا نظام آپ کی آزمائش کے لیئے آپ کے اندر ڈالا گیا ہے۔ ورنہ حادثاتی زندگی اور ارتقاء میں تو اس کی کوئی توجیہ بنتی ہی نہیں۔

سوال یہ بھی ہے کہ جو درد کسی بھوکے بچے کو دیکھ کر میرے یا آپ کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ خدا کے دل میں کیوں پیدا نہیں ہوتا؟

لو جی۔

اسی نے تو یہ نظام ہمیں آزمانے کے لیئے تخلیق کیا ہے۔

معدے کا پورا نظام انسانی جسم میں تخلیق کر کے ڈالنے والا وہی خدا تو ہے۔ اگر وہ انسانوں کو آزمائے بغیر کسی بھوکے بچے کا پیٹ بھرنا چاہے تو اس کے لیئے اسے دو تندوری روٹیوں اور ایک پلیٹ چکن نہاری اس بچے کو بھجوانے کی ضرورت ہی نہیں۔

وہ قادرِ مطلق ہے۔ وہ اس نہج سے معدے کے نظام کی جدولی اور انتظام ال
دے جس میں کہ کھانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آخر خدا ہے۔

بغیر منصوبہ ساز کے منصوبے کو سمجھے جب ہم اعتراض اٹھاتے ہیں تو وہ کم عقلی اور
جہالت سے لبریز ہوتے ہیں۔

ایک مومن کے گھر میں ایک بچہ بغیر ہاتھ پاؤں کے پیدا ہو جائے۔ اس مومن کو
پتہ ہے یہ میری آزمائش ہے۔ جب وہ اس کو اپنے ہاتھوں کھلائے گا۔ پلائے گا۔ اس کی ہر
ضرورت کو تاحیات پورا کرے گا تو آزمائش میں پورا اترے گا۔ وہ روئے گا۔ گڑگڑائے گا
مگر اپنے رب کی رضا پر راضی رہے گا۔ شکوہ نہیں کرے گا۔

ملحد سوال کرتے ہیں کہ ایک کی آزمائش کے لیے دوسرے کو تکلیف میں جھونکنا
کون سی عقلمندی ہے؟

اللہ کو پتہ ہے یہ زندگی کتنی قلیل ہے اور اس کے بعد آنے والی زندگی ہمیشگی پر محیط۔
ایک بچہ معذور پیدا ہوا اور پچاس ساٹھ سال اس دنیا میں تھوڑی تکلیف میں گزارے۔
آخرت میں جنت میں اپنے تمام اعضاء کے ساتھ داخل ہوا۔ اسے اور کیا چاہیے؟

اللہ کا مطمع نظر آخرت کی زندگی ہے جب کہ شیطان ملحدوں کو دنیا کی زندگی کا یقین
دلاتا ہے۔ وہ اسی دنیا کے پیمانے پر ہر چیز پرکھتے رہتے ہیں اور رد کرتے جاتے ہیں۔ ان
ملحدوں کی سطحی سوچ میں ان کا اپنا قصور کم ان کے ماں باپ کا زیادہ ہوتا ہے۔ بچے نے ٹی
وی لگا کے بیٹ مین اور سپائیڈر مین ٹائپ کے کارٹون لگا کر دے دیے۔ خدا کا حقیقی تصور اس کو
کبھی بتایا ہی نہیں گیا۔ اس کو بس یہ معلوم ہے کہ کہیں آگ لگ جاتی ہے تو ایک نیلی وردی
کے اوپر لال چڈی پہنا شخص اڑتا ہوا آتا ہے اور پھونک مار کر آگ بجھا دیتا ہے۔ چونکہ وہ
انسانوں سے محبت اور ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہے لہٰذا وہ فوراً مدد کے لیے اڑتا ہوا آجاتا ہے۔
اگر خدا کو ہمدردی ہوتی تو خدا بھی اڑتا ہوا آتا۔ اس کا معمولی ذہن یہ نہیں سوچ پاتا کہ آج
دنیا میں حادثات کا رونما ہونا بھی خدا کے اس آزمائشی نظام کا حصہ ہے اور وہ خدا خود ہم میں

بننے کے بجائے ابھی اس انسان نما مخلوق کو برہمن کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے دیکھنا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر آگ خدا نے ہی برہمن کی طرح پھونکیں مار کر بجھائی ہے تو آگ لگی کس کی مرضی سے؟

جو خدا آگ کو پھونکوں سے بجھانے آ جائے گا وہ بذات خود اس بات کا اعتراف کرے گا کہ یہ آگ اس کی مرضی کے بغیر لگی تھی جبھی بجھانے کے لیے آنا پڑا۔ معذرت کے ساتھ یہ تصوراتی خدا خدائی کے منصب پر پورا نہیں اترتا۔ بہتر یہی ہے کہ خدا کو سمجھنے سے پہلے اس کے منصوبے کو سمجھ لیا جائے۔ پھر سب کچھ سمجھ آ جائے گا۔

○

اسلام کا بدل

اگر میں آپ سے کہوں کہ مجھے پانی کے بجائے زہر دے دیں اور بدلے میں مجھے دس ہزار دیتے ہیں۔ تو کیا آپ یہ سودا کر لیں گے؟

اگر میں کہوں کہ اپنا سارا گھر میرے نام کر دیں۔ بدلے میں مجھے پیسہ ملتے ہیں۔ تو آپ مان جائیں گے؟

اگر میں کہوں کہ جس بستی میں آپ رہتے ہیں وہاں سیلاب آنے والا ہے۔ سب کچھ ڈوب جائے گا۔ لہٰذا آپ دریا میں چھلانگ مار کر خودکشی کر لیں تاکہ سیلاب سے بچ سکیں۔ تو کیا آپ میری بات مان جائیں گے؟

ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ یا احمق ہوئے کوئی ایسا نہیں کرے گا۔ مگر ٹھہریے۔ دنیا میں ایسے بہت سے نفسیاتی مریض پائے جاتے ہیں جو ایسا کر لیتے ہیں۔

[illegible] کی ایسی ہی ہے۔

[illegible]

ہم عموماً ملحدوں کے اسلام کے خلاف اعتراضات سن کر سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ ان اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟

جوابات بھی دے دیئے جاتے ہیں مگر آج کا میرا موضوع کچھ اور ہے۔ آج ہم یہ جائزہ لیں گے کہ جن معاملات میں اسلام پر انگلی اٹھائی جاتی ہے ان میں الحاد خود کہاں کھڑا ہے؟

اسلامی تعلیمات کے مطابق اللہ نے پہلے مٹی سے آدم اور حوا کو پیدا کیا اور پھر ان سے نسل انسانی کا آغاز کیا۔

الحاد کو اس عقیدے پر اعتراض ہے کہ بے جان سے جاندار کے تصور کو سائنس نہیں مانتی۔

اس کے بدلے میں ان کے پاس جو نظریہ ہے وہ کچھ یوں ہے۔

ابتدائی نظریہ جو چارلس ڈارون نے متعارف کروایا اس کے مطابق تمام انسان بندر کی اولاد ہیں۔ ایک سست رفتار ارتقائی عمل متعارف کروایا گیا جس کے مطابق اس زمین پر زندگی کا آغاز ایک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یہ یک خلوی جرثومہ بھی بے جان سے ہی وجود میں آیا۔ مگر خودبخود وجود میں آیا اس لیے یہ سائنس ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا پہلے آبی پودے میں پھر آبی جانور میں پھر خشکی کے جانور میں اور آخر کار انسان میں تبدیل ہو گیا۔

یہ نظریہ شروع سے ہی تنقید کا نشانہ بننا شروع ہو گیا جب انسانوں کی ایک کثیر تعداد نے خود کو بندر کی اولاد ماننے سے انکار کر دیا۔ دور جدید کے سائنس دانوں نے پھر اس نظریے میں کچھ خوش نما تبدیلیاں کیں جن کے مطابق اب انسان بندر نہیں بلکہ بندر کے بھی باپ کی اولاد ہے۔ بندر انسان کے کزن ہوتے ہیں۔ انسان عموماً کسی کے عذاب کو برداشت نہیں کر پاتا۔ اپنے آپ کو بندر کی اولاد تسلیم کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ خاص طور پر جب آپ چڑیا گھر میں بندر کو عجیب بیہودہ حرکتیں کرتے دیکھ لیں۔ اپنے بچوں کے آگے بندر بنتا ہوا کسی شرمندہ ہوتا ہے کہ پتا اسے ایسا ساز ہے۔ اب معاملہ کسی حد تک بہتر ہے

بندر سب نے دیکھا ہے مگر بندر سے اور انسان سے مشترکہ آباء کسی نے دیکھے نہیں۔ ہو سکتا ہے خوبصورت ہوتے ہوں اور بندروں جیسی حرکتیں نہ کرتے ہوں۔ اس تبدیلی کے بعد یہ نظریہ کسی حد تک انسانوں کے لیے تسلی بخش ہو چکا ہے۔

اسلام کے مطابق یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ نے چھ ایام میں بنائی۔ یہ چھ ایام کتنے عرصے پر محیط تھے اس کی وضاحت نہیں مگر اللہ کا ہر کام محض ایک لفظ "کن" کا محتاج ہے۔ جس کو جب بنانا چاہا بنا دیا۔

الحاد کے مطابق یہ پوری کائنات چھ دن میں کسی صورت نہیں بن سکتی۔ پھر بنانے کے لیے جو میٹریل درکار ہوگا وہ کہاں سے آیا؟ لہٰذا یہ کائنات خدا نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود بن گئی۔

ہوا کچھ یوں کہ ایک دھماکہ ہوا جسے بگ بینگ کہتے ہیں اور کائنات وجود میں آ گئی۔ کائنات سے پہلے چونکہ کچھ نہیں تھا لہٰذا عدم سے ہی وجود میں آئی ہوگی۔ یہ پھر ازلی موجود تھی۔ اب ازلی کب سے موجود تھی اور کیوں موجود تھی؟ یہ کوئی نہ پوچھے۔ ازلی کی تعریف میں بتا رہا ہوں۔

ازلی کی تعریف وہی ہے جو مذاہب میں جنات کی تعریف ہے۔ یعنی آپ ایک ویران جگہ کھڑے تھے جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں۔ اچانک آپ کو کوئی زور سے دھکا دیتا ہے۔ آپ ادھر ادھر دیکھتے ہیں مگر کوئی نظر نہیں آتا۔ اگر تو آپ مومن ہیں تو کہہ دیجیے مجھے کسی جن نے دھکا دیا ہوگا۔ کسی کو کیا پتہ چلتا ہے۔ اور اگر آپ ملحد ہیں تو بھی الزام ازلی پر ڈال دیجیے۔ ثابت دونوں میں سے کسی کو نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ دونوں ہی نادیدہ قسم ہیں۔

الحاد کے مطابق اتنی وسیع و عریض کائنات صرف چھ دن میں کسی صورت وجود میں نہیں آ سکتی۔ چھ دن بہت کم ہوتے ہیں۔ مگر بگ بینگ کے دھماکے کے ذریعے وجود میں آ گئی۔ اب دھماکے میں چاہے کتنے لگے ہوں یہ سوچنا بھی شرک ہے۔

اسلام میں تو تخلیق سے تعلق پچھلی دو شریعتوں سے مماثلت ہے۔

اسلام تو عورتوں کو پردے کا حکم دیتا ہے، جو کہ شرم سے متعلق دیتی ہے۔ مگر کیا ملحد اس میں پردہ نہیں کرتا؟

آئیے دیکھتے ہیں۔

پہلے اس بات کو دیکھیں کہ پردہ ہے کیا۔

اپنے جسم کے کچھ حصوں کو کسی طرح ڈھکنا کہ دوسرے انسانوں کی نظر اس پر نہ پڑے پردہ کہلاتا ہے۔

اس تعریف کے پیشِ نظر اس دنیا کا کوئی بھی انسان ایسا نہیں جو پردہ نہیں کرتا۔ اگر اعتراض پردے کی شرح پر ہے تو اس کا تعین کون کرے گا؟

الحاد میں بھی پردہ ہے اور پردے پر اعتراض بھی ہے۔ ملحد خواتین بھی معاشرے میں کپڑے پہن کر گھومتی ہیں اور مرد بھی۔ جس طرح ملحد مسلمان خواتین کے چہرے کے پردے پر اعتراض کر سکتے ہیں تو کیا ہم مسلمان بھی ملحد خواتین و حضرات کی شرمگاہوں کے پردے پر اعتراض کر سکتے ہیں؟ انہیں یہ اعتراض ہے کہ انہیں ہماری خواتین کا چہرہ نظر نہیں آتا تو سوال پر بھی یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہمیں آپ کی خواتین و حضرات کی شرمگاہیں نظر نہیں آتیں؟

اب اگر اعتراض یہ ہو کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے پردے کی شرح میں فرق ہے تو وہ تو الحاد میں بھی ہے۔ الحاد میں اگر ایک مرد کو گرمی لگے تو وہ محض چڈی پہن کر باہر گھوم سکتا ہے۔ مگر خاتون چڈی میں گھر سے باہر نہیں آ سکتی۔ اسے سینہ بھی چھپانا پڑے گا۔ مگر کیوں؟ مرد اگر محض چڈی میں باہر آ سکتا ہے تو عورت کو الحاد کیوں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ بھی محض چڈی پہن کر باہر آ جائے۔ اب یہاں یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جناب اس کی مرضی اگر وہ چڈی کے ساتھ ایک سینہ بند زیادہ پہننا چاہتی ہے تو اس کا حق ہے۔

تو پھر جواب یہ ہے کہ ہماری عورتوں کی بھی مرضی۔ ان کو بھی حق ہے کہ وہ سر سے پیر تک رسائی اوڑھ کر گھومیں۔ آپ کون اعتراض کرنے والے؟

سمندر کے نظام

جب ہم ارتقائی سائنس دانوں سے پوچھتے ہیں کہ پانی جو زندگی کے لئے انتہائی ضروری ہے وہ صرف ہماری ہی زمین پر کیوں ہے؟

تو جواب ملتا ہے کہ یہ ایک اتفاق ہے۔

کیا واقعی یہ ایک اتفاق ہے؟

ذرا جائزہ لیتے ہیں کہ یہ "ایک" اتفاق ہے یا اتفاقات کا ایک طویل سلسلہ ہے جو ختم ہی نہیں ہوتا۔

صرف پانی کے معاملات کا تجزیہ کریں تو اتفاقات کی لائن لگ جاتی ہے۔

کیسے؟

آیئے دیکھتے ہیں۔

اگر آپ سائنس سے سوال پوچھیں کہ زمین پر پانی کیوں ہے؟

تو جواب ہوگا۔ چونکہ زندہ رہنے کے لئے پانی درکار تھا لہٰذا پانی آگیا۔

کہاں سے؟

پتہ نہیں۔

کیا یہ جواب تسلی بخش ہے؟ کیا اس میں یک ذرا امر کا اعتراف نہیں آتا کہ جیسے قدرت نے مخلوق وہ پیدا کی ہو جو جاندار ہے اس کا پانی کے بغیر گزارا نہیں؟

پانی کیوں ضروری ہے؟

پانی اگر نہ ہوتا تو زمین پر زندگی وجود میں نہیں آسکتی تھی۔ آج بھی اگر پانی کسی وجہ سے ختم ہو جائے تو زندگی شاید چند گھنٹوں میں ختم ہو جائے۔ اس میں انسان جانور پودے کیڑے یا جرثومے کی کوئی قید نہیں۔ ہر وہ چیز جسے آپ زندہ کہیں وہ پانی کے بغیر مردہ ہو جائے گی۔ مگر پانی کا خاتمہ ممکن نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پانی کا ایک قطرہ بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے بس اپنے جسموں میں سے گزارتے ہیں۔ جس طرح بیرونی جسم کو پانی سے دھونے کو ہم نہانا کہتے ہیں۔ بالکل ویسا ہی اندرونی جسم کے لئے ہم پانی پینے کی صورت میں کرتے ہیں۔ پانی کا ایک چھوٹا واٹر سائیکل ہے جسے سب جانتے ہیں۔ سورج کا سمندر پر آگ برسانا۔ پانی کا بخارات بن کر اڑنا۔ بادل بننا۔ ہوا کا بادلوں کو چلانا اور پھر بارش کی شکل میں برس جانا۔ یہ ایک چھوٹا سا واٹر سائیکل ہے۔ مگر پانی کا ایک بہت بڑا واٹر سائیکل بھی ہے۔ اس واٹر سائیکل میں تمام زندہ اجسام آجاتے ہیں۔ تمام اجسام اپنی اپنی ضرورت کے مطابق پانی جذب کرتے ہیں۔ جب تک یہ اجسام زندہ رہتے ہیں ان کے جسموں میں پانی کی ایک مخصوص مقدار ہمیشہ موجود رہتی ہے۔ پھر جب وہ جسم مردہ ہو جاتا ہے تو وہ پانی اس جسم سے الگ ہو کر دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے۔ یعنی ضائع کسی بھی صورت نہیں ہوتا۔

اب اگلا سوال

سمندر کا پانی نمکین کیوں ہے؟

جواب۔ نمک پہاڑوں سے بارش کے پانی کے ساتھ بہتا ہوا آتا رہا اور سمندر میں ملتا رہا حتیٰ کہ سمندر نمکین ہو گیا۔

تو کیا یہ جواب تسلی بخش ہے؟

یہ تو بچے کا جواب ہے۔ یہ سوال تو بچوں پر بھی تھا۔ اس سوال کو تھوڑا سا گھما کر دیتے ہیں۔ ہم سائنس سے اس سوال سے پہلے ایک اور سوال پوچھتے ہیں۔

اگر سمندر میں نمک نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟

سائنس ایک آہ بھر کر جواب دے گی کہ پھر اس زمین پر کسی حیات کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ نہ ہم ہوتے نہ تم ہوتے۔ کوئی زندہ نہ ہوتا۔

وجہ؟

وجہ یہ کہ میٹھے پانی کا اتنا بڑا ذخیرہ بہت زیادہ عرصے تک محفوظ نہیں رہ سکتا ورنہ اس میں تعفن پھیل جائے گا جو پوری حیات کے لئے بذات خود ایک خطرہ بن جائے گا۔ اس دنیا میں 38 کروڑ مربع کلومیٹر پر سمندر ہے۔ یعنی زمین پر ایک حصہ خشکی ہے اور تین حصے پانی۔ اور اگر یہ سارا پانی تعفن زدہ ہو جائے تو پوری زمین کو لپیٹ میں لے لے گا۔

اس جواب کے بعد اب آپ پہلے والا سوال دوبارہ دہرائیں۔

سمندر کا پانی نمکین کیوں ہے؟

اور جواب ہو کہ نمک پہاڑوں سے بارش کے پانی کے ساتھ بہتا ہو آتا رہا اور سمندر میں ملتا رہا حتیٰ کہ سمندر نمکین ہو گیا۔

کیا اب یہ جواب تسلی بخش ہے؟

مجھے لگتا ہے کہ اب یہ جواب اس سے کروڑ ہا گنا زیادہ غیر تسلی بخش ہو چکا ہے جتنا پہلے تھا۔ یعنی اگر تو معاملہ یہ ہے کہ سمندر کے نمکین ہونے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر ہماری بلا سے نمک جہاں سے مرضی آ کر سمندر میں شامل ہو جائے۔ مگر اگر ہمیں یہ پتہ چل جائے کہ سمندر میں ملا نمک ہماری زندگی اور موت سے جڑا ہے تو پھر کئی سوال یقیناً ذہن میں اٹھیں گے۔

وہ کون ہے جو یہ جانتا تھا کہ سمندر لازمی طور پر نمکین ہونا چاہئے؟

اگلا سوال۔

سمندر میں لہریں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟

جواب یہ ہے کہ ہوا کے دباؤ اور چاند کی کشش کی وجہ سے سمندر میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔

کیوں؟

کیوں کہ نمک ملے پانی کو اول معدہ قبول ہی نہیں کرتا اور اگر قبول کر بھی لے تو وہ ڈی ہائیڈریشن کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیچ سمندر میں لوگ میٹھا پانی نہ ہونے کے سبب پیاس سے تو مر سکتے ہیں مگر سمندری پانی پی نہیں سکتے۔

اب یہاں اتفاقات کا ایک طویل سلسلہ دیکھیے۔

زمین پر پانی کی موجودگی؟

اتفاق۔

پانی کا نمکین ہونا؟

اتفاق۔

پانی میں لہروں کا پیدا ہونا؟

اتفاق۔

پھر اس نمکین پانی کو نمک سے علیحدہ کر کے بادلوں کے راستے شفاف کر کے انسان پر برسا کر اسے پینے کا پانی فراہم کرنا؟

اتفاق۔

کیا آپ ان تمام اتفاقات سے اتفاق کرتے ہیں؟

○

بھوک کا سبب انسان یا خدا؟

اس سے پہلے میں "سمندر کے نظام" کے نام سے ایک تحریر لکھ چکا ہوں جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دنیا کے 71 فیصد حصے پر پانی ہے اور 29 فیصد حصے پر خشکی ہے۔ جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ جو پانی سمندروں میں موجود ہے وہ قابل استعمال حالت میں نہیں رکھا گیا۔ مگر ایسا بھی نہیں کیا گیا کہ اسے قابل استعمال حالت میں لانے کی ذمہ داری انسان پر ڈال دی گئی ہو۔

اللہ کا تخلیق کردہ ایک نظام ہے جس کے تحت انسان کی ضرورت کے مطابق پانی کو سورج کی تپش کے ذریعے نمکیات سے الگ کر کے اڑا دیا جاتا ہے جس سے بادل تشکیل پاتے ہیں۔ پھر وہ بادل ہوا کے ذریعے چلائے جاتے ہیں اور کسی اور خطے میں جا کر برسا دیئے جاتے ہیں۔ دریا بنتے ہیں۔ نہریں بنتی ہیں۔ ہم وہ پانی پینے کے لیئے استعمال کرتے ہیں۔ استعمال شدہ پانی انہی ندی نالوں اور دریاؤں سے ہوتا ہوا دوبارہ سمندر کی لہروں کا حصہ بن جاتا ہے۔ یہ ایک واٹر ری سائیکل ہے جو زمین کی ابتدا سے چل رہا ہے اور تا ابد تک رہے گا۔ اس پورے چکر میں پانی کا ایک قطرہ بھی کم نہیں ہوتا۔ جتنا پانی پہلے اس زمین پر موجود تھا آج بھی موجود ہے۔

یہ ہم نے پانی کے متعلق بات کی تھی۔ آج ہم ہوا کے متعلق بات کرتے ہیں۔
ایک چیز واضح کرتا چلوں کہ اب تک انسان کوئی ایک بھی ایسا وسیلہ پیدا نہیں کر پایا جہاں زندگی کے موجود ہونے کے پیچھے سارے تقاضات برپا ہوتے ہوں۔

کائنات میں بلاشبہ سب کچھ موجود ہے اور یہ سب کچھ زمین پر کائنات سے ہی لا دیا گیا۔ اس سب کچھ میں سے جو کچھ بھی زندگی کے لیے ضروری تھا وہ سب جمع کر کے زمین پر لا کر رکھ دیا گیا۔ ہمارے اور ملحدین کے درمیان اسی "آ گیا" اور "رکھ دیا گیا" کا ہی جھگڑا ہے۔ یہاں جھگڑا سائنس کا نہیں ہے۔

اس کی مثال یوں لیجیے کہ ایک آدمی چھت سے گر کر مر گیا۔ آپ سائنس سے پوچھیں وہ کیسے مرا تو سائنس یہی بتا سکتی ہے کہ وہ گریویٹی کی وجہ سے زمین کی طرف کھنچا چلا آیا۔ زمین کے ساتھ اس کا سر ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا اور چونکہ دماغ کی تباہی کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا اس کا مرنا یقینی تھا سو وہ مر گیا۔ یہ انتہائی سائنسی جواب ہے۔ ہم مسلمانوں کے لیے کسی بھی طور قابل اعتراض بھی نہیں۔

ہم تو یہ پوچھ رہے ہیں کہ اسے دھکا کس نے دیا؟ بعد میں جو کچھ ہوا وہ سائنسی ہے۔ کون انکار کرتا ہے سائنس کا۔ مگر آغاز کیسے ہوا یہ کون بتائے گا؟

زمین پر اللہ کی فراہم کردہ نعمتوں پر اگر نظر ڈالی جائے تو لگتا ہے کہ پوری کائنات میں سے چن چن کر تمام وہ چیزیں اکٹھی کی گئیں جو زندگی کے لیے ناگزیر تھیں اور انہیں صرف ایک سیارے پر مکمل حالت میں جمع کر دیا گیا۔ اتنی وسیع و عریض کائنات جس میں اربوں کہکشاؤں کا جمگھٹا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں سورج۔ پتہ نہیں کتنے ارب سیارے اور ستارے۔ کتنے چاند۔ کسی کو کچھ نہیں پتہ۔ مگر ایک حقیقت ایسی ہے جو سب کو پتہ ہے اور وہ یہ کہ اتنی بڑی کائنات میں کسی ایک سیارے پر اگر زندگی کی تمام ضروریات اکٹھی ہوئی ہیں تو وہ صرف ہماری زمین ہے۔ باقیوں پر تلاش جاری ہے۔ کہیں کچھ مقدار میں پانی دریافت کرنے کا دعویٰ۔ کہیں پانی نہیں مگر کسی حد تک آکسیجن ہے۔ کہیں نہ پانی نہ آکسیجن مگر ہوا موجود ہے جو وہاں روشنی نہیں پہنچتی ہے۔ جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں۔ لے دے کر یہ زمین ہی ہے جہاں نہ ختم ہونے والا پانی، نہ ختم ہونے والی آکسیجن، نہ ختم ہونے والی ہوا اور نہ ختم ہونے والی روشنی ہے۔

میں آکسیجن اور نائٹروجن کی کمی نہیں۔

نائٹروجن کا کردار کسی بھی جاندار جسم میں امائنو ایسڈز، پروٹین، ڈی این
اے اور آر این اے پیدا کرنے میں انتہائی اہم ہے۔ [illegible] ہم مٹی کی
زمین سے کاٹتے ہیں اس میں بنیادی کردار نائٹروجن کا ہے۔

نائٹروجن کے ناقابل استعمال حالت سے قابل استعمال حالت میں ہونے
کے عمل کو نائٹروجن فکسیشن کہتے ہیں۔ اس کے دو قدرتی طریقے ہیں اور ایک مصنوعی طریقہ
ہوا میں موجود نائٹروجن کو پودوں کی جڑوں میں موجود نائٹروجن فکسنگ بیکٹیریا اور مٹی
کے چند دوسرے بیکٹیریا امونیا میں تبدیل کرتے ہیں۔ یہ چند دوسرے بیکٹیریا امونیا کو
نائٹرائٹس اور نائٹریٹ میں تبدیل کرتے ہیں جس سے یہ پودوں کے لیے قابل استعمال
حالت میں آجاتی ہے اور پودے اپنی جڑوں کے ذریعے اسے جذب کرتے ہیں۔ جانور
ہم ان سے پروٹین لیتے ہیں۔ خوراک کی شکل میں یہ پروٹین جانوروں اور انسانوں
میں منتقل ہوتے ہیں۔ یہ فضلے کے ساتھ ان پروٹین کی باقیات کو جسم سے خارج کرتے
ہیں۔ فضلے اور مردہ پودوں پر دوبارہ بیکٹیریا اور دیگر بیکٹیریا حملہ کرتے ہیں اور ان کو پھر
امونیا اور نائٹروجن گیس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ پورا چکر مکمل ہوتا ہے اور
نائٹروجن دوبارہ ہوا میں شامل ہو جاتی ہے۔

نائٹروجن فکسیشن کا ایک طریقہ آسمانی بجلی بھی ہے جس کے گرنے سے ہوا میں
موجود نائٹروجن نائٹریٹس میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یہ بارش کے ساتھ مٹی میں چلی جاتی
ہے جہاں موجود بیکٹیریا اسے نائٹریٹس میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

[illegible]

بڑی بدبختی ہے جو انسان اپنے خدا کے ساتھ کرتا ہے۔

کیا ہوتا جو فضا میں نائٹروجن نہ ہوتی؟ یا نائٹروجن ہوتی مگر اسے قابل استعمال حالت میں بدلنے والے بیکٹیریا پودوں کی جڑوں میں موجود نہ ہوتے؟ یا یہ والے بیکٹیریا بھی موجود ہوتے مگر اسے دوبارہ نائٹروجن گیس میں تبدیل کرنے والے بیکٹیریا نہ ہوتے؟

اس پورے چکر میں ہر چیز اپنی جگہ ایک اہمیت رکھتی ہے اور ہمیں خدا کے ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے وسائل کم ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے غربت عام ہے۔ یعنی جب ہم ایک خربوزہ کھا لیتے ہیں تو زمین سے ایک خربوزہ کم ہو جاتا ہے۔ مگر اسی خربوزے کے اندر سے نکلتے سیکڑوں بیج دیکھ کر ہم آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں منافقت۔ اس زمین پر جب تک انسان ہے اس کے لیے نہ پینے کا پانی کم پڑ سکتا ہے نہ کھانے کے لیے غذا۔ مگر کیا کہیے انسان کے کہ گندم اور دوسری خوراک کے بھاؤ بڑھ جانے اور اپنی تجارت بڑھ جانے کی غرض سے انسان ہزاروں ٹن گندم سالانہ سمندر برد کر دیتا ہے۔

پھر جب وہی انسان ایک بچے کو بھوک سے مرتا دیکھتا ہے تو پوچھتا ہے خدا کہاں ہے؟

کیا خدا کا کوئی وجود ہے؟ کیا خدا کسی بھوکے کو کھانا فراہم نہیں کر سکتا؟

جس نے نہ صرف انسانوں بلکہ کیڑوں تک کے زندہ رہنے کے لیے اسے زبردست اور جدید کی صورت گر رکھے ہیں وہ کون ہے؟

بند ذہن اور محدود سوچ کے مالک اپنی غلطیوں سے لوگوں کو بھوک سے مرتا دیکھتے ہیں اور خدا کا انکار کرتے ہیں۔ جبکہ کھلی سوچ اور بصیرت رکھنے والے انسان اطراف میں اتنے بڑے بڑے زندگی کے نظام دیکھتے ہیں اور خدا کے آگے جھک جاتے ہیں۔

نہ ختم ہونے والے وسائل کوئی قدرت [illegible]

والے تاجروں کو علم ہونا چاہیے کہ جس خدا نے انسان کے ایک گلاس پانی کے پیچھے سمندر اور
کا پورا نظام ترتیب دیا۔ جس خدا نے انسان کی خوراک کے لیے ہوا میں نائٹروجن کا ذخیرہ
ہونے والا ذخیرہ رکھ دیا۔ اس خدا نے اس دنیا میں انسانوں کو اختیار دے کر آزمایا ہے اور
اس آزمائش کے بعد اس کے پاس جزا و سزا کا بھی یقیناً ایک بہترین نظام موجود ہے۔

سورہ لقمان۔ آیت 20

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَ
أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿۲۰﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی ہر چیز کو تمہارے کام میں
لگا رکھا ہے اور تمہیں اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بھرپور دے رکھی ہیں بعض لوگ اللہ کے
بارے میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے جھگڑا کرتے ہیں۔"

○

آسمانی بارش اور بادلوں کے پہاڑ

ملحدوں نے قرآن پر دو اعتراضات کئے ہیں۔

۱۔ قرآن میں لکھا ہے کہ بارش آسمان سے برستی ہے جبکہ سائنس کے مطابق بارش بادلوں سے برستی ہے۔ کیا خالق کو واٹر سائیکل کا نہیں پتہ؟

۲۔ قرآن کی سورہ النور آیت نمبر 43 کے مطابق آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے اولے برستے ہیں؟

جواب

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی تمام تخلیقات میں دو طرح کے معاملات رکھے ہیں۔ ایک خصوصی معاملہ اور ایک عمومی معاملہ۔

عمومی معاملات کو انسان کے سمجھنے کے لیے آسان بنایا گیا ہے۔ ہم تھوڑی سی عقل استعمال کرتے ہیں اور اس معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ عرف عام میں اس کو سائنس کا علم کہتے ہیں۔

خصوصی معاملات انسان کے سمجھنے کو آسان نہیں ہوتے۔ لیکن اس کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ انسان ان خصوصی معاملات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا یا ان کا انکار کر سکتا ہے۔ ان خصوصی معاملات کو بھی ماننا انسان کی مجبوری ہے۔ مگر ان کو سمجھنا انسان کے لیے مشکل۔

انسان کیسے پیدا ہوتا ہے؟

ایک مرد اور ایک عورت ایک مخصوص طریقے سے ملتے ہیں تو ایک تیسرا انسان جنم

لیتا ہے۔ یہ ایک عمومی معاملہ ہے۔ انسان اس پورے عمل کو سمجھ سکتا ہے۔

مگر اس دنیا کے پہلے انسان نے کیسے جنم لیا؟

یہ ایک خصوصی معاملہ ہے۔ کیوں کہ جس سائنسی طریقے کا ہم نے اوپر ذکر کیا اس کے بنیادی ارکان یعنی ایک مرد اور ایک عورت یہاں دستیاب نہیں۔ لہٰذا وہ سائنسی طریقہ یہاں اپلائی ہی نہیں ہو سکتا۔ عقل کوشش ضرور کرتی ہے اس گتھی کو سلجھانے کی۔ مگر کوئی ایسا تسلی بخش جواب سامنے نہیں آتا جس سے تمام انسانوں کی تشفی ہو جائے۔ جستجو کی طلب اتنی شدید ہوتی ہے کہ انسان اپنا موازنہ جانوروں سے کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ہر جانور کے آغاز پر اٹکتا ہے تو اور پیچھے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایک حقیر اور غلیظ جرثومہ قرار دے بیٹھتا ہے۔ اس سے پیچھے جانا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ اس سے زیادہ غلیظ ترین کسی شے کا انسان کے پاس کوئی تصور ہی نہیں۔ خدا کے انکار کی یہی سزا ہے۔ دو ہی رستے بچتے ہیں۔ یا تو ایمان لے آؤ کہ مجھے خدا نے پیدا کیا ہو یا پھر اس غلیظ ترین سچ تک لے جاؤ جہاں تک تمہاری سوچ ہے۔ اور اگر پھر بھی جواب نہ ملے تو لعنت تمہاری زندگی پہ۔

بارش کیسے ہوتی ہے؟

سورج اپنی تپش سمندر پہ برساتا ہے۔ پانی آبی بخارات میں تبدیل ہو کر بادلوں میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہوا ان بادلوں کو چلاتی ہے اور کسی اور علاقے میں جا کر یہ پانی زمین کے باسیوں کے استعمال کے لئے ان پر برسا دیا جاتا ہے۔ استعمال شدہ پانی چونکہ دوبارہ فلٹر کیے بغیر استعمال نہیں کیا جا سکتا لہٰذا دوبارہ سورج کی تپش اس کو اٹھا لیتی ہے۔ دوبارہ بادل بنتے ہیں۔ پھر ہوا ان کو چلاتی ہے اور پھر وہ برس جاتا ہے۔ اس کو سائنسی زبان میں واٹر سائیکل کہتے ہیں۔ یہ عمومی معاملہ ہے

مگر جب یہ دنیا تخلیق ہوئی تو پہلی بار دنیا میں پانی کہاں سے آیا؟

اب یہ خصوصی معاملہ ہے۔ کیوں کہ اب بارش بادلوں سے نہیں برس سکتی۔ کہاں سے ہوئی بارش؟

یہ ہے اس اعتراض کی اصل جو ملحدوں نے کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس نے قرآن میں واٹر سائیکل والی آیات نہ دیکھیں۔ مگر منافقت۔ بس منافقت۔ کہتے ہیں خدا کو نہیں پتہ کہ بارش بادلوں سے برستی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر خدا کو نہیں پتہ تو قرآن میں واٹر سائیکل سے متعلق آیات کیوں ہیں؟ قرآن میں تو دونوں معاملات بیان ہوئے ہیں۔ عمومی بھی اور خصوصی بھی۔ قرآن میں بچہ پیدا ہونے کے تمام مراحل اسی ترتیب سے بیان کر دیے گئے ہیں جس ترتیب سے آج سائنس ہمیں بتاتی ہے۔ وہ بھی اس دور میں جب خود سائنس دانوں کو ان باتوں کا نہیں پتہ تھا۔ مگر قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ ہم نے آدم کو کھنکناتی مٹی سے تخلیق کیا۔ کیا خدا کو نہیں پتہ کہ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ قرآن کے بیان کردہ خصوصی معاملات کو عمومی سطح پر پڑھیں گے تو وہی حال ہوگا جو ملحدوں کا ہوا۔

قرآن کی جتنی بھی آیات میں ابتدائی بارش کا ذکر آیا ہے ان میں بادلوں کی جگہ آسمان سے بارش برسنے کا ذکر ہے۔ جس پر ملحدوں نے بغیر یہ دیکھے کہ یہاں زمین کی تخلیق کے بعد ہونے والی بارش کا ذکر ہو رہا ہے اعتراض جڑ دیا کہ خالق کو نہیں پتہ کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے؟ خالق کو تو پتہ ہے مگر زمین پر جب سرے سے پانی ہی نہیں تھا تو بادل کس چیز سے بنیں گے یہ آپ بتا دیں۔ ذرا ملاحظہ کیجئے۔

سورہ البقرہ آیت 22

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

"جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہ برسا کر تمہارے کھانے کے لیے انواع و اقسام کے میوے پیدا کیے۔ پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ۔ اور تم جانتے تو ہو 22"

سورۃ البقرۃ آیت 164

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کردیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ عقلمندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ۱۶۴"

سورۃ الانعام آیت 99

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۹۹﴾

"اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی روئیدگی اگاتے ہیں۔ پھر اس میں سے سبز سبز کونپلیں نکالتے ہیں اور ان کونپلوں میں سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو

سے پتے جلتے کی ہیں۔ اور ٹہنیوں کی طرح۔ ... جب پکتی ہیں تو ان سے پھول پیدا ہو
(جب پکتی ہیں تو ان سے پتے پر طرح) ان میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں
(قدرت خدا کی بہت سی) نشانیاں ہیں ۹۹"

سورہ المومنون آیت نمبر 18

وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ (۱۸)

"اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا۔ پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے نابود کر دینے پر بھی قادر ہیں ۱۸"

اس آخری آیت کو پھر دوبارہ پڑھیں۔ بالکل واضح بیان ہے کہ یہ پہلی بار زمین پہ پانی ایک حساب سے ذخیرہ کرنے کی بات کی جا رہی ہے۔

یہ تمام وہ آیات ہیں جس میں زمین کی تخلیق کے مراحل کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس میں پہلی بار پانی کے آسمان سے اتارے جانے کا ذکر ہے۔ اور ان پہ اعتراض کرنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے اللہ کہے کہ اس نے آدم کو بغیر باپ کے مٹی سے تخلیق کیا اور سائنسدان بغیر سوچے سمجھے منہ اٹھا کر اعتراض کر دے کہ جناب بچہ تو ایک مرد اور ایک عورت کی مباشرت سے پیدا ہوتا ہے۔ سبحان اللہ۔

جب زمین پہ پانی تھا ہی نہیں تو کون سا سورج؟ کون سا سمندر؟ کون سے آبی بخارات؟ کون سے بادل؟ اور کون سی بارش؟

آپ کبھی کسی سائنسدان سے پوچھ کر تو دیکھیے کہ زمین کی تخلیق کے بعد پہلی بار یہاں پانی کہاں سے آیا۔ ایک ہزار سائنسدانوں سے پوچھیے اور ایک ہزار مختلف جواب لے لیجیے۔ قدم سے تمام مفروضے جس کو بیان کرتے وقت خود سائنسدان آپ سے آنکھیں نہیں ملاتا۔ کیوں کہ ثبوت کسی کے پاس نہیں محض اٹکل پچو لڑاتے ہیں۔

کسی وقت سے یہ زمین پانی سمیت ہی پیدا ہوئی تھی۔

کسی کا خیال ہے کہ یہ پانی دوسرے سیاروں سے آیا تھا۔

کوئی کہتا ہے کہ کچھ پانی یہاں موجود تھا کچھ دوسرے سیاروں سے آیا تھا۔

کچھ کہتے ہیں کہ وہاں کرسٹلز کی شکل میں پانی موجود تھا جو بعد میں پانی کی شکل اختیار کر گیا۔

غرض جتنے منہ اتنے نظریے۔ مدت در مدت۔

سائنسدان کوئی بھی ہو وہ اس وقت تک عقلمند لگتا ہے جب تک آپ اس سے زمین میں موجود چلتے ہوئے نظاموں کی توجیہ پوچھتے رہیں۔ وہ انتہائی ذہانت سے آپ کو بتائے گا کہ سورج اپنی گرمی سمندر پر برساتا ہے۔ پھر آبی بخارات بنتے ہیں۔ بادلوں کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پھر بارش ہوتی ہے۔ فخر و غرور سے سینہ تنا ہوا ہوتا ہے یہ جوابات دیتے ہوئے۔

پھر آپ اس سے پوچھیے کہ ان چلتے ہوئے نظاموں کا آغاز کہاں سے ہوا؟ یعنی آغاز میں پانی کہاں سے آیا جبکہ سمندر ہی نہیں تھے؟

اس کے بعد اس کا منہ دیکھیے۔ غرور کافور ہو جائے گا۔ پھولا ہوا سینہ پچک جاتا ہے۔ آنکھیں جھک جائیں گی اور ایک احمقانہ سی من گھڑت کہانی جو ہو سکتا ہے سے شروع کر دے گا جس کو سنانے والے کا خود اس پر یقین نہیں ہوتا۔ یہ تو ایسی کہانیاں "ہو سکتا ہے" سے شروع ہو کر "ہو سکتا ہے" پر ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

اللہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ صرف ابتدا میں ہی یہ معجزات دکھائے۔ آج بھی وہ اسی طریقے سے پیدا [illegible] انسان کو بنانے کے لئے [illegible] کی کوئی مجبوری نہیں۔ [illegible] جتنے بچے مرد اور عورت کی مباشرت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں [illegible] اسی طریقے سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ اللہ کے لئے [illegible] آدم [illegible] جیسی پیدائش شروع کر [illegible] جب اس کو اپنی ہی پیدائش [illegible] نہیں [illegible]

آسمانی بارش کی جگہ سے عذاب کی بہت سی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ پچھلی قوموں پر نازل ہونے والے عذاب۔ علاوہ ازیں نوح کی امت پر اپنی رحمت کی بارش آسمانوں سے نازل ہونے کے بجائے ہو رہی ہیں۔ جن آیات میں پچھلی امتوں پر نازل کیے جانے والے عذاب کا ذکر ہے ان میں بھی ہواؤں کی جگہ آسمانی بارش کا ہی ذکر آتا ہے۔ اور جب اللہ کی مرضی ہو کہ جب زمین میں ان کے استعمال کے لیے ایک اندازے سے پانی اتارا گیا ہو تو اسے عذاب کے لیے کیوں استعمال کیا جائے گا جبکہ عذاب بھیجنے والا سائنس کا پابند نہیں۔ اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ بغیر کسی سائنسی توجیہ کے آسمان سے بارش برسا دے اور وہ سارا پانی کو دنیا سے غائب بھی کر دے۔

اب بات کرتے ہیں عمومی بارش کی جس سے حضرت انسان واقف ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ وہ اس سے واقف نہیں تو لیجیے یہ آیت بھی پڑھ لیجیے۔

سورہ الاعراف آیت 57

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

"اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں۔ پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے باہر نکالیں گے۔ (یہ آیات اس لیے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔"

سورہ الروم آیت 48

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن

اذا ھم یستبشرون (۴۸)

خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۴۸"

اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ بارش آسمان سے ہوتی ہے و ہاں سے تو پھر ان آیات میں واٹر سائیکل کا بیان کہاں سے آ گیا؟

چلیں فرض کر لیتے ہیں بعد میں پتہ چل گیا ہوگا۔ تو پھر پچھلی آسمانی بارش والی آیت کو منسوخ کیوں نہ کر دیا گیا؟ کیا تک تھی اس میں؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان کے ملحد ہو جانے میں سب سے بڑا کردار اس کی جہالت کا ہوتا ہے۔

ایمان بالغیب کی اللہ نے شرط اسی لئے عائد کی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قرآن میں انتہائی جدید ترین سائنس کی معلومات دی گئی ہے جبکہ انسان کی ترقی کی رفتار تیز نہیں۔ محدود علم۔ محدود عقل اور محدود ذہانت کے ساتھ جب آپ قرآن کو دیکھیں گے تو شک ہونا ہی ہے۔ آپ کا منشا یہ ہوگا کہ پورا قرآن ہمیں آج تک کے حاصل کیے گئے علم جیسا ہی ہو جائے۔ یقیناً آپ چاہیں گے اگر آپ کا علم کچھ ہو۔ مگر آپ کا علم تب ہوگا۔ بہت زیادہ ماضی میں جانے کی ضرورت نہیں۔ صرف پچاس سال پہلے سائنس کا مروجہ سائنس تھی آج غلط ثابت ہو چکی ہے۔ قرآن کچھ کہتا ہے۔ سورج چلتا ہے سب مجھ وہ ... بھی آج معیار سائنس کو بنایا جاتا تو پچاس سال پہلے قرآن غلط ثابت ہو چکا ہوتا۔ درحقیقت قرآن نہیں بلکہ ہم ہی غلط ہیں۔ اور جو لوگ اس وقت سائنس کی بنیاد پر قرآن کا انکار کر بیٹھے اور سورج کے حرکت میں آنے سے پہلے مر گئے ان کو اب جہنم کی آگ سے کون بچائے گا؟

بیان کرتے ہیں دوسرے اعتراض کی۔

سورہ نور کی آیت نمبر 43 میں ہے خدا فرماتے ہیں

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادلوں کو چلاتا ہے۔ پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ پھر ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل میں سے مینہ نکل کر برس رہا ہے۔ اور آسمان میں جو پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے۔"

اس آیت پر ملحدوں کا اعتراض یہ ہے کہ پہاڑ تو زمین پر ہوتے ہیں آسمان پر کہاں سے چلے گئے؟ پھر ان پہاڑوں سے اولے کیسے نازل ہوتے ہیں؟

جواب: "اولوں کے پہاڑ" کی اصطلاح غلط استعمال کی گئی ہے چاہے وہ کسی مسلمان ترجمان نے کی یا ملحد کریں۔ قرآن میں کہیں بھی نہیں لکھا کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں جن سے اولے نازل ہوتے ہیں بلکہ جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ آسمان میں پہاڑ ہیں جن سے اولے نازل ہوتے ہیں۔ یہاں خواہ مخواہ یہ نتیجہ نہ نکالا جائے کہ چونکہ ان پہاڑوں سے اولے نازل ہوتے ہیں لہذا وہ پہاڑ بھی اولوں کے ہوں گے۔ وہ کون سے پہاڑ ہیں اور ان کے متعلق سائنس کیا کہتی ہے یہ میں آپ کو بتاؤں گا۔

سب سے پہلے اس بات کو سمجھ لیں کہ اولے برسنے کی سائنسی وضاحت کیا ہے۔

آسمان میں بادل چھوٹے، بڑے اور لمبے چوڑے مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ جن بادلوں سے طوفان آنے کا خدشہ ہوتا ہے ان کو سائنسی اصطلاح میں cumulonimbus clouds کہتے ہیں۔ یہ وہ بادل ہیں جن سے اولے برستے ہیں

طوفان آتے ہیں۔ بجلی کے بعد سب سے زیادہ گرج دار بادل ہوتے ہیں اور اولے بھی وہ انہیں سے برستے ہیں۔ یہ ہوتے بھی تہہ در تہہ ہیں جیسا کہ قرآن نے بتایا۔ سائنس بھی یہ بتاتی ہے کہ ایک بادل دوسرے سے ملتا ہے دوسرا تیسرے سے اور یہ لیئرز کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اولوں کی سائنسی وضاحت یہ ہے کہ جب ان بادلوں سے بارش کے قطرے برسنے کے لئے نیچے گرنے لگتے ہیں تو نیچے سے اوپر کی طرف چلنے والی تیز ہوا جسے سائنسی اصطلاح میں updraft کہتے ہیں وہ انہیں واپس اوپر انہیں بادلوں کے اندر اچھال دیتی ہے جس سے یہ نکلتے ہیں۔ پھر یہ اس حد تک اوپر جاتے ہیں جہاں تک ہوا انہیں پہنچاتی ہے۔ ٹھنڈک کے اثرات اور ٹھنڈی ہوا کے دباؤ کی بناء پر یہ قطرے سے برف کے ذرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ذرہ جب بادلوں میں سے دوبارہ عمودی صورت گزرتا ہے اس میں مزید پانی کے قطرے مل جاتے ہیں جس سے اس کے سائز میں اضافہ ہو جاتا ہے پھر یہ دوبارہ بادلوں میں سے گزرتے ہوئے زمین کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں نیچے سے آنے والی updraft انہیں ایک بار پھر واپس عمودی صورت اوپر کی طرف پھینک دیتی ہے۔ یہ دوبارہ بادلوں میں سے گزرتے ہوئے اور مزید قطرے اپنے اندر سموتے ہوئے اوپر چلے جاتے ہیں اور پہلے سے زیادہ سائز اور وزن لے کر دوبارہ زمین کی طرف آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر چکر میں اولے کا وزن اور سائز بڑھتا رہتا ہے اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب یہ اتنے بڑے اور وزنی ہو جاتے ہیں کہ updraft ان کو واپس بھیجنے کے قابل نہیں رہتی اور یہ اس ہوا کے دباؤ کو چیرتے ہوئے زمین پر جا گرتے ہیں۔ اولے کے سائز اور وزن کا انحصار ہوا کے دباؤ پر ہوتا ہے۔ جتنا ہوا کا دباؤ زیادہ ہو گا اتنا ہی اولہ بڑا ہو گا۔ ایک اوسط اولے کا سائز گالف کی بال جتنا ہو سکتا ہے۔ زمین پر اب تک ریکارڈ ہونے والا سب سے بڑا اولہ آٹھ انچ یعنی تقریباً ایک فٹ بال کے برابر تھا۔ اندازہ کریں updraft کس قوت کی ہو گی جس نے اسے بادلوں سے نیچے نہ آنے دیا جب تک وہ فٹ بال سے بڑا نہ ہو گیا۔

اب اس پورے معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ جو updraft ہوا نیچے سے بادل
وہیں بادلوں میں دھکیل رہی ہے وہ بادلوں پہ کیا اثر کرے گی؟ سائنس کے مطابق وہ
updraft بادلوں کو درمیان سے اوپر کی طرف ابھارنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ بھی وہی
بات ہے جسے قرآن بیان کر رہا ہے۔ ذرا دوبارہ پڑھیے۔

سورہ الروم آیت 48

اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٨﴾

"خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے برسا دیتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں ۴۸"

یہ نیچے سے مسلسل چلنے والی updraft بادلوں کو ابھار کر ایک بڑے پہاڑ کی شکل دے دیتی ہے۔ ایسے پہاڑ جن کی اونچائی سائنس کے مطابق چالیس ہزار سے ستر ہزار فٹ یا اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ یعنی قرآن کے مطابق جن پہاڑوں سے اولے برستے ہیں وہ درحقیقت یہی cumulonimbus clouds ہیں۔

اب یہاں صرف ایک آخری اعتراض بچتا ہے کہ کیا محض ظاہری شکل پہ بادل کو پہاڑ قرار دینا سائنسی ہے؟

تو اس کا جواب آج خود NASA نے دے دیا۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ گوگل پہ Hot towers لکھ کر سرچ کیجئے۔ آپ کے سامنے جو سب سائنس اور تصویریں آئیں گی وہ کسی پہاڑ کی نہیں ہوں گی بلکہ یہی cumulonimbus clouds کی ہوں گی۔

A hot tower is a tropical cumulonimbus cloud that penetrates the tropopause, i.e., it reaches out of the lowest layer of the atmosphere, the troposphere, into the stratosphere. In the tropics, the tropopause typically lies at least 15kilometres(9,3mi(above sea level. These towers are called"hot"because they rise high due to the large amount of latent heat released as water vapor condenses into liquid and freezes into ice.[1]

یعنی اعتراض اگر یہ کیا جائے کہ پہاڑ تو زمین پر ہوتے ہیں آسمان پر کہاں سے آ گئے تو ٹاور بھی زمین پر ہی ہوتے ہیں۔ آسمان پر کیسے پہنچ گئے؟ یہاں یہ بھی نہیں کہا گیا۔ ٹاور کی شکل کے بادل یا ٹاور جتنے اونچے بادل۔ بلکہ نام ہی ان کا ہاٹ ٹاورز رکھ دیا۔ تشبیہ کی آخری حد یہی ہوتی ہے۔

اصل مقصد ہے بادلوں کی اونچائی کو اجاگر کرنا جس کے لئے اللہ نے اپنے پیدا کردہ اونچے پہاڑوں کی طرح ان کو پہاڑ سے تشبیہ دے دی۔ تو سائنس نے اپنے ایجاد کردہ اونچے ٹاورز کی بابت ان کو ٹاورز سے تشبیہ دے دی۔

اس پورے معاملے کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان عمودی بادلوں کی ظاہری شکل زمین سے نظر نہیں آتی۔ انسان کو ان کے بارے میں اس وقت پتہ چلا جب اس نے ہوا میں اڑنا شروع کیا۔ جہازوں سے۔ سیٹلائٹس سے جب انہیں اوپر سے دیکھا گیا۔ مگر آج سے چودہ سو سال پہلے جب قرآن نازل ہو رہا تھا تب انسان کے پاس کوئی ایسی مشین تھی جس کے ذریعے اوپر جا کر بادلوں کی اس شکل کو دیکھ کر انہیں پہاڑ قرار دیا جاتا۔ اس بات کا اندازہ ہوتا کہ ہوا کے دباؤ سے بادل ابھرتے ہیں۔ یہ باتیں عقل رکھنے والوں کے لئے کسی سائنسی خدا کا تصور دیتی ہیں۔

انسان کی قدیمیت

نظریۂ ارتقاء کے مطابق انسان اس دنیا میں قریب دو لاکھ سال سے موجود ہے۔ اس سے پہلے بھی موجود تھا مگر کسی اور شکل میں۔

کیا واقعی یہ سچ ہے؟

آیئے سائنس ہی کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔

پہلے بات کرتے ہیں آبادی کی۔

دنیا کی آبادی اس وقت یعنی سال 2017 میں تقریباً سات ارب انسانوں پر مشتمل ہے۔ مگر یہ تعداد آج سے سوا تین سو سال پہلے محض 32 کروڑ تھی۔ یہ اس وقت کے شماریاتی ماہرین کا اندازہ ہے۔ آج کے ماہرین کے مطابق 64 کروڑ تھی۔ دونوں میں سے جسے بھی صحیح مان لیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں سائنس ہمیں انسانوں کی کل تعداد اندازاً 5 کروڑ بتاتی ہے۔ 12 ہزار سال پہلے انسانوں کی کل تعداد دس سے پندرہ لاکھ تھی۔ ستر ہزار سال پہلے سائنس کے اندازے کے مطابق انسانوں کی تعداد ایک ہزار سے دس ہزار انسانوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ اس سے پچھلے سوا لاکھ سالوں میں کیا ہوتا رہا سائنس خاموش ہے۔

اب دوسری کہانی سنیئے۔

انسان کی اس وقت یعنی 2017ء میں اوسط عمر 79 سال ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے انسان کی اوسط عمر 40 سال تھی۔ دس ہزار سال پہلے یہ پندرہ سے تیس سال کے درمیان

تھی۔ آج سے دو لاکھ سال پہلے جب انسان ارتقاء پذیر ہوا تو اوسط عمر محض 18 سال تھی۔

اب اس کا تجزیہ کرتے ہیں۔

آج کی آبادی میں اور آج سے تین سو سال پہلے کی آبادی میں تقریباً بیس گنا فرق ہے۔ پھر سترہویں صدی اور چوتھی صدی میں فرق بارہ گنا کا ہے۔ پھر چوتھی صدی اور دس ہزار سال پہلے کی آبادی میں فرق 33 گنا کا ہے۔

اب اگر میں آج سے بیس ہزار سال پیچھے جاؤں تو دنیا میں انسانوں کی تعداد دس ہزار کے قریب پہنچتی ہے۔ اور اگر تیس ہزار سال پیچھے جاؤں تو یہ تعداد کم ہو کر 400 انسانوں پر مشتمل ہوگی۔ چالیس ہزار سال پہلے یہ تعداد محض 41 انسانوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ پچاس ہزار سال پہلے صرف ایک آدمی۔

جی ہاں۔

صرف ایک آدمی۔ اب آدمی تھا یا عورت مجھے نہیں پتہ۔ آدمی ہوگا تو عورت ارتقاء کے مراحل سے گزر رہی ہوگی اور عورت ہوگی تو آدمی کہیں ارتقاء کی لائن میں لگا ہوا ہوگا۔

اس حساب کو میں نے احتیاطاً سائنس ہی کے فارمولے سے دس ہزار سال تو اکتیس گنا پر تقسیم کیا ہے۔ حالانکہ ایسا ہونا نہیں چاہیے۔ اگر ہم اندازوں کو بھی پس پشت ڈال کر صرف علمی بنیاد پر آج اور آج سے تین سو سال پہلے کی آبادی کی مناسبت سے حساب لگائیں تو انسان کے وجود کی یہ کہانی دس سے پندرہ ہزار سال میں ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر ہم انسان کی اوسط عمر کو بیچ میں داخل کرتا رہوں تو انسان کے وجود کا آج تک برقرار رہنا سوالیہ نشان بن جاتا ہے۔

یہ اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ دو لاکھ سال پہلے وجود میں آنے والے انسان کی یک تو شرح پیدائش کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھی بلکہ اوسط عمر بھی کم تھی۔ دونوں ہی تھیوریاں ارتقائے اصلح اور قدرتی انتخاب میں زبردست خامیاں تسلیم کی جاتی تھیں۔ مگر ہم موجود ہیں۔ اصلی پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا پر راج کر رہے ہیں۔

یہ معاملہ دو ہی شکلوں میں سمجھ آتا ہے۔

۱۔ انسان کی تاریخ زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار سال پرانی ہو۔ اس سے زیادہ پرانی نہ ہو۔ اور اس کی اوسط عمر ابتدا میں ایک ہزار سے پندرہ سو سال کے درمیان ہو۔

۲۔ اگر انسانی تاریخ دو لاکھ سال پرانی ہے تو ابتدا میں انسان کی اوسط عمر بجائے 18 سال کے پانچ ہزار سال سے دس ہزار سال کے درمیان تسلیم کی جائے۔

یعنی ایک ہی انسان دس سے پندرہ ہزار سال تک زندہ رہے اور اس پورے عرصے میں وہ محض ایک سے دو بچے پیدا کرے۔

کیسے؟

یہ مجھے نہیں پتہ۔ فیملی پلاننگ کرے یا کچھ اور۔

پھر اسی طرح سے یہ سلسلہ آگے چلتا جائے اور آہستہ آہستہ آبادی آگے بڑھے تو بات سمجھ آتی ہے۔ ورنہ اٹھارہ سال کی عمر رکھنے والا انسان جو بچے بھی پیدا نہیں کر رہا اس کا تو وجود سو سال آگے نہیں جا سکتا۔ دو لاکھ سال تو بہت دور کی بات ہے۔

○

انسان کی قدامت (حصہ دوم)

ہمارا حساب ہم نے 2017 سے شروع کیا تھا اور پچاس ہزار سال پیچھے تک (ریورس) چلے گئے تھے۔ یہ حساب ہم دو لاکھ سال پیچھے سے شروع کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

ارتقائی نظریے کے مطابق انسان اس دنیا میں قریب دو لاکھ سال یا اس سے بھی پہلے سے ہے۔ دوسرا ارتقائی نظریہ یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کا ارتقاء ایک جگہ یا ایک انسان کی صورت میں نہیں ہوا۔ بلکہ انسانوں کا ایک گروپ تھا جس کا ارتقاء ہوا۔ اب وہ چاہے مختلف علاقوں سے ہوں۔ پھر ارتقائی نظریہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس دور کے انسان جنگلی ہوتے تھے۔ صرف آپس میں جنسی اختلاط نہیں کرتے تھے بلکہ اسی طرح کی دوسری مخلوقات جیسے جانور، حیوان اور ہوموار یکٹس وغیرہ سے بھی مختلط ہو جاتے تھے۔ پھر سائنس ہمیں اس دور کے انسان کی اوسط عمر بھی بتاتی ہے اور وہ ہے 18 سال۔

اب اس ساری معلومات کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس آرائی کی کوشش کرتے ہیں اور مفروضے قائم کرتے ہیں۔

پہلا سوال:

پہلے پہل جب انسانوں کے ایک گروپ کا ارتقاء ہوا تو ان کی کم سے کم تعداد کتنی ہونی چاہیے؟

میرے حساب سے کم از کم دس تو ہونی چاہیے۔

انسان پر یہ بات فٹ ہی نہیں بیٹھتی۔ اگر تو انسان آدم اور حوا کی صورت تخلیق کیا گیا تو غیر تربیت یافتہ گردانا جا سکتا ہے۔ مگر جو انسان جرثومے سے سفر شروع کر کے ارتقاء کے راستے تمام معلومات اپنے ڈی این اے میں منتقل کر کر کے انسان بن چکا اس کے تربیت یافتہ ہونے میں کیا شک؟ گر وہ غیر تربیت یافتہ تھا تو کسی ماں نے کبھی کوئی تربیت دی ہی نہیں۔

لیکن پھر بھی ہم فرض کر لیتے ہیں کہ انسان کی تربیت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہو گی۔

پھر یک سال چھوڑ کر ستر ہویں سال باقی بچے چار جوڑوں کے ہاں ایک ایک بچے کی اور ولادت ہو گی اور آبادی جا پہنچے گی 124 افراد پر۔ جن میں چار جوڑے اور [illegible] ہوں گے۔ اب اس کہانی میں ایک افسوس ناک پہلو آئے گا۔ کیوں کہ تمام جوڑے اپنی عمر جو کہ سائنس کے مطابق 18 سال ہے گزار چکے۔ اب انہیں مرنا ہے۔ تو تمام جوڑے مر جائیں گے۔ پیچھے رہ گئے ننھے منے بچے۔ یتیم مسکین بچے۔ ان کو پالنے کے لئے اب کوئی بھی دستیاب نہیں۔

اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بچوں کے بڑے ہونے تک افزائش کا سلسلہ کیسے چلے گا۔ تو فکر مت کیجیے۔ یہ کوئی 2017 نہیں ہے جہاں ارتقاء رک چکا۔ بلکہ اس دور ارتقائی سال ہے جہاں ابھی ارتقاء اپنی پوری آب و تاب سے جاری ہے۔

تو اس کہانی میں ہم دو گروپس کا دور ارتقاء کر کے ان کو شامل کر دیتے ہیں۔ [illegible] گروپس پچھلے گروپ کے بچوں کو گود لے لیں گے اور اپنے نئے بچے پیدا کرنے شروع کر دیں گے۔

اس بار ہم احتیاطاً نئے ارتقاء پذیر جوڑوں کا ارتقاء بجائے بچپن کے جوانی یعنی بارہ سال کی عمر سے کریں گے۔ کیوں کہ اس بار انہیں اپنے پچھلے بچے بھی پالنے ہیں۔

اگلے چھ ارتقائی سالوں میں ارتقائی عمر جا پہنچے گی چوبیس تک۔ اور [illegible]

تعداد ہو جاتی ہے 50۔

اسی طرح اگر ہم آگے چلتے جائیں تو پہلے ہی سو سالوں میں انسانوں کی تعداد پندرہ سو سے تجاوز کر جائے گی۔ یہ وہ تعداد ہے جس کے بارے میں سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ آج سے ستر ہزار سال پہلے وہ اس تعداد کو پہنچے۔ یعنی ستر ہزار سال میں انسانوں کی تعداد پندرہ سو تک پہنچ رہی ہے جبکہ انتہائی سادہ سے علم حساب سے یہ تعداد صرف سو سالوں میں حاصل ہوتی ہے۔

اس تیز ترین شرح آبادی پر کنٹرول کرنے کے لئے میں نے انسانوں کو شیروں کے آگے بھی ڈالا۔ کھائیوں سے نیچے بھی گرایا۔ قدرتی موت تو انہوں نے مرنا ہی تھا سو سال بعد۔ پھر اس بات کا بھی خیال رکھا کہ بچوں کی بریڈنگ اٹھارہ سال سے پہلے شروع نہ ہو۔ اس کا بھی دھیان رکھا کہ کوئی ایک جوڑا تین سے زیادہ بچے نہ پیدا کرنے پائے۔ مگر اس کے باوجود یہ تعداد صرف سو سالوں میں پندرہ سو سے تجاوز کر گئی۔

اس سے آگے حساب میں کر نہیں پایا کیونکہ یہ بہت زیادہ پیچیدہ حساب ہے۔ مگر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس رفتار سے انسان اپنی موجودہ آبادی صرف تین سے چار ہزار سال میں حاصل کر سکتا ہے۔ اس کام کے لئے اسے دو لاکھ سال تک جوتے چٹخانے کی ضرورت نہیں۔

یہ سچ ہے کہ میں نے انسانی رفتار کا آغاز ایک جوڑے کے بجائے دس جوڑوں سے کیا۔ پھر کچھ عرصے تک مزید جیسے پیریڈ کا رستہ بھی کھولتا رہا۔ بعد میں آبادی کی بڑھتی شرح دیکھتے ہوئے مجھے ارتقا روکنا پڑا۔ ورنہ شاید میں ہزار سال بھی نہ چلتے۔ مگر یہ سب کچھ مجھے مجبوری میں کرنا پڑا۔ سائنس بھی سب بتاتی ہے۔ ورنہ معمولی حساب اور تجربات کی رو سے انسان کا دس پندرہ ہزار سال سے زیادہ قدیم ہونا ناممکن ہے۔

قرآن کی پیش گوئیاں

میں نے اپنی پچھلی تحریر "کائنات کی پیدائش۔ معجزہ یا حادثہ؟" میں بتایا تھا
کہ بیسویں صدی سے پہلے انسان اس کائنات کو دائمی سمجھتا تھا۔ یعنی جس طرح سے یہ
کائنات، حال میں ہے، ازلی و ہمیشہ سے ہے۔

مگر بیسویں صدی کے اوائل میں ایک سائنسدان جارج لیمیٹر نے دعویٰ کیا کہ
یہ کائنات پھیل رہی ہے۔ 1927 میں کیے گئے اس دعوے کے دو سال بعد ایڈون ہبل نامی
سائنسدان نے اس کی تصدیق کر دی جس کو Hubble's law کا نام دیا گیا۔

ہبل نے اس بات کی تصدیق کی کہ کائنات میں موجود تمام اجرام تیزی سے ایک
دوسرے سے دور جا رہے ہیں اور یہ کائنات ایک مخصوص رفتار سے پھیل رہی ہے۔

کائنات کے پھیلاؤ کی تصدیق کے بعد اب اس نظریے کا کوئی جواز نہیں بچا کہ
کائنات ہمیشہ سے ہے۔ کیوں کہ اگر تمام اجرام فلکی ایک دوسرے سے دور جا رہے ہیں تو
ایک ایسا پوائنٹ ضرور رہا ہوگا جب یہ تمام آپس میں باہم ملے ہوئے ہوں گے۔ اس پوائنٹ
کو سائنس میں "سنگولیریٹی" کا نام دیا گیا ہے۔ کائنات کے اسی پھیلاؤ کی رفتار سے کائنات
کی ابتدا کا حساب بھی نکالا گیا ہے جو سائنسدانوں کے مطابق چودہ بلین سال بنتے ہیں۔

یعنی اگر آپ چودہ بلین سال پیچھے چلے جائیں تو آپ کو یہ سب اجرام فلکی
جڑے ہوئے ملیں گے۔ پھر ان کا پھٹنا اور جدا ہو جانا مشاہدے میں آئے گا۔ جسے "بگ
بینگ" کا نام دیا گیا۔ پھر یہ ایک مخصوص رفتار سے ایک دوسرے سے دور جانے شروع ہوئے

بھی گئے جسے ہم کائنات کا پھیلاؤ کہتے ہیں۔

یہ تو صرف تمہیں وہ ہیں جو خالق کے کلام میں چھپے چودہ سو سال سے موجود ہیں۔

The universe is expanding,

قرآن اس کا ذکر یوں کرتا ہے۔

سورہ الذاریات، آیت 47

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۴۷﴾

"اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم ہی اس کی توسیع کر رہے ہیں ۴۷"

لَمُوسِعُونَ کا لفظ توسیع سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وسعت دینا یا پھیلانا۔

اب یہاں اعتراض یہ بنتا ہے کہ یہاں کائنات کی نہیں بلکہ آسمان کی بات ہو رہی ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ اعتراض کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کو نام ہم نے خود دیا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ قرآن جس کو الارض کہتا ہے اسے ہم زمین کہتے ہیں۔ انگریزی میں اسی کو ارتھ کہا جاتا ہے۔ مگر اس سے بنیادی متن کو فرق نہیں پڑتا۔ اسی مناسبت سے جس کو ہم نے کائنات کا نام دیا اس کے لئے قرآن السموات کا لفظ استعمال کرتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بگ بینگ کے وقت کائنات کی شکل کیا تھی؟

سائنس کی نئی تحقیق کے مطابق یہ گیس کا مجموعہ یا بادل کی شکل میں تھی۔

یہ بات قرآن کچھ یوں بیان کرتا ہے۔

سورہ فصلت۔ آیت 11

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾

"پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں ۱۱"

دخان کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عربی میں دھوئیں کو کہا جاتا ہے۔

پھر قرآن بگ بینگ کا بھی وہی نقشہ پیش کرتا ہے جو آج سائنس ہمیں بتاتی ہے

سورہ الانبیاء۔ آیت 30

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾

”کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں جڑے ہوئے تھے تو ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیا۔ اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔ پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ۳۰“

رتق کا مطلب یکجا ہونا اکٹھا ہونا ایک دوسرے سے جڑا ہونا۔ فتق کا مطلب جدا کرنا یا پھاڑ دینا۔

ایک بات اس آیت میں اور بھی قابل غور ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا

”کیا کافروں نے نہیں دیکھا۔“

اس آیت میں کافروں کے دیکھنے کی بات کیوں کی جا رہی ہے؟

یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ

”کیا لوگوں نے نہیں دیکھا۔“

مگر کفروا کا اضافہ کر کے اللہ تعالیٰ نے بگ بینگ کا پہلا مشاہدہ کرنے والے لوگ بھی بتا دیے۔

یعنی اگر مسلمان بگ بینگ کی بابت دریافت کرتے تو قرآن پر شک برقرار رہتا کہ اپنے قرآن کی خود ہی تصدیق کر رہے ہیں۔ مگر یہاں دریافت کافر کے اپنے ہاتھوں

سے فراہم کی جا رہی ہے۔ جس کا پہلا مشاہدہ کفار کر رہے ہیں اور تصدیق قرآن کی ہو رہی ہے۔

سوال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جب قرآن میں پہلے ہی لکھا ہوا ہے تو مسلمان کیوں نہیں دریافت کر لیتے۔ یقیناً یہ آیات قرآن میں 1927 سے پہلے بھی موجود تھیں۔ مگر اس وقت کوئی نہیں پڑھے گا بھی تو تصدیق کیسے کرے گا؟

پڑھ کر یقین کرنا اور بات ہے مگر سائنس کے میدان میں ترقی کر کے اس کی سند میں تصدیق اور بات۔

یہ وہی بات ہے جو پچھلی تحریر میں میں نے یک گنا سنک سائنسدان رابرٹ جیسٹرو کی شامل کی تھی۔

وہ لکھتے ہیں:

"For the scientist who has lived by his faith in the power of reason, the story ends like a bad dream. He has scaled the mountain of ignorance he is about to conquer the highest peak as he pulls himself over the final rock, he is greeted by a band of theologians who have been sitting there for centuries."

"ان سائنسدانوں کے لئے جو اس عقیدے پر قائم ہیں کہ ہر چیز کی توجیہ کی جا سکتی ہے کہانی ایک برے خواب پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ وہ جہالت کے پہاڑ کو کھینچتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے۔ بس وہ علم کے میدان میں سب سے زیادہ اونچائی سر کرنے کو ہے۔ جیسے ہی وہ آخری چٹان پر پیر رکھ کر اوپر چڑھتا ہے اسے عالموں کی ایک جماعت کی طرف سے خوش آمدید کہا جاتا ہے جو وہاں صدیوں سے بیٹھی ہے۔"

○

ارتقائی سائنس اور تخلیقی سائنس

قارئین! کل میں نے یک تحریر لکھی تھی "سمندر کے نظام"۔ اور پچھلے دن پہ میری تحریر آئی تھی "نساں کی قدیمیت"۔

آج کی ہماری تحریر انہی دونوں تحریروں سے متصل ہے۔

کل میں نے بتایا تھا کہ سمندر نمکین کیسے ہوا۔

سائنس کے مطابق بارش کا پانی جب پہاڑوں پر چٹانوں پہ اور زمین کے راستوں سے گزرتا ہوا واپس سمندر میں گرتا ہے تو وہ اپنے ساتھ مختلف معدنیات کو سمندر میں پہنچانے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ ان معدنیات میں اسی فیصد مقدار اس نمک کی ہوتی ہے جسے ہم عمومی طور پر کھانے میں استعمال کرتے ہیں۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا یہ نمک مسلسل پانی میں شامل ہو رہا ہے یا نکالا بھی جا رہا ہے؟

اس پر سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ سمندر میں نمک شامل ہونے اور اس کے نکلنے میں ایک توازن قائم ہے۔ بحری حیات اس نمک کو جذب بھی کرتی ہے پھر کئی سمندری جیوز جن میں سیپ اور خول وغیرہ شامل ہیں وہ ان کیمیکلز سے تشکیل پاتے ہیں۔ سمندری انسان بھی نکالتے ہیں اور استعمال میں لیتے ہیں۔

سمندری حیات اس نمک کو کس کس کام میں استعمال کرتی ہے اس بارے میں سائنس کی زیادہ ریسرچ موجود نہیں۔ لہٰذا ممکن ہے کہ اس کے استعمال کے بارے میں

ہماری تحقیق حتمی نہ ہو۔ مگر ایک بات سائنس یقین کے ساتھ کہتی ہے کہ جتنا نمک سمندر میں شامل ہوتا ہے اس سے کچھ کم نمک سمندر میں یا تو استعمال ہو جاتا ہے یا واپس نکل جاتا ہے۔

اب اگر ایسا نہ ہو تو کیا ہوگا؟

یعنی نمک شامل ہوتا رہے۔ مگر واپس نہ نکلے تب؟

ایسی صورت میں ہمارے تمام سمندر کثافت میں شدید اضافے کی وجہ سے مردہ ہو جائیں گے۔ جس کی ایک مثال بحیرۂ مردار کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا سمندر میں یہ نمک ہمیشہ یکساں رہتا ہے یا اس میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سمندر میں نمک کی مقدار نہ تو ہمیشہ سے اتنی ہے نہ ہی ہمیشہ اتنی رہے گی۔ بلکہ یہ ہر گزرتے سال کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ جس رفتار سے یہ مقدار بڑھ رہی ہے وہ انسانیت کے لئے اتنا سنجیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس رفتار سے اس تمام سمندر کو بحیرۂ مردار بننے میں جتنا وقت درکار ہے اتنے وقت سے پہلے یہ زمین کسی اور وجہ سے تباہ ہو چکی ہوگی۔ لہٰذا اس پہلو پر مزید بات کرنا فضول ہے۔

مگر اس بحث کا ایک پہلو اور بھی ہے۔

ہم آج جدت کے اس دور میں جی رہے ہیں کہ جس میں COBE کے تجربے سے ہم محض کائنات کا پھیلاؤ دیکھتے ہیں۔ اس کی رفتار ناپتے ہیں اور کائنات کی عمر دریافت کر لیتے ہیں۔

تو کیا ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم سمندر کی بڑھتی ہوئی کثافت کی رفتار سے سمندر کی عمر کا اندازہ لگالیں۔

اگر میں پچھلے سو سال کی سائنس کو دیکھوں تو ایسی کوئی کوشش نظر نہیں آتی۔

مگر اٹھارویں صدی کے آخر میں کچھ سائنسدان اس طریقہ کار سے زمین کی عمر نکالنے کے تجربے کر چکے ہیں۔ جن کی تفصیلات ایک امریکی جیولوجسٹ جارج ایف بیکر

اپنی 1910 میں شائع ہوئی کتاب The age of the earth میں شامل کر چکے تھے۔

پھر اس حساب کتاب سے جو نتائج سامنے آئے وہ بڑے حیران کن تھے

اس سمندری نمک کے حساب کتاب سے اس سائنسدان نے زمین کی جو عمر نکالی وہ COBE تجربے میں طے کی گئی عمر سے کافی کم ہے۔ کئی سائنسدانوں نے یہ تجربے کیئے اور تمام سائنسدانوں کے مطابق اس طریقہ کار کے مطابق زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے دس کروڑ سال ہے۔ خود جارج ٹیف بیکر کے مطابق زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ جبکہ COBE تجربے کے مطابق یہ زمین ساڑھے چار ارب سال پرانی ہے۔

یہاں اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ سمندری نمک سے زمین کی عمر نکالنے کا تجربہ اتنا زیادہ ایکوریٹ نہ ہو۔ مگر ساڑھے چار ارب سال اور چھ کروڑ سال میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

پھر یک اعتراض یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سمندری کثافت کے اضافے سے سمندر کی عمر نکالی جا سکتی ہے نا کہ زمین کی۔

یہ اعتراض بالکل جائز ہے مگر اس میں مزید اعتراضات یہ ہو سکتے ہیں کہ اگر آج سے چھ کروڑ سال پہلے یہ سمندر میٹھا تھا تو کتنے عرصے پہلے وجود میں آیا ہوگا؟

میٹھے پانی کے تعفن زدہ ہونے کے جو تحفظات سائنس میں پائے جاتے ہیں ان کو دیکھ کر لگتا نہیں کہ اس معاملے کو یک ہزار سال بھی مزید پیچھے گھسیٹا جا سکتا ہے مگر میں ماتقدم کے طور پر اس کو یک لاکھ سال پیچھے بھی گھسیٹ لوں تو نتیجے میں جو کہ چھ کروڑ سال ہے ایک لاکھ سال کا ہی اضافہ ہوگا۔ اس سے پہلے پانی کا وجود نہیں ملتا۔

پھر اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جب پانی وجود میں آیا تو سورج تو پہلے سے موجود تھا۔ یعنی بارش کا سلسلہ فوراً شروع ہو گیا ہوگا ور نمک ملنے کا آغاز ہو گیا ہوگا۔

بہر حال زمین ساڑھے چار ارب سال پرانی ہے یا چھ کروڑ سال؟

اب اگر ہم ان دونوں باتوں کو صحیح تسلیم کر لیں تو صورت حال کچھ اس طرح ہے کہ زمین تو ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آ گئی مگر زمین پر پانی محض چھ کروڑ ایک لاکھ سال پہلے وجود میں آیا۔ اس سے پہلے زمین موجود ہو گی مگر بغیر پانی کے۔

اب پانی کہاں سے آیا اس پر مختلف نظریات ہیں۔

کوئی کہتا ہے کہ کرسٹلز کی شکل میں موجود تھا جو پگھل گئے اور ایسے پگھلے کہ پوری زمین پانی سے بھر گئی۔ کچھ کہتے ہیں پانی کسی دوسرے سیارے سے آ گیا۔ یہ بات مجھے تو سمجھ نہیں آتی۔ یہ دو سیارے تھے یا دو لوٹے تھے کہ ایک لوٹا الٹ گیا اور اس کا پانی دوسرے والے میں گر گیا؟ ہر سیارہ اپنے آغاز سے اپنے اجسام کو اپنا پابند رکھنے کے لئے ایک جیسی کشش برقرار رکھے ہوئے ہے۔ جب تک اس کشش میں کسی وجہ سے تبدیلی نہ ہو اس وقت تک اس سیارے کی کوئی بھی چیز دوسرے سیارے پر خود بخود منتقل نہیں ہو سکتی۔ تو کیا سائنس میں کسی سیارے کی کشش کے تبدیل ہونے کی کوئی گنجائش موجود ہے؟ میں فرض کر لوں کہ پانی مریخ سے آیا۔ تو کیا مریخ کی کشش کم ہو گئی تھی اور زمین کی کشش بڑھ گئی تھی جو پانی یہاں آن گرا؟ پھر اگر ایسا ہوا بھی تو صرف پانی ہی کیوں گرا؟ اور چیزیں وہاں کی کیوں نہ یہاں آ گریں؟ پھر پورا سیارہ ہی کیوں نہ آ کر ٹکرا گیا زمین سے؟ یا مریخی مخلوق بالٹیوں میں پانی بھر بھر کے یہاں چھوڑ گئی؟

یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے۔

یعنی اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین پہلے وجود میں آ چکی تھی پانی بعد میں آیا تو یہ عقدہ حل نہیں ہوتا کہ پانی کہاں سے آیا۔ اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ زمین پانی سمیت پیدا ہوئی تو زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے زیادہ نہیں تھی۔

یقیناً کوئی ایک سائنسدان غلط ہے۔

کون؟

مجھے نہیں پتہ۔

یہ سائنسدانوں کا مسئلہ ہے وہ آپس میں خود طے کریں گے۔ مگر یہاں مسئلہ
طلب پہلو یہ ہے کہ اگر یہ کروڑ سال پہلے زمین کے وجود یا محض پانی سے وجود والا نظریہ
بھی صحیح ہے تو نظریہ ارتقاء زمیں بوس ہو جاتا ہے جو اس نظریے سے بچا سا
ڈاروِن نے متعارف کرایا تھا۔

آج کے سائنسدانوں نے زمین کے Young age model کو غلط قرار
دیا ہے۔

مگر جن وجوہات کی بناء پر اس کو غلط قرار دیا گیا بدقسمتی سے وہ تمام وجوہات
hubble's law اور COBE experiment میں بھی موجود ہیں۔

سائنسدانوں نے جن وجوہات کی بناء پر سمندری نمک کے کلاک کو غلط قرار دیا
ان میں سے چند بنیادی وجوہات یہ ہیں۔

۱۔ سمندر میں نمک کی مقدار کسی مخصوص رفتار سے نہیں بڑھ رہی بلکہ سمندر میں
نمک شامل ہونے اور اس میں سے نمک نکلنے کے درمیان ایک توازن قائم ہے۔

اب اگر آپ یاد کریں تو میری ایک تحریر "قرآن کی پیشگوئیاں" پر ایک صاحب
محترم نے صرف اس بات پر اعتراض کر دیا تھا کہ میں نے تحریر میں غلطی سے لکھ دیا تھا
کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار مخصوص ہے۔ پھر انہوں نے تصحیح کی کہ کائنات کے پھیلاؤ کی
رفتار مخصوص نہیں بلکہ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اب ہم نے کیا یہ کہ کائنات کا پھیلاؤ پھر اس کے بڑھنے کی رفتار سے ایک الجبرائی
کلیہ قائم کر کے اس سے نکتہ آغاز کا پتہ لگایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیں پتہ چلا کہ کائنات کا آغاز
چودہ ارب سال پہلے ہوا۔

مگر یہی کام ہم نے سمندری نمک کے اضافے کی رفتار کے ساتھ نہیں کیا
کیوں؟

کائنات کے پھیلاؤ کی رفتار بھی مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ بہت بڑھ رہی ہے۔

سمندر میں نمک کی مقدار اس قدر نہیں تھی جتنی اب بڑھ رہی ہے۔ تو جو فارمولا وہاں لگا وہ یہاں کیسے لگا؟

(۱) دوسرا اعتراض بڑا عجیب ہے۔

۱۔ ہم یہ بات تسلیم کر لیں کہ آغاز خاص جیسے پانی سے ہوا جبکہ اس کے بعد ہی تو نمک آیا ۔ تو ممکن ہے کچھ نمک آغاز میں سمندر میں موجود ہو۔

۲۔ اعتراض بگ بینگ کا ہے۔ اس سے پوچھے کہ کیا بگ بینگ کسی لیبارٹری میں منعقد ہوا تھا اور عوام کو بتایا گیا تھا کہ ہم ایسا مطلع موجود تھا اس حادثے کو دیکھنے کے لئے؟

۳۔ حساب کتاب ہے جس میں ہم کچھ چیزوں کی رفتار، وزن اور فاصلہ دیکھ کر ایک اندازہ قائم کر لیتے ہیں۔ اسی حساب پر سمندری نمک والے فارمولے پر اعتراض کریں گے تو اس کا اطلاق بگ بینگ پر بھی ہو جائے گا۔

اور پھر اگر ان کے اعتراض کا گہرائی میں جا کر جائزہ لیا جائے تو وہ انہی کے خلاف جاتا ہے۔ یعنی اگر ہم فرض کر لیں کہ سمندر میں کچھ نمک آغاز میں ہی موجود تھا تو ایسی صورت میں زمین کی عمر چھ کروڑ سال سے بھی کم نکلے گی نا کہ ساڑھے چار ارب سال تک چلی جائے گی۔

کچھ سائنسدانوں کے مطابق سمندر میں نمک کی مقدار بڑھ نہیں رہی بلکہ ہمیشہ ایسی ہی چلی ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم کیا جائے تو سائنس کو پھر یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ سمندر میں آنے والا نمک ہمیشہ سے ہے اور یہ بارشوں سے خود بخود سمندر میں بہہ کر نہیں آ رہا بلکہ کسی نے ڈالا ہے اور اسی نے اس کو ایک خاص مقدار تک محدود رکھنے کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔

مگر سائنس یہ بھی نہیں مانتی۔ یعنی چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی۔

۴۔ جو آخری اعتراض اس طریقے پر کیا گیا وہ بڑا عجیب ہے۔

۲۔ پہلے بھی سائنسدانوں نے زمین کی عمر دریافت کرنے کے لئے سمندری

تب کا تجربہ کیا وہ ہبل (بائبل سے متاثر) تھے اور تخلیقی کائنات کے حامی تھے جنہوں نے چھ ہزار سال زمین کی عمر کم بتائی۔

سبحان اللہ اسے کہتے ہیں سائنس میں فرقہ واریت پھیلانا۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ COBE experiment میں شامل تمام سائنسدان ارتقائی تھے اور ارتقائی کائنات کے حامی تھے تو کیا یہ سائنس ہی کہلائے گی؟

یہ تمام معاملات دیکھ کر لگتا ہے کہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے پہلے سائنس صرف سائنس ہوتی تھی جو ہر ایک کے لئے یکساں قابل بھروسہ تھی۔

مگر ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بعد اب سائنس دو فرقوں میں بٹ چکی ہے۔

ایک تخلیقی سائنس اور دوسری ارتقائی سائنس۔

کون جھوٹا ہے کون سچا؟

ہمیں کیا پتہ۔

O

خدا کے بغیر انسان کے تصورات

میں خدا کو کیوں مانتا ہوں اس کا تعلق میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات سے ہے۔

یہ سوالات اسی نوعیت کے ہیں جس نوعیت کے سوالات نے نیوٹن کو گریویٹی کا تصور دیا۔

کیا اس نے گریویٹی کو دیکھ لیا تھا؟ یا پا لیا تھا؟

جی نہیں۔

اس نے گریویٹی کو نہیں سیب کو دیکھا تھا۔ سیب کے نیچے گرنے سے اس نے یہ اندازہ لگایا کہ کوئی نادیدہ قوت ہے جو شے کو زمین کی طرف کھینچتی ہے۔

اس کو منطقی استدلال کہتے ہیں۔ یعنی بغیر دیکھے محض صفات کی بناء پر کسی کے وجود کا یقین کر لینا۔

سوال ہر انسان کے ذہن میں اٹھتے ہیں۔ سوچنا انسان کا خاصہ ہے۔ اسی سوچ کی بناء پر وہ تصورات قائم کرتا ہے۔ کسی کی سوچ اور سوالات اسے خدا کے وجود کا یقین دلا دیتے ہیں۔ کسی کی سوچ اور سوالات اسے ملحد بنا دیتے ہیں۔

میرے سوالات جو پہلے تھے وہی آج بھی ہیں۔

میں اشیاء کے رد عمل کو بغیر خدا کے وجود کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔ جو لوگ ملحد ہو جاتے ہیں وہ یقیناً اشیاء کے رد عمل کو خدا کے وجود

کے بغیر سمجھ لیتے ہوں گے۔ اسی لیے وہ ملحد ہو جاتے ہوں گے۔

ابتدائی طور پر میں کچھ مسائل آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ جن کے بارے میں میرا یہ خیال ہے کہ انہیں خدا کے وجود کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا۔

اگر میں خدا کے وجود کا انکار کر دوں تو پھر یہ دنیا میرے نزدیک اتفاقی حادثات سے بھری پڑی ہے۔

یعنی اس دنیا کا پیدا ہونا، اس میں انسان کا پیدا ہونا، جانوروں کا وجود، کیڑے مکوڑے، پیڑ پودے سب کچھ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ یعنی نہ کوئی خدا نہ کسی خدا کا جبر۔ یہ سارا نظام بغیر کسی خدا کے چلائے چل رہا ہے۔ خدا کے انکار کی صورت میں جو سوالات کھڑے ہو جاتے ہیں ان کی تعداد ناقابل بیان حد تک زیادہ ہے۔ اتنے خوبصورت جاندار ہمارے اطراف میں بکھرے پڑے ہیں۔ انہیں یہ خوبصورتیاں عنایت کرنے والا کون ہے؟ پھولوں کے اندر خوبصورتی اور خوشبو کا حسین امتزاج کیا بغیر کسی خدا کے موجود ہے؟ پھلوں کے اندر لذت اور خوشبو بے سبب ہے یا اتفاق؟ انسان پانی اور آکسیجن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ یہ دونوں چیزیں نہ ختم ہونے والے نظاموں کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ پانی کا واٹر سائیکل ایسے ترتیب دیا گیا ہے کہ اس کے پیچھے کسی ذہین دماغ کا گمان ہوتا ہے۔ پانی ہم بار بار استعمال کرتے ہیں مگر ختم نہیں ہوتا۔ بس اس کا سرکل گھومتا رہتا ہے۔ ہم سانس لیتے ہیں جس میں ہم آکسیجن کشید کرتے ہیں اور کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ تو کیا آکسیجن ختم ہو جائے گی اور ساری آکسیجن کاربن ڈائی آکسائیڈ میں بدل جائے گی؟ جی نہیں۔ اس کا بھی سرکل موجود ہے۔ جو کاربن ڈائی آکسائیڈ ہم خارج کرتے ہیں اسے پودے کشید کر لیتے ہیں اور بدلے میں آکسیجن خارج کر دیتے ہیں۔ یعنی جو ہمیں چاہیے وہ پودے پیدا کر رہے ہیں اور جو پودوں کو چاہیے وہ ہم۔ اس پر سائنس کے کچھ کہ اس خیال میں ہم خود بھی پودے تھے۔ سبحان اللہ۔

ایک مضبوط ربط میں سب بندھے ہیں۔

سا ہی ل ہے جو آپ سامنے پیش ... اتفاق ہے۔

خوراک کی موجودگی محض اتفاق ہے؟ ... کی موجودگی محض اتفاق ہے؟ ... خوراک کا جواب دینے کے سلسلے سے تعلق کیا اتفاق ہے؟ ... کی موجودگی اتفاق ہے؟ پھر ان ہونا اتفاق ہے؟ خوراک کا منہ میں ... جانا ... کو ... موجودگی ... کے بچے لعاب ... ہضم کرانے ... ہضم شدہ خوراک کا ... ہونا۔ ہضم شدہ ... کا خوراک ... جسم کے ... حصوں سے تعلق۔ سب اتفاقی حادثات ہیں؟ پھر خوراک کے مختلف ذائقے، گندم کا ... اور سیب کا ... اور ہے آم کا اور۔ کیا یہ سب محض اتفاق ہے؟ آم کی ضرورت گرمیوں میں ہے تو وہ گرمیوں میں ہی آتا ہے۔ اونٹ صحرا کا جانور ہے اور حیرت انگیز طور پر صحرا میں پیش آسکنے والی ہر مصیبت سے بچنے کے لئے اس کے جسم میں قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں۔ پانی اور خوراک جمع کرنے کا انتظام۔ ریت پر چلنے کے لئے ... جدار کا چلنا ... اور ریت کا طوفان برداشت کرنے کے لئے مخصوص پلکیں۔ کیا یہ سب اتفاق ہے؟ گرگٹ کا اپنے دشمن سے بچنے کے لئے رنگ بدلنا اور اس قسم کے تمام جانوروں کے دفاعی نظام کیا ان کے اندر حادثاتی طور پر آگئے ہیں؟ پھولوں کے مختلف رنگ ان کی خوشبو یہ سب اتفاق ہے؟ انسان کے ... کا نظام ... پھیپھڑے ... نظام ہاضمہ کا نظام ... بچے کی پیدائش کے بعد ماں کے سینے میں دودھ کا اتر آنا یہ سب ایک اتفاقی حادثے کے سبب ہے؟ مرد و عورت کے باہمی تعلق میں انتہا درجے کی لذت جو نسل بڑھانے کی ترغیب دیتی ہے محض ایک اتفاق ہے؟

... ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جس سائنس سے ہمیں ... بھی ... سوال کا جواب ... وہ ہمیں صرف طریقہ کار کی وضاحت ... مطمئن ... کی کوشش کرتی ہے تو جہاں ... اس کا جواب ... نہیں۔

... عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی کہ یہ سب کیسے ہوا بلکہ وہ ...

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ کو [illegible] میں [illegible]؟

اونٹ صحرا کا جانور ہے جس کو کئی روز بغیر غذا اور پانی کے سفر کرنا پڑتا ہے۔ قدرت نے اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے کوہان میں غذا اور پانی کو ذخیرہ بنا لے۔

یہ قدرت کون ہے؟

کسی کو نہیں پتہ۔

یہ [illegible] متعلق کوئی ایک سوال تھوڑی ہے۔ [illegible] ہر جانور اپنی پیٹھ پر [illegible] لیے گھوم رہا ہے۔ جتنی مخلوقات ہیں اس سے کئی گنا زیادہ سوال۔ ہر جانور ایک مختلف صلاحیت لیے گھوم رہا ہے۔

گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ یہ اس کے دفاع کا [illegible] ہے۔ جس چیز پر وہ موجود ہوتا ہے اس کا رنگ اسی جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کے دشمن اسے دیکھ نہیں پاتے۔ گرگٹ کے [illegible] کا یہ [illegible] کسی انتہائی [illegible] دماغ کی [illegible] ہے۔ مگر [illegible] اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی [illegible] ایک محدود [illegible] دماغ بھی رکھتی ہے [illegible]

[illegible]

جیسے جو ورت میں [illegible]

اور یہ مچھلی بھی [illegible]

میں کرنٹ پیدا کرتی ہے [illegible]

دماغ کو کپکپا دے۔ وہ مچھلی [illegible]

یک خودکار نظام ہے۔ آپ اس مچھلی [illegible]

بھی غور طلب نہیں بلکہ [illegible]

سانپ کے منہ میں زہر ہوتا ہے [illegible]

اس کے منہ میں کیسے آیا؟ یہ سائنس کا موضوع ہے [illegible]

ہے۔ مگر وہ دوں مستی ہے جو یہ حقیقت [illegible]

کر رہی ہے؟ [illegible]

نظام خود پیدا کرے۔ یقیناً کسی دوسری قوت کا [illegible] ہے۔

مگر وہ قوت ہے کون؟

قدرت؟ ارتقاء؟ یا خدا؟

قدرت بقول ملحدین کے خود بخود [illegible] ہے۔

اگر یہ سارے دفاعی نظام خود بخود پیدا ہو رہے ہوتے تو [illegible]

ہے؟

سانپ میں بھی زہر ہوتا، گرگٹ میں بھی، [illegible] بھی۔

سانپ بھی رنگ بدلتا، گرگٹ بھی اور [illegible] بھی۔

سانپ بھی کرنٹ مارتا، گرگٹ بھی اور [illegible] بھی۔

انسان کے تخیل کی حد

جن لوگوں نے مجھ سے مذہب [illegible] سے ساتھ ملانے کو غلط کہا ہے مجھے [illegible] انسان کا ارتقا [illegible] کی جانوروں سے ہوا جبکہ کوئی اسے بھی سائنس ہونے [illegible] ثابت نہ ہو سکتا ہے۔ ارتقا کو اس طرح سے ثابت کرنا جیسا کہ ہمارے عام علم سے ہٹ کر ہے [illegible] سائنس سے ثابت بھی نا ممکن ہے۔ یہ ایسے اعتراضات ہیں جن کے بارے میں یہ ابھی بھی تھوڑی ہے کہ وقت آنے پر سائنس ان سوالات کا جواب دے دے گی۔ ان سوالات کے جوابات کے لیے یقیناً سائنس کے کئی بنیادی اصول بدلنے ہوں گے اور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس خالق نے یہ پوری کائنات تخلیق کی وہ سائنس کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ سائنس اس کی محتاج ہے۔

انسان کی مجبوری یہ ہے کہ اسے بہت کم علوم دیئے گئے ہیں۔ وہ ایسی علوم کے ساتھ جب خالق کو جاننے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی عقل جواب دے جاتی ہے۔ یہ اس کی [illegible] کسی مسئلے کو معمولی حساب سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

جب [illegible] میں اس معاملے میں کسی حد تک [illegible] اللہ [illegible] سمجھتا ہوں۔ [illegible] نہیں۔ اس کے نزدیک خدا کی اہمیت اور وقعت بس اتنی ہی ہے جتنی [illegible] سائنسدان کی ہوتی ہے۔ معمولی ذہانت استعمال کر کے ایک [illegible] [illegible] والا سائنسدان اور بس۔ یہ بات [illegible] [illegible] صاحب [illegible]

اس دنیا کے سب سے بڑے سائنسداں بھی ہوتے تب بھی ان سوالوں کے بعد ان کا
گھبرا کر جانا ہی بنتا تھا۔

ہمارا عمومی رویہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کی شخصیت کا اپنے ذہنوں میں ایک خاص تخیل
رکھتے ہیں۔

ایک کاروباری شخص کو اچھے مہنگے اور قیمتی لباس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔
ایک اچھی جاب کرنے والے کو تھری پیس سوٹ میں ملبوس دیکھنا چاہتے ہیں۔
ایک سائنسدان کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور ماتھے پر شکنیں ہوں تبھی وہ
سائنسدان لگے گا۔

ایک شاعر مفلوک الحال عاشق زدہ نظر آئے گا تبھی شاعر لگے گا۔
ایک ادیب ایک اوسط طبقے کے لباس میں سیلیقے ہوئے سنجیدہ چہرے کے ساتھ
ہمیں قبول ہوگا۔

ایک انجینئر جینز کی پینٹ اور ٹی شرٹ میں کام کرتا نظر آنا چاہیے۔
علم طب سے متعلق ڈاکٹر نے سفید کوٹ پہنا ہو، گلے میں اسٹیتھو سکوپ لٹکائی
ہو۔

مگر اگر میں آپ سے کسی ایسی شخصیت کا خیالی خاکہ بنانے کو کہوں جس میں یہ
تمام صلاحیتیں بیک وقت موجود ہوں اور ایسی موجود ہوں کہ کوئی مقابل ہی نہ ہو تو آپ کے
ذہن میں کیا حلیہ آئے گا؟

اس کا تخیل آپ کر ہی نہیں سکتے۔ کیوں کہ ایسی کسی شخصیت کا اس دنیا میں کبھی کوئی
وجود ہی نہیں رہا جو تمام علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہو۔

خدا کے نام پر جس شخصیت کا تصور مغرب میں پایا جاتا ہے وہ بہت ہی عجیب و
غریب ہے۔ فلموں میں دکھائے گئے ان خیالی خداؤں نے حقیقی خدا کے انسانی تصور کو
پامال کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

یہ خدا کا ایک دوسرا اعتراض سنا تھا کہ اگر قرآن اسی خالق کا کلام ہے جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے تو اس کی زبان بھی سائنسی ہونی چاہیے تھی۔ جس طرح ہم سائنس کی کوڈنگ دیکھتے ہیں ویسی ہی کوڈنگ میں قرآن ہوتا۔ یہ ایک انتہائی بچکانہ دلیل ہی ہے۔

انسان کا المیہ یہ ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے پاس موجود دستیاب علوم پر پرکھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ چاہے وہ چیز اس کے پاس موجود علوم کے احاطے میں آتی ہی نہ ہو۔ یہ کہنا کہ قرآن کو انگریزی زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا۔ یہ مرعوبیت اور مغرب زدہ اصطلاحات استعمال کرنے والوں کی ذہنی سوچ ہے۔ چونکہ انگریز بہت ترقی کر گئے ہیں لہٰذا اب جو بھی چیز انگریزی میں ہوگی وہ ترقی کے پیمانے پر پورا اترتی ہوگی۔

اس کی مثال آپ بیرون ملک کے لوگوں سے اکثر سنتے رہتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے میں علامہ اقبال کو شاعر مشرق نہیں مانتا کیوں کہ مشرق میں جاپان بھی ہے اور وہاں والوں کے نزدیک ان کا شاعر، شاعر مشرق ہوگا۔

یہ بات تو بالکل ٹھیک ہے۔ مگر جاپان میں ایسے جاہل ہرگز نہیں پائے جاتے ہیں گے جو اپنے شاعر کا تذکرہ چھوڑ کر ہندوستانی شاعروں کے قصیدے پڑھتے ہوں۔ چاہے اردو ترجمہ ہی ہو۔

جن کو اشفاق احمد، ابن صفی، ابن انشاء، غالب و اقبال کی نظمیں، تحریریں سو بار پڑھ کے بھی کوئی سمجھ نہیں آتی وہ شیکسپیئر کی لٹریچر زبان میں کہی ہوئی بات کو پڑھ کر جھوم جھوم جاتے ہیں اور واہ واہ بہت کا ورد کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے لبرلز اور ملحد زیادہ تر یہی سمجھتے ہیں سائنس یا کوئی مغربی ملک کوئی بات کر دے وہ سائنس ہے۔ یہ ایسے ہی نہیں ہے۔ جب جب دنیا میں جس جس قوم نے ترقی کی لوگوں نے اسی کے گن گائے، اس کی بات سے متاثر ہوئے۔ چوہدری کے گھر سے پانی لانے سے کوئی چوہدری نہیں بن جاتا۔ زمانہ کے قدرت کے رنگ ڈھنگ نرالے ہیں۔ ہمیشہ دنیا میں ایسے لوگ موجود رہے ہیں جنہوں نے

مرعوبیت کے مرض میں مبتلا ہو کر جب مقابلہ کرنے کے اپنی وضع قطع بدل کر خود کو اسی روپ میں ظاہری طور پر ڈھالنے کی کوشش کی جو ترقی یافتہ قوموں کا رہا۔ یعنی ان کا مطالبہ ہے کہ قرآن بجائے عربی کے انگریزی میں ہوتا تو زیادہ قابل اعتماد ہوتا یا سائنسی کوڈنگ میں ہوتا تو فوراً سمجھ آ جاتا۔

جی نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔

جن کے عقائد و افکار فیشن کی طرح بدلتے ہوں وہ کسی بھی تھالی میں بس تھوڑا ہی وقت ٹک پاتے ہیں۔ جیسے ہی تھالی کا جھکاؤ بدلتا ہے وہ لڑھکتے ہوئے کسی اور طرف جا پڑتے ہیں۔ آج انگریزی سے مرعوب ہیں کل کو جاپان، یا دو آگے نکل گیا تو کہیں گے قرآن جاپانی زبان میں کیوں نہیں؟

قوموں پر عروج و زوال اس نظام کا حصہ ہے۔ اس کا تعلق ایمانیات سے بھی نہیں بلکہ محنت سے ہے۔ جو قوم جس دور میں زیادہ محنت اور لگن سے کام کرے گی وہی دنیاوی دوڑ میں آگے نکلے گی۔ بے شک وہ کفر پر ہو۔ مسلمانوں کو یہ بات سمجھنے کی اشد ضرورت ہے۔

قرآن میں جو آیتیں سائنس سے متعلق ہیں ان میں وہ سائنسی زبان استعمال نہیں کی گئی جو عموماً سائنس دانوں کا خاصہ ہے۔

ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔

اس لفظ ''مٹی'' کو دنیا کا ہر طبقے کا انسان سمجھ سکتا ہے۔ مگر آپ اس کو بدل کر کوئی سائنسی اصطلاح ''Phencyclidine'' استعمال کریں۔ اب اس کو کتنے لوگ سمجھتے ہیں کسی گلی محلے کے دکاندار سے سوڈیم کلورائیڈ مانگئے۔ دیکھیں کیا ملتا ہے۔ علم بانٹنا اور علمیت کا بے مقصد رعب جھاڑنا یہ دونوں مختلف کام ہیں۔ اس کی توقع احمق انسانوں سے تو کی جا سکتی ہے مگر خدا سے ہرگز نہیں۔

زمین اور آسمان باہم ملے ہوئے تھے ہم نے ان کو پھاڑ کر الگ کیا۔

ان الفاظ کو آپ بگ بینگ سے بدل لیں۔

کتنے لوگ سمجھیں گے؟

جو انداز قرآن کا ہے اسے ہر خاص و عام سمجھ سکتا ہے۔ مگر جو انداز سائنسدانوں کا ہے اسے بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں۔

بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔

آپ کسی سائنسدان کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بات ایسی عمومی زبان میں لوگوں کو سمجھائے جسے ہر خاص و عام سمجھ بھی جائے اور معیار بھی بہترین رہے تو وہ اس سے عاجز ہو جائے گا۔ یعنی اب یہاں سائنس کے ساتھ ساتھ گفتگو یا اسلوب کا فن بھی درکار ہے۔ سائنسدان اس سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ کیوں کہ وہ صرف ایک علم میں معمولی سی مہارت رکھتے ہیں۔

جب کہ خدا کے علوم لامحدود ہیں۔ سائنس ان تمام علوم میں سے وہ معمولی سا علم ہے جس کی سمجھ انسان کو دی گئی ہے۔ وہ اس کے سہارے ہر چیز کا احاطہ کرنے کی فکر میں غلطاں خدا کا ایک عجیب تصور ذہن میں لیے بھٹک رہا ہے۔

○

ایمان بالغیب اور ملحد

القرآن۔ سورہ البقرہ۔ آیت نمبر 260

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

"اور یاد کرو جب ابراہیم نے کہا اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ فرمایا۔ کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے عرض کی۔ ایمان تو رکھتا ہوں پر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا۔ چار پرندے لے اور انہیں اپنے سے مانوس کر لے پھر ان کا ایک ایک جز یک ایک پہاڑ پر رکھ دے۔ پھر ان کو پکار۔ وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ خوب جان لے اللہ نہایت با اقتدار اور حکیم ہے۔"

قارئین! قرآن پاک کی یہ وہ آیت ہے جس سے ایمان بالغیب کی بہترین تشریح کی جا سکتی ہے۔ ایک نبی ایک رسول کا اللہ سے یہ پوچھنا کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں اور جواب دینے سے پہلے اللہ کا یہ کہنا کہ کیا تجھے ایمان نہیں؟ اس جوابی سوال کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ سوال کرنے والا خدا اپنے ایک بندے کی ایمانی کیفیت سے واقف نہیں مگر تربیت میری مقصود ہے۔ ہر اس شخص کی مقصود ہے جو قیامت تک اس آیت کو پڑھے اور اپنی اصلاح کرے۔

اس آیت میں بھی ایک نکتہ قابل غور ہے۔
وہ یہ کہ یہاں بالغیب ثبوت مل جانے کے بعد ایمان لانے کا نام نہیں بلکہ
ثبوت سے پہلے ایمان لانے کا نام ہے۔ ثبوت وقت آنے پر ملے گا ایمان پہلے لانا ہے کیونکہ
کسی بادشاہ کی بادشاہت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کا ہر حکم اس سے وجہ پوچھے بغیر
بجا لایا جائے۔ اگر وجہ جان کر بجا لایا جائے گا تو اس کا دوسرا مطلب یہ بنتا ہے کہ آپ
بادشاہ کو بادشاہ ہی نہیں سمجھتے۔ اگر آپ کو وجہ بتائی جائے تو آپ حکم عدولی بھی کر سکتے ہیں
اس کا مطلب ہے کہ آپ کو بادشاہ کی صلاحیتوں پر بھی بھروسہ نہیں۔ پہلے وجہ جانیں گے پھر اس کو اپنی
محدود عقل سے پرکھیں گے۔ پھر عقل اجازت دے گی تو عمل کریں گے۔ تو پھر خدا کون ہوا
سب سے بڑی یہی عقل؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان بالغیب کا یہ رویہ منطق پر پورا اترتا ہے؟
بادی النظر میں اس سوال کا جواب نفی میں بنتا ہے مگر اگر گہرائی میں جا کر سوچا جائے تو اس کا
جواب ایک واضح اور روشن اثبات میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک محدود عقل دے کر پیدا کیا ہے۔ پھر اس کے اطراف
میں کائنات کے رنگ بکھیر رکھے ہیں۔ اس کائنات کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن تک
انسانی عقل کی رسائی ہے مگر بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔
انسان اپنے خالق کی تخلیقات دیکھتا ہے تو اس کا اس بنانے والے پر یقین اور پختہ ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کے بہت سے معاملات انسان کے عقلی ارتقاء کے محتاج ہوتے ہیں مگر ایمان کا
تقاضا اول سے ہی ہوتا ہے۔ بعض معاملات ایسے ہیں جن کو انسان ہزاروں سالوں کی
ترقی کے بعد سمجھے گا اور بعض معاملات ایسے بھی ہیں جو انسان کے فہم کی دسترس سے باہر
ہیں۔

اس کی مثال میں نے اوپر آیت میں پیش کر دی۔ اللہ مردوں کو کیسے زندہ
کرتا ہے؟ اس معاملے کا تعلق انسان کی عقلی ترقی سے نہیں ہے لہٰذا خالق کائنات کی طرف

سے وہ ہم نے جواب تو دے دیا گیا۔ اگر اس سوال کا جواب علم سے پوچھا جاتا تو ہر سبب سے پہلے اس علم و سمجھنے کے لیے عقل موجود تھی؟ یقیناً نہیں تھی کیونکہ جواب تجربے سے ہوتا ہے۔ دل کا اطمینان تو تجربے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ایمان یہ ہونا چاہیے کہ ہر وقت ترقی کے سے پہلی دفعہ انسان نے زندگی دیا مشکل کام نہ تھا تو وہ دوبارہ کرنا بھی مشکل ہے؟ کسی چیز کو اس پہلی بار ہی مشکل ہوتا ہے۔ دوسری بار تو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان نے پہلی ٹی وی کئی سالوں کی محنت کے بعد بنایا مگر آج کمپنیاں ہزاروں ٹی وی روزانہ بنا لیتی ہیں۔ پہلا ٹی وی مشکل تھا اس کے بعد آسانی ہو گئی۔

اب بات کرتے ہیں اول الذکر کی۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ آتے ہیں۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو اسے والدین سے بتایا جاتا ہے کہ اس سے آگ لگ جاتی ہے۔ ہاتھ جل سکتا ہے۔ بچے کو اس معاملے میں وقتی طور پر اپنے والدین پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ آگ کے نقصانات سے واقف نہیں۔ مگر پھر جب وہ اس دنیا میں اپنی زندگی کے کچھ سال گزار لیتا ہے تو اس کے مشاہدے میں آگ سے ہونے والے حادثات آ جاتے ہیں اور اس کا اپنے باپ پر یقین اور پختہ ہو جاتا ہے۔

یہی معاملہ ایمان بالغیب کا بھی ہے کہ اگر یہ سوچا جائے کہ پہلے عقل تسلیم کرے تب ہی ایمان لایا جائے گا تو کیا پتہ عقل ترقی کے کس معیار پر ہے؟ انسانی عقل تو کبھی سورج کو زمین کے گرد گھماتی ہے تو کبھی زمین کو سورج کے گرد۔ پھر جب تک فیصلہ ہو کہ کون کس کے گرد گھومتا ہے ایمان کیسے لایا جائے گا اور کون سی نسل ایمان لائے گی؟

یقیناً یہ ایک مشکل ترین مسئلہ ہے۔ اسی لیے ایمان بالغیب کی شرط رکھی گئی ہے کہ ایمان پہلے لے آؤ پھر جب اللہ چاہے گا اس ایمان پر یقین بھی پختہ ہو جائے گا۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں ہم ملحد یا عقل پرست کہتے ہیں۔ اب دو ان کے معاملے پر بھی بات کر لیتے ہیں کیونکہ خدا پرستوں کا یہ ایمان بالغیب آج کل ملحدوں کی تنقید کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ بہت اعتراضات ہیں ان کے۔

یہاں موضوعِ بحث یہ نہیں کہ انسان اپنی عقل استعمال نہیں کرے گا۔ بلکہ
یہ کہ اب ایمان بالغیب کو عقل کا محتاج نہ کرے گا کہ جو کچھ آج تک انسانی عقل و علم
سے کہاں میں اور اللہ کی طرف سے دی جانے والی غیبی اطلاعات میں [illegible]
پایا تو واحد حق جواب ہے کہ ایمان کو چھوڑ دے اور اگر نہیں پایا تو پھر [illegible] بات طے
کر لے کہ آئندہ بھی جو کچھ وہ اپنی عقل سے جانے گا وہ اللہ کی اطلاعات سے مطابق
ہوگا۔

ملحد کہتے ہیں جب تک ہمارے پاس ثبوت نہ ہوں یا اللہ کو [illegible] ہم
نہیں مانیں گے۔ باوجود اس کے کہ اللہ نے اپنی موجودگی کی نشانیاں خود انسان کے
کے اندر تخلیق کر رکھی ہیں۔ اس کے اطراف میں تخلیق کر رکھی ہیں۔ پھولوں کی خوشبو،
کے خوبصورت رنگ۔ زیبرے اور تتلی کے جسم پہ بنے خوبصورت نقش و نگار۔ پھل،
سبزیوں کے لطف ذائقے۔ یہ سب ارتقاء کے ثبوت نہیں ہیں۔ یہ کسی خالق کی موجودگی
کا اعلان سناتے ہیں۔ مگر ملحدوں کو یہ ثبوت کافی نہیں ہیں۔ اس کے برعکس ان کا
نظریہ پر زیادہ ایمان ہے جس کے ثبوت اس سے بھی کم ہیں۔

یک خلوی جرثومے سے زندگی کا آغاز ہوا۔ پھر یک خلوی جرثومے کو [illegible]
سے [illegible] یہ ہم تک [illegible] مگر ایمان لے آئے اس نظریے پر چمپینزی اور انسان [illegible]
کی [illegible] کا [illegible] ہیں۔ کسی کے بھی وجود کا کوئی ثبوت نہیں مگر ہم ایمان لائے
نظریے پر۔ یک خلوی جرثومے میں افزائش نسل کا طریقہ کچھ اور اس سے ارتقاء
پائے میں افزائش نسل کا طریقہ کچھ اور۔ پودے نے افزائش نسل کا یہ طریقہ
جنسی تو یہ کیسے [illegible] سے سیکھا جب کہ اس کی کوئی مثال پہلے موجود ہی نہیں [illegible]
جاتے مگر ہم ایمان لائے اس نظریے پر۔ پودے سے ارتقاء پا کر جانور [illegible]
افزائش نسل [illegible] جنسی تولید کی [illegible] کرتے جنسی اختلاط کا ایک [illegible]
بھی پہلے کوئی مثال موجود نہیں۔ کہاں سے یہ طریقہ آیا؟ کس سے سیکھا؟ کسی [illegible]

سائنس اور اسلام

لوگ عموماً سمجھتے ہیں کہ اسلام سائنس کے خلاف ہے۔ مگر جب میں سائنسی نظریات پہ نظر ڈالتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ اسلام سائنس کے خلاف نہیں بلکہ سائنس اسلام کے خلاف ہے۔

سائنس سے میری مراد یہاں ایسے غیر مسلم سائنس دان ہیں جو اسلام سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ اسلام کو نیچا دکھانے کے لیے انہیں اگر کسی غیر سائنسی رویے کو اپنانا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے۔ اس مضمون میں میں جہاں سائنس کا لفظ استعمال کروں گا اس سے مراد سائنس دان ہی ہوں گے۔

سائنس کو اگر مریخ پہ پانی کے آثار مل جائیں تو وہاں زندگی کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ جہاں پانی ہو وہاں زندگی کا ہونا غیر یقینی نہیں۔ بغیر یقینی آنکھ سے دیکھے محض شواہد کی بنیاد پر زندگی کا تصور کر لیا جاتا ہے۔

مگر انہی اصولوں پہ خدا کی تلاش یا تصور سائنس کے لیے محال ہے۔ یہاں سائنس کی یک اور پالیسی سامنے آتی ہے کہ جو چیز جب تک سائنس کے مشاہدے میں نہ آجائے اس وقت تک سائنس اس چیز کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ سائنس کے مطابق تخلیقات خدا کے وجود کا ثبوت نہیں۔ جب تک خدا خود زمین پہ آکر اپنا دیدار نہ کروائے انہی سائنس دانوں کو اگر پچاس لاکھ سال پرانا کوئی دانت مٹی میں دبا مل جائے تو اس پہ ہومو سیپیئنس کا ڈھانچہ کھڑا کر لیتے ہیں۔ مشاہدوں پر مخلوقات کا تصور سائنس سے

معمولی بات ہے مگر انہی مشاہدوں پر خدا کا تصور سائنس کے لیے ناممکنات میں سے ہے۔

جو چیز سائنس کے مشاہدے میں نہ آ سکے وہ چیز اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ جادو، معجزے اور جنات انہی چیزوں میں شامل ہیں۔ اسی اصول پر اگر ہم نیوٹن کے لاء آف گریویٹی کو پرکھیں تو اندازہ ہوگا کہ گریویٹی نیوٹن کی دریافت نہیں بلکہ ایجاد تھی۔ کیوں کہ نیوٹن کے لاء آف گریویٹی کو متعارف کروانے سے ایک دن پہلے لاء آف گریویٹی کا سائنس کے پاس کوئی مشاہدہ نہ تھا۔ اور جس چیز کا سائنس کے پاس کوئی مشاہدہ نہ ہو اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جس طرح خدا کا سائنس کی نظر میں کوئی وجود نہیں۔ اور جو چیز وجود ہی نہ رکھتی ہو اسے وجود بخشنے والا اس کا خالق اور موجد کہلاتا ہے نا کہ دریافت کنندہ۔ یعنی سائنس کے اسی اصول پر نیوٹن لاء آف گریویٹی کا خالق اور موجد تھا۔

اگر ہم اس اصول کو تمام سائنسی دریافتوں پر اپلائی کر دیں تو وہ سب ایجادات میں تبدیل ہو جائیں گی۔ تاوقتیکہ سائنس اس معاملے میں اپنی اصلاح کا اعلان نہ کرے۔

بہتر رویہ یہ ہوتا کہ سائنس کچھ معاملات میں اپنی کم فہمی کا ادراک کرے کہ جس چیز کا مشاہدہ سائنس کے پاس نہ ہو اس کا وجود تو ممکن ہے مگر سائنس ابھی اس معیار پر نہیں پہنچی کہ اس پر گواہی دے سکے۔ مگر یہ رویہ سائنس کو خدا کا تصور بھی دے دے گا جو سائنس کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

پھولوں میں رنگ کون بھرتا ہے؟ سائنس کو نہیں پتہ مگر خدا کے سوا کسی نے بھی بھرے ہوں گے۔ پھولوں سے خوشبو کیوں آتی ہے؟ سائنس نہیں جانتی مگر اس میں خدا کا کوئی کردار نہیں ہو سکتا۔

پھلوں کے ذائقے۔ انسان کی تخلیق۔ انسان کا اندرونی جسمانی ایکو سسٹم یہ تمام کوئی نہ کوئی سائنسی وجہ رکھتی ہوں گی۔ مگر خدا نہیں ہو سکتا۔

لاکھوں سال لگتے ہیں ایک بندر کو ارتقا کے مراحل سے گزر کر انسان بننے میں مگر ایک ناپاک قطرہ ماں کے پیٹ میں محض نو مہینے میں انسانی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ نہیں

اس قطرے میں سے انسانی اعضا برآمد ہو جاتے ہیں یا ماں کے پیٹ میں بچے کے انسانی حصے موجود ہوتے ہوں گے جس میں سے آدھے وہ اپنے بچے کو [illegible] چار مہینے میں وہ مردہ قطرہ زندگی کی نمو پا کر حرکت میں آ جاتا ہے اور انسان الٹرا [illegible] مشینوں کی مدد سے محض اس کی حرکات دیکھ کر اپنی ذہانت پہ دل ہی دل میں خوش ہوتا ہے کہ دیکھو میں کتنا ترقی یافتہ ہوں کہ میں ماں کے پیٹ میں بچے کو حرکت کرتے دیکھ رہا ہوں۔ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے اس معاملے میں سائنس کے پاس بھی اتنا ہی علم ہے جتنا گلی میں گٹر صاف کرنے کے لیے آنے والے جمعدار کے پاس۔ مگر بچہ کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے میں جمعدار اور سائنس کی جہالت میں کوئی واضح فرق نہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں سات آسمانوں کا ذکر کرتا ہے۔ سائنس کو آسمان نظر [illegible] نہیں۔ لہٰذا آسمان موجود ہی نہیں۔ انسان کی رسائی چاند اور مریخ سے آگے نہ جا [illegible] جس آسمان دنیا پر ستارے ٹانکے گئے ہیں وہی ستارے جو سورج سے بھی لاکھوں نوری [illegible] کی مسافت پہ ہیں۔ اس آسمان دنیا کا کوئی وجود نہیں۔ یہ ستارے اگر نظر نہ [illegible] سائنس ان کا بھی انکار کر ڈالتی۔ پھر اگر کسی سائنس دان کو اگر دوربین سے کوئی ستارہ دکھ [illegible] تو وہ اس کا دریافت کنندہ نہیں بلکہ خالق بن بیٹھتا۔ کیوں کہ سائنس ہی کے مطابق [illegible] دن پہلے تک اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا تو جس نے ڈھونڈ لیا وہ اسی کا۔

سائنس کے مطابق انسان لاکھوں سالوں سے اس دنیا میں مقیم ہے مگر [illegible] نہیں جان سکا کہ سمندر میں مچھلیوں کی کتنی قسمیں بستی ہیں۔ روز نت نئی مچھلیاں [illegible] ہیں۔ مگر سوری۔ یہاں ایجاد کا لفظ نہیں آئے گا۔ کیوں کہ یہاں سائنس کی تھیوری [illegible] ہے۔ سائنس اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ زمین پر لاکھوں سال جوتیاں چٹخانے کے [illegible] ہمیں زمین پر موجود تمام مخلوقات کا علم نہیں۔ مگر کائنات جس میں ہم چاند اور مریخ سے [illegible] بھی نہ گئے اس کے بارے میں ہمیں کیا پتہ ہے کہ وہاں آسمان نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ [illegible]

زمین کے پیچھے بھی اصل ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں۔

کسی سیارے پہ سائنس دان انسانی فضلے سے خوش ہو گئے تو پوری زمین کے سائنس دان اپنی ساری مشینری اس انسانی فضلے میں استعمال کر ڈالیں گے۔ کسی نے ذہن میں بھی بھولے سے بھی خیال نہ کیا کہ انسانی فضلہ وہاں خود بخود بھی تو بن سکتا ہے۔ ممکن ہے مادہ اور ضد مادہ آپس میں ٹکرا کر ختم ہو گئے ہوں اور فضلے کی داستان چھوڑ گئے ہوں۔ کسی بگ بینگ کے نتیجے میں فضلہ بن گیا ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا؟ کیسے ممکن ہے۔ سائنس اس بات کو نہیں مانتی۔ خود بخود تو صرف کائنات وجود میں آ سکتی ہے۔ چاند سورج ستارے وجود میں آ سکتے ہیں۔ زمین وجود میں آ سکتی ہے۔ انسان وجود میں آ سکتا ہے۔ مگر انسانی فضلے جیسی حقیر سی چیز خود بخود کیسے وجود میں آ سکتی ہے؟

لاکھوں سال پرانے غاروں میں سائنس انسانی ہاتھوں کے بے نقش و نگار کا پتہ لگاتی ہے اور اس پہ کچھ حسین تصویریں دکھا دکھا کر ہمیں یقین دلاتے رہتے ہیں کہ وہ انسان بھی موجود اور خود ساختہ مذاہب بھی موجود۔ یہ تو بہت بڑا ثبوت ہے۔ ظاہر ہے انسان نے تو نقش و نگار بنائے نا۔ کسی بگ بینگ تھیوری کے نتیجے میں نقش و نگار تھوڑی بن سکتے ہیں۔ صرف کائنات بن سکتی ہے۔

○

سائنس اور مذہب کا مقدمہ

ایک دعویٰ یہ ہے کہ سائنسی ترقی نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا۔

میرے خیال سے اس دعوے کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے جو لوگ مذہب کی اکائی اخلاقی پابندیوں سے مادر پدر آزادی چاہتے ہیں وہ سائنس کے غیر تصدیق شدہ غیر منطقی اور احمقانہ نظریات کو خدا بنا کر پوجنا شروع کر دیتے ہیں۔ سائنس ایک ایسی دوا جو آپ سے کچھ نہیں مانگتا۔ نہ کڑکتی سردی میں صبح صبح اٹھ کر ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی نماز۔ نہ رمضان میں صبح سے شام تک بھوکا رہنے کی عبادت۔ نہ حج کے سفر کی تنگی۔ نہ زکات کی صورت اپنی کمائی کا مخصوص حصہ کسی غریب کو دینے کا مطالبہ کہ معاشرے کی بہتری تک یہ حصہ لایا جا سکے۔ بلکہ الٹا یہ تعلیم کہ یہ زندگی بے مقصد ہے۔

کائنات کی تخلیق؟

بے مقصد

دنیا کی تخلیق؟

بے مقصد

انسان کی پیدائش؟

بے مقصد

میں جاننا چاہوں گا۔ سائنس نے وہ کون سا تیر مارا ہے جس نے مذہب کو شکست دی۔

اگر ہم دنیا میں زندگی کے آغاز کی بات کریں تو سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ اس دنیا میں زندگی کا آغاز ایک یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ آغاز کا مطلب یہ ہے کہ پہلے یک خلوی جرثومے سے پہلے اس دنیا میں کوئی جاندار چیز موجود نہ تھی۔ یعنی یک خلوی جرثومے نے بے جان چیزوں سے جنم لیا۔ تو کیا بے جان سے جاندار کے وجود کی پیدائش کو سائنس تسلیم کرتی ہے؟ اگر کرتی ہے تو کس بنیاد پر؟ اور اگر نہیں کرتی تو یک خلوی جرثومے کو کیسے تسلیم کر لیا جو نظریہ ارتقاء کی بنیاد ہے؟

جب سائنس سے پوچھا جاتا ہے کہ یک خلوی جرثومہ کیسے وجود میں آیا تو سائنس کہتی ہے "ہمیں نہیں پتہ"۔ کیا یہی ہے وہ جواب جس پر مسلمانوں سے یہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ کسی خدا کے وجود کا انکار کر دیں؟ کیا یہی وہ سائنس ہے جس نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا؟ یک خلوی جرثومے کی پیدائش تو ارتقائی نظریے کی بنیاد ہے۔ اور جب بنیاد ہی غیر سائنسی ہو تو باقی نظریہ سائنسی کیسے ہو سکتا ہے؟

کسی سے اپنی کوئی منطق تسلیم کروانے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر میں کہوں کہ ستارے سفید ہوتے ہیں اور آپ کو لگے کہ میں غلط ہوں تو آپ میری تصحیح کر سکتے ہیں مگر مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔ یعنی آپ یوں تصحیح کر سکتے ہیں کہ ستارے سفید نہیں ہوتے بلکہ لال ہوتے ہیں یا نیلے ہوتے ہیں۔ مگر یوں نہیں کہہ سکتے کہ ستارے سفید نہیں ہوتے اور ہمیں یہ بات پتہ ہی نہیں کہ ستارے کس رنگ کے ہوتے ہیں۔ کیوں کہ جب آپ کو پتہ ہی نہیں کہ ستارے کس رنگ کے ہوتے ہیں تو پھر کیسے پتہ کہ سفید نہیں ہوتے؟ ہو سکتا ہے سفید ہی ہوں؟

اسی طرح اگر میں یہ کہوں کہ اللہ نے ہر جاندار پہلی بار جوڑوں میں پیدا کیے اور یہیں سے یہاں زندگی کا آغاز ہوا تو آپ اس کا انکار ضرور کر سکتے ہیں۔ مگر پھر آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ زندگی کا آغاز کیسے ہوا؟ دوسری صورت کیا ہے؟ "پتہ نہیں" جیسے جواب سے آپ مجھ سے یہ عقیدہ نہیں بدلوا سکتے۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ آپ مجھ سے یہ کہیں کہ اس دنیا

میں زندگی کا آغاز خدائی تخلیق سے نہیں ہوا مگر جب میں آپ سے یہ پوچھوں کہ کب
تو آپ جواب دیں ہمیں نہیں پتہ۔ جب آپ کو ایک بات کا پتہ ہی نہیں تو حتمی دعوٰی
دعوٰی کیا معنی رکھتا ہے؟

اسی ارتقائی نظریے میں آگے چلیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خوردبینی جرثومہ
پودے میں تبدیل ہوا اور پودا ایک آبی جاندار میں۔ پھر وہ آبی جاندار خشکی پر آ گئے۔

کیسے؟

جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ پانی میں سانس لینے والے جاندار گلپھڑوں سے سانس
لیتے ہیں اور خشکی کے جاندار پھیپھڑوں سے۔ پھر پانی کے جانداروں کا خشکی پر سانس لینے
کیسے ممکن ہوا؟

سائنس اس کا یہ جواب دیتی ہے کہ جو جاندار پانی سے خشکی پر گئے ان کے
گلپھڑے اور پھیپھڑے دونوں تھے۔ بعد میں تھیوری آف لیسٹ کے تحت خشکی کے
جانداروں کے گلپھڑے ختم ہو گئے اور پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے ختم ہو گئے۔ سبحان
اللہ

اب یہاں کئی سوال ایک ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔
سوال: جو جاندار گلپھڑوں اور پھیپھڑوں سے بیک وقت مزین تھے وہ کہاں گئے
گئے؟

مذاہب کا گلا گھونٹ دینے والی سائنس کا جواب: وہ ناپید ہو گئے۔
سوال: کیوں؟
سائنس: پتہ نہیں۔
اگلا سوال: جب آبی جاندار خشکی پر گئے تو ان کے گلپھڑے کیوں ختم ہو گئے؟
سائنس کا جواب: کیونکہ وہ غیر ضروری تھے۔
سوال: تو وہ جاندار جو پانی میں رہتے ہوئے پھیپھڑوں اور گلپھڑوں سے بیک

ساتھ جڑے تھے ان کے پھیپھڑے کیوں غیر ضروری نہیں تھے؟ کیا وہ جانتے تھے کہ مستقبل میں ان کا ارتقاء خشکی پہ ہونا ہے لہٰذا پھیپھڑے بچا کر رکھے جائیں وہاں کام آئیں گے؟

جواب: ہم ابھی یہ نہیں جانتے۔

یہ ہے وہ سائنس جس نے مذہب کا گلا گھونٹ دیا؟

آگے چلیئے۔

ایک ملحد سے جب میں نے یہ پوچھا کہ ایک قطرہ مادۂ منویہ شکمِ مادر میں نو مہینے گزار کر جیتے جاگتے انسان میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے تو جواب ملا کہ اس کے ڈی این اے میں ہر عضو کی معلومات ہوتی ہیں۔ میں نے پوچھا یہ معلومات کہاں سے آئیں تو جواب ملا کہ لاکھوں کروڑوں برسوں کے ارتقائی سفر سے جانداروں نے یہ معلومات سیکھی ہیں۔

اب ذرا اس بات کا بھی جائزہ لیتے ہیں۔

یک خلوی جرثومے میں افزائشِ نسل کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کر لیتا ہے۔ یعنی ایک سے دو دو سے چار اور چار سے آٹھ۔ پھر وہ یک خلوی جرثومہ ایک پودے میں تبدیل ہو گیا۔ پودے میں افزائشِ نسل کا طریقہ جنسی تولید ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرثومے نے پودے میں تبدیل ہونے کے بعد جنسی تولید کا طریقہ کس سے سیکھا؟ کیا اس کی کوئی مثال پہلے موجود تھی؟ جب کوئی مثال ہی نہیں تھی تو سیکھا کیسے؟

آگے چلیں۔

پھر پودا جاندار میں تبدیل ہو گیا۔ افزائشِ نسل کا طریقہ ایک بار پھر تبدیل ہو گیا۔ یعنی اب جنسی تولید کی جگہ جنسی اختلاط ہونے لگا۔ یعنی اب نر اپنا عضوِ مخصوص مادہ کے عضو میں داخل کر کے مادہ منویہ چھوڑے گا تو مادہ انڈا یا بچہ جنے گی۔ یہ کام کس سے سیکھا؟ کیا اس کی کوئی مثال پہلے موجود تھی؟

پھر مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگلا سبق سیکھتا جا رہا ہے پچھلا بھولتا جا رہا ہے۔ یعنی جس تقسیم

والے طریقے سے جنسی تولید والے طریقے پہ چھلانگ لگائی تو تقسیم والا طریقہ بھی یاد
جب جنسی تولید سے جنسی اختلاط پہ قلابازی کھائی تو جنسی تولید بھول گیا۔ پتہ نہیں جب
ہو رہا ہو گیا کہ تقسیم آج بھی صرف جرثوموں ہی کا خاصہ ہے۔ جنسی تولید آج بھی پودوں کا
خاصہ ہے۔ مگر آج کا انسان جس نے جرثومے اور پودے سے ہی ارتقاء کا سفر طے کیا۔ وہ نہ
تقسیم ہو سکتا ہے نہ جنسی تولید پہ قادر ہے۔ وہ اب صرف جنسی اختلاط سے ہی نسل افزائش
کر سکتا ہے حالانکہ اصول ارتقاء کے اس سفر میں اتنا کچھ سیکھنے کے بعد آج انسان کے پاس
افزائش نسل کے یہ تینوں طریقے موجود ہونے چاہیے تھے۔ آج ہمارے معاشرے میں
بہت سی خواتین ہیں جو شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ کسی مرد سے اختلاط نہیں کرنا چاہتیں مگر بچے
کی خواہش رکھتی ہیں۔ وہ مگر جیسے جرثوموں کی طرح اپنے آپ کو تقسیم کر لیتیں۔ پینگ کے
پھلواری رنگ چڑھا آئے۔

پھر اس احمقانہ نظریے کی داستان یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔
پانی سے خشکی پہ ارتقاء ہوا پھر خشکی سے ہوا میں اڑنا شروع کر دیا۔
وہ کیسے؟

اس موضوع پہ ابھی تک میری کسی ملحد سے بات نہیں ہوئی اس لیے مجھے بالکل بھی
اندازہ نہیں کہ اس کا کیا جواب گھڑیں گے۔ ہو سکتا ہے یہ کہیں کہ جانداروں کو ہوا میں اڑنے
کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے لاکھوں سال تک ہوا میں چھلانگیں لگا لگا کر اڑنے کی
کوششیں کیں۔ آخر کار ان کے پر نکل آئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انسان کو بھی پرندوں سے سیکھ کر ہوائی جہاز ایجاد
کرنے کی ضرورت کیوں تھی؟؟ انسان بھی پھدکنا شروع کر دے۔ کیا پتہ اس کے بھی پر نکل
آئیں اور وہ اڑنے لگے۔

مذاہب میں خدا کے وجود اور خدا کی قدرت سے جانداروں کی پیدائش

سائنس کے متعلق اعتقاد رکھنے والے طلبہ نے سائنس میں جو پایا وہ میں نے من وعن درج کر دیا۔ اس میں وہ تجربے بھی ہیں جو طلبہ کے ساتھ مختلف سائنسوں میں پیش آئے۔

سائنسی نظریات میں جتنے جھول موجود ہیں اس سے ملحد عزائم کی پوری قلعی کھل جاتی ہے کہ مسئلہ صرف اسلام دشمنی ہے۔ اخلاق سے آراستہ اور مذہبی پابندیوں سے فرار کا راستہ الحاد ہے ورنہ غیر متعصبانہ انداز میں سائنس کا مطالعہ کیا جائے تو سائنس کسی بھی مقام پر خدا یا مذہب کے خلاف کوئی نظریہ پیش نہیں کرتی۔

○

کیسے اور کیوں؟

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے
ہیں ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی عقل نہ
رکھتے ہوں نہ ہدایت؟"

قرآن۔ سورہ البقرہ۔ آیت 70

دنیا کا کوئی بھی مذہب جس کا تعلق عقل کے بجائے محض عقیدت سے ہو، اپنے
ماننے والوں کو یہی نصیحت نہیں کرتا۔ یہ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنے والی بات ہے۔
جبکہ قرآن جگہ جگہ عقل استعمال کرنے کے مشورے دیتا ہے۔ یہ عقل ہی ہے جس کی بنا پر
آخرت میں جنت اور جہنم کا فیصلہ ہوتا ہے ورنہ اگر آپ غور کریں تو دین اسلام میں نابالغ
بچے اور مجنوں پر کوئی گناہ نہیں۔ گناہگار صرف وہ جس کو عقل دی گئی تھی اور اس نے اس کا
استعمال کر کے ہدایت نہ پائی۔

عموماً لوگ سوال کرتے ہیں کہ اگر ماں باپ ہی حق پر نہ ہوں تو اولاد سیدھی راہ
کیسے چل سکتی ہے؟ ظاہر ہے جب تربیت کرنے والے نے تربیت ہی شرک کے خطوط پر
کی ہو تو اولاد بیچاری کیا کرے؟

اسلام میں اس کا بھی جواب موجود ہے کہ باپ کے گناہ پر بیٹا نہیں پکڑا
جائے گا نہ بیٹے کے گناہ پر باپ۔ ہر شخص چونکہ اپنی عقل لے کر پیدا ہوا لہٰذا اپنا حساب
دے گا۔ تربیت کی اہمیت اپنی جگہ مگر بنیاد اور پیمانہ ہمیشہ عقل ہی رہے گی۔ تربیت

جانوروں کی بھی کی جا سکتی ہے۔ اور ان کو کوئی مخصوص عمل کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے مگر انسان اور جانور میں بنیادی فرق عقل کا ہے۔

ایک بندر کو آپ ناچنے کی تربیت دے دیں تو وہ ساری زندگی ناچ ناچ کر آپ کو محظوظ کرتا رہے گا۔ مگر ایک انسان کو آپ بچپن ہی سے ناچنے کی تربیت دینا شروع کر دیں۔ وہ آپ کی دی ہوئی تربیت پہ لاشعوری طور پر بہت کم عرصہ چلے گا۔ شعور سے روشناس ہوتے ہی اس کے اندر یہ قوت فیصلہ پیدا ہو جائے گی کہ اب مزید مجھے یہ کام کرنا ہے یا نہیں۔ یعنی اب اگر وہ مزید یہ کام کرتا ہے تو اپنی مرضی سے کرے گا نا کہ کسی تربیت کے زیر اثر۔

قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ہم نے آدم علیہ السلام کو مختلف اشیاء کے نام سکھا دیے اور پھر فرشتوں کے سامنے ان کو پیش کر کے کہا کہ اب تم ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو۔ فرشتے بولے اے اللہ تو پاک ہے۔ ہم اس کے سوا کچھ علم نہیں رکھتے جو تو نے ہمیں عطا کیا۔

اس آیت کو سمجھنے میں مجھے کئی دن لگے۔ سوچ کا محور یہ تھا کہ جب اللہ نے آدم کو چیزوں کے نام بتا دیے تو فرشتوں کو بھی بتا دینے چاہیے تھے۔ تا کہ وہ بھی بتا دیتے۔ مقابلہ برابر کا ہو جاتا۔

بات سمجھ میں یہ آئی کہ انسانی فطرت میں اور دوسری مخلوقات کی فطرت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دوسری کئی مخلوقات انسان سے پہلے سے اس زمین سے روشناس ہیں۔ انسان کی پیدائش سے پہلے جنات بھی موجود تھے اور فرشتے بھی۔ مگر ان کے علم کی حد بس اتنی ہی تھی جتنا اللہ نے ان کو عطا کیا۔ مگر انسان کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ انسان تجسس کا مارا کبھی سمندر کی تہوں میں قدرت کی کاریگری کے نمونے دیکھتا ہے کبھی خلاؤں میں۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنا لیتا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز کی نقل بنانے پر کوشاں ہے۔ اور اللہ کی بنائی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ دیگر مخلوقات میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ فرشتوں کو اگر نام

بتائے بھی گئے ہوں گے تو انہوں نے صرف نام ہی بتائے ہوں گے۔ جب کہ
ان چیزوں کا پورا پورا تجزیہ نا نکال لیا ہوگا۔ انسانی عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی
کیا ہے کیسے ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو بھی کھوجتی ہے کہ یہ کیوں ہے؟ اور
انسان "کیوں" کے جواب کو کھوجنے نکلتا ہے تو اس کی تلاش اس کے خالق پر ختم ہوتی ہے۔
ہدایت اسی کو کہتے ہیں۔

ملحد اور مسلمان کی سوچ میں بھی اس "کیسے" اور "کیوں" کا ہی فرق ہے۔

مثلاً ہم کھانا کیسے کھاتے ہیں؟ بچہ کیسے پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ
کیسے پیتا ہے؟ اس علم میں تمام مخلوقات برابر ہیں۔ کیا جانور، کیا ملحد اور کیا مسلمان
مگر "کیوں" کی کھوج صرف مسلمانوں کا ہی وصف ہے۔

ہم کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ بچہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتی
میں دودھ کیوں تلاش کرتا ہے؟ ان سوالات کا تعلق خالصتاً مذہب سے ہے۔ کیوں کی
تلاش کا دوسرا سرا خدا کی ذات ہے۔

خدا کے انکار کی صورت میں کئی سوال حل طلب رہ جاتے ہیں۔

یہ کائنات کیسے وجود میں آئی؟

بگ بینگ ہوا تھا۔

بگ بینگ کیوں ہوا تھا؟

جواب ندارد

زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟

ارتقا کی پوری ٹوٹی پھوٹی داستان سن لیجیے۔

زندگی کی ابتدا کیوں ہوئی؟

جواب ندارد۔

پھلوں میں ذائقہ کیسے آیا؟

وٹامن کی وجہ سے۔

پھلوں میں ذائقہ کیوں آیا؟

جواب ندارد۔

سائنس صرف طریقۂ کار کی وضاحت کرتی ہے۔ وجوہات کا تعین کرنا سائنس کا دائرہ کار نہیں۔ یہ مذہب کا دائرہ کار ہے۔

عموماً الحاد میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ مذہبی لوگ جب کسی معاملے کو سمجھ نہیں پاتے تو اس کو خدا پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں جبکہ غیر مذہبی لوگوں کی جستجو ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر میرے الحاد سے ٹکراؤ کے بے شمار تجربوں کا نچوڑ یہ ہے کہ یہ بات اس دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ میں نے جب بھی کسی ملحد سے "کیوں" کا سوال اٹھایا ہے اسے بھاگتے ہی پایا ہے۔ بہت کم ملحد ایسے نکلے جنہوں نے جواب دینے کی ناکام کوششیں کیں۔ مگر حقیقی معنوں میں کسی بھی کام کے ہونے کی وجوہات کو تلاش کرنے کی کوشش نہ ملحد کرتے ہیں نہ سائنس دان۔ کیوں کہ عقل بتاتی ہے کہ یہ تلاش خدا پر ایمان پہ جا کر ختم ہوتی ہے۔

میں نے کئی مرتبہ ملحدوں سے یہ سوال پوچھا کہ پھلوں کے ذائقے مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ پھل اتنے لذیذ اور ذائقے دار کیوں ہوتے ہیں؟ کیا قدرتی انتخاب میں یہ ممکن نہ تھا کہ ہر پھل کا ذائقہ گندم جیسا ہی ہوتا؟ یا ذائقہ سرے سے ہوتا ہی نہ؟ ضرورت کیا تھی ذائقے کی؟ مجھے ایک خاتون ملحدہ کے سوا کسی نے جواب دینے کی کبھی کوشش ہی نہ کی۔ ان خاتون کا جواب بھی "کیسے" پر مبنی تھا۔ "کیوں" کا جواب وہ بھی نہ دے پائیں۔ جانوروں کے جسموں پہ بنے خوبصورت نقش و نگار۔ پھولوں کے رنگ ان کی خوشبو۔ کیا یہ سب زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا؟

فطری انتخاب لیجیے، بقائے اصلاح، صرف ضروریات کی وضاحت کی گئی ہے۔ بچپن میں ایسی کہانیاں سننے کو ملیں گی کہ جس چیز کی ضرورت پڑتی چلی گئی وہ خود بخود اگتی چلی

گئی اور جو چیز غیر ضروری تھی وہ ختم ہوتی چلی گئی۔ انسان کو بے وقوف بنانے کے لئے ...
کہ گیا کہ لذت اور ذائقہ کچھ نہیں سوائے ہمارے دماغ کی اختراع کے
عجیب نظریہ جس میں کبھی کچھ کہا جاتا ہے اور کبھی اسی بات کے متضاد ...
بات کر دی جاتی ہے۔

مثلاً گر سوال پوچھا جائے کہ ڈائنا سارز کیوں ختم ہو گئے؟

تو جواب ملتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے مطابقت نہ رکھ پائے اس لئے نابود ہو گئے
اب گر پوچھا جائے کہ اونٹ کے اندر صحرا میں پیش آنے والی مشکلات سے ...
خصوصی صلاحیتیں کس نے ڈالیں؟

تو جواب آتا ہے کہ چونکہ وہ صحرا میں پیدا ہوا لہٰذا اس ماحول میں زندہ رہنے
کے لئے از خود اس کے اندر یہ صلاحیتیں پیدا ہوتی چلی گئیں۔

یعنی ایک طرف ایک جانور جو ماحول سے مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے نابود ہو گیا
اور دوسری طرف ایک جانور جس نے ماحول سے مطابقت نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ
کو برقرار رکھا۔ بلکہ اس کے اندر خود بخود ایسے اعضاء پیدا ہو گئے کہ وہ صحرا میں زندہ رہ سکے۔

کیا کہئے اس کو کہ ایک جاندار فطری انتخاب کی بھینٹ چڑھ گیا اور دوسرا ...
اسی کا منظور نظر ٹھہرا؟

مجھے تو آج تک یہ بھی نہ سمجھ آیا کہ فطری انتخاب میں فطرت سے کون مراد ہے
انتخاب کے لفظ سے لگتا ہے کہ یہ کوئی رینڈم سلیکشن نہیں بلکہ سوچا سمجھا انتخاب تھا۔ کس
نے سوچا کہ اونٹ کو باقی رہنا چاہئے اور ڈائناسارز کو ناپید ہو جانا چاہئے؟

صرف ان دو جانوروں کی مثالوں سے کئی سوال جنم لیتے ہیں۔ مگر جواب ...
... کوئی نہیں۔ خدا کا انکار کرنے کا شوق ہے بس۔ چاہے اس کے نتیجے میں ذات اور ...
مقصد ہی بن جائے۔

کیوں کا سوال

ملحد کیسے اور کیوں کی سوچ کو بے مقصد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
ان کا ماننا ہے کہ سائنس کا کام صرف کیسے کی وضاحت کرنا ہے کیوں کے چکر میں پڑنا سائنس کا کام نہیں۔ یہ مذہب کا کام ہے اور بے مقصد ہے۔

یہی بات ایک سال پہلے میں نے بھی کہی تھی کہ سائنس صرف کیسے کی وضاحت کرتی ہے کیوں کی وضاحت کرنا سائنس کا دائرہ کار نہیں۔ یہ مذہب کا دائرہ کار ہے۔ ساتھ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کیوں کی تلاش خالق پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس کا ملحد انکار کرتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ کیوں کی بحث ایک بے مقصد اور لاحاصل بحث ہے۔ یہ وہی ملحد ہیں جو مذہبیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ سوال نہیں پوچھتے۔ اب پوچھو تو کہتے ہیں یہ سوچنا ہی بے مقصد ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے۔

پھر اپنی بات کو تقویت بخشنے کی خاطر انہوں نے ایک بھونڈی سی مثال بھی دی ہے:

"سائنس یہ تو بتا سکتی ہے کہ کن عوامل کے تحت گنگا اور جمنا ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں سے نکل کر بھارت کے درمیان سے ہوتے ہوئے بحر ہند میں جا گرتے ہیں مگر جب انکے دنیا کے بیچ درمیان سے گزرنے کا "مقصد" پوچھا جائے تو یہ سائنس کا سوال نہیں بنتا البتہ ایک ہندو پنڈت اس کا جواب یہ دے گا کہ اس کا مقصد لوگوں کو اشنان کر کے اپنی غلطیوں/گناہوں سے پاک صاف ہو کر دوبارہ پوتر ہونے کا موقع دینا ہے۔"

اب یہ احمقانہ سوال پوچھ کر "کیوں" سے متعلق میرے سوالات کو بے تکا ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ ایک دھوکا ہے۔

میں نے کبھی یہ سوال پوچھا ہی نہیں کہ فلاں دریا فلاں جگہ کیوں بہتا ہے یا فلاں جگہ کیوں نہیں بہتا۔

میرے "کیوں" سے متعلق سوال کل والی تحریر میں موجود ہیں۔

سائنس جو کہ عقل سے تعلق رکھتی ہے وہ میرے ایک ہی نوعیت کے پوچھے گئے سوالوں کے دو مختلف اور متضاد جواب کیسے دے سکتی ہے۔

ڈائنوسارز کیوں ناپید ہو گئے؟

کیوں کہ وہ ماحول سے مطابقت نہ کر پائے۔

اونٹ کیوں نہ ناپید ہوئے؟

کیوں کہ اونٹوں نے ماحول کی مطابقت سے اپنے اعضاء کو ڈھال لیا۔

او بھائی پھر ڈائنوسارز نے کیوں نہ اپنے آپ کو ماحول میں ڈھال لیا؟

اونٹ صحرا کا جانور ہے جس کو کئی کئی روز بغیر غذا اور پانی کے سفر کرنا پڑتا ہے قدرت نے اس میں ایسی صلاحیت پیدا کر دی کہ وہ اپنے کوہان میں غذا اور پانی کو اسٹور کر لیتا ہے۔

یہ قدرت کون ہے؟

یہ کوئی مادی قوت ہے جو خدا نہیں ہو سکتا۔

کیوں اس کے پیچھے خدا کیوں نہیں ہو سکتا؟

کیوں کہ ہم خدا کو نہیں مانتے۔

او بھائی فیر تسی اونٹ نوں وی نہ منو۔

اونٹ کو دیکھ کر آنکھیں بند نہیں کر سکتے اور انکار خدا کا کرنا بہت ضروری ہے؟

یہ کہاں سے متعلق کوئی ایک سوال تھوڑی ہے۔ نہ ہی ہر جانور اپنی پیٹھ پر کوہان

پہ گھوم رہا ہے۔ جتنی مخلوقات ہیں اس سے کئی گنا زیادہ سوال۔ ہر جانور ایک مختلف صلاحیت پہ گھوم رہا ہے۔

گرگٹ رنگ بدلتا ہے۔ یہ اس کے دفاعی نظام کا حصہ ہے۔ جس چیز پر وہ موجود ہوتا ہے اس کا رنگ اسی جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کے دشمن اسے دیکھ نہیں پاتے۔ گرگٹ کے رنگ بدلنے کا یہ نظام کسی انتہائی ذہین دماغ کی فنکاری ہے۔ مگر کس کی؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ گرگٹ اتنا ذہین جانور ہے کہ اس نے خود بخود اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی؟ یا یہ بھی قدرت کا کارنامہ ہے؟ اس کا مطلب قدرت اپنے پاس ایک بہت ذہین دماغ بھی رکھتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ہر جانور رنگ بدلتا ہے؟

نہیں۔

جتنے جانور اتنے ہی زیادہ دفاعی نظام۔ ایک سے بڑھ کر ایک نظام۔

دریا میں کی ایک مچھلی جس کا نام "ایل" رکھا گیا ہے وہ کسی بیرونی لمس پر اپنے جسم میں کرنٹ پیدا کرتی ہے۔ وہی کرنٹ جسے ایجاد کرنے میں انسان کو نہ جانے کتنے عرصے لگ گئے۔ وہ مچھلی اس کرنٹ کو پیدا کرنے کے لئے کوئی دماغ استعمال نہیں کرتی۔ یہ خودکار نظام ہے۔ آپ بس مچھلی کو چھو لیں وہ کرنٹ پیدا کرنا شروع کر دے گی۔ کرنٹ بھی تھوڑا بہت نہیں بلکہ ہلاکت خیز کرنٹ۔

سانپ کے منہ میں زہر ہوتا ہے جو دشمن کے خلاف بہترین ہتھیار ہے۔ یہ زہر سانپ میں کیسے آیا یہ سائنس کا موضوع ہے۔ مگر کیوں آیا؟ تاکہ وہ اپنا دفاع کر سکے۔ مگر وہ کون ہستی ہے جو ہر ایک مخلوق کو مختلف نوعیت کے دفاعی نظام کے ساتھ بنا رہی ہے؟ سانپ کے پاس تو اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے دفاع کے لئے ایسا کوئی نظام از خود پیدا کر لے۔ یقیناً کسی بیرونی قوت کا دخل ہے۔ مگر وہ قوت ہے

قدرت؟ ارتقاء؟ یا خدا؟

قدرت بقول ملحدین کے خودبخود کا ہی دوسرا نام ہے۔

اگر یہ سارے دفاعی نظام خودبخود پیدا ہوئے ہوتے تو ان میں یکسانیت ہوتی

مثلاً

سانپ میں بھی زہر ہوتا۔ گرگٹ میں بھی زہر ہوتا اور ایل میں بھی۔

یا

سانپ بھی رنگ بدلتا۔ گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

یا

سانپ بھی کرنٹ مارتا، گرگٹ بھی اور ایل بھی۔

سوچیے۔ سوچنے پر پیسے نہیں لگتے۔ دماغ ایسی چیز ہے کہ جتنا خرچ کریں گے زیادہ ہی بڑھے گا۔ اس کو سنبھال کر نہ رکھیں۔ جو دل بند ہو گیا تو دماغ بھی ساتھ ہی بند ہو جاتا ہے۔

○

اسلام اور الحاد۔ ایک موازنہ

کسی بھی چیز کی مارکیٹنگ کے لئے اس کا خوشنما و دلکش ہونا ضروری ہے۔ جتنی زیادہ وہ پراڈکٹ خوشنما اور دلکش ہوگی اتنی زیادہ تیزی سے پھیلے گی۔

"حضرت انس بن مالک رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جنت ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور جہنم نفسانی خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے" صحیح مسلم۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا۔

اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے کے لئے ہر وہ کام کرنا ضروری ہے جو انسانی نفس پہ بھاری ہوتا ہے۔ جیسے نماز پڑھنا۔ روزہ رکھنا۔ ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنا اور جہنم میں جانے کے لئے نفس کی پیروی کافی ہے۔ جو دل چاہے کرتے پھرو۔ اس اعتبار سے دین اسلام کو ایک فلاپ شو ثابت ہونا چاہیے تھا۔ مگر یہ کئی عرصے میں دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بن گیا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ الحاد بہت تیزی سے پھیل رہا ہے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان میں نہ تو الحاد کا کوئی حال ہے نہ مستقبل۔ الحاد کے پھیلنے کا حلقہ احباب آج بھی وہی طبقہ ہے جو دین میں رہتے ہوئے دین سے متنفر تھا۔ اپنی مرضی سے جینے کا خواہشمند تھا۔ جن ممالک میں لوگ دینی معمولات میں دلچسپی نہیں لیتے ان ممالک میں الحاد کے پھیلاؤ کی رفتار سب سے تیز ہے۔

الحاد اصل میں ہے کیا؟ محض نفس کی پیروی۔ یعنی جو دل چاہے وہ کرو۔ چاہے اس

کے موقع پر بھی کی اثرات مرتب ہوتے ہیں [illegible]
رہے ہوتے ہیں کسی کی بیوی کے [illegible]
سے بچانے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔

اسلام انسان کو پابند بناتا ہے جب کہ الحاد انسان کو آزاد بناتا ہے۔

مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ جس شخص کی الحادی تعلیمات تھی اسے تو دنیا میں پانچوں ہاتھ میں جا پہنچے تھی"

اسلام میں شراب پینے پر پابندی ہے کیونکہ یہ نہ صرف انسان کی اپنی صحت کے لیے مضر ہے بلکہ آس پاس کے لوگوں کو بھی مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ مگر الحاد میں پابندی سے آزاد ہے۔ شراب پیئیں۔ جوا کھیلیں۔ زنا کریں۔ جو دل چاہے وہ کریں۔ یہ زندگی نشے کی [illegible]۔ اس کی [illegible] اور نقصان پہنچتا ہے تو پہنچتا رہے۔ الحاد کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل نہیں۔

اسلام آپ کو پابند بناتا ہے کہ صبح سورج نکلنے سے کچھ پہلے اٹھ کر نماز پڑھا جائے رب کو یاد کرو۔ دوپہر ہو تو دوبارہ وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھو۔ پھر سہ پہر کو نماز۔ پھر غروب آفتاب اور پھر رات کو سوتے وقت۔

مگر الحاد میں ایسی کوئی پابندی نہیں۔ جب تک دل چاہے رات جاگتے رہو۔ جب دل چاہے سو جاؤ اور پھر جب دل چاہے سو کر اٹھو۔ نہ وضو کی پابندی نہ غسل کی۔

اسلام میں اتنی پابندی اور الحاد میں اتنی سہولت کے باوجود سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب آج بھی اسلام ہے۔

اسلام میں تو عورتوں کو پردے کا حکم ہے اور مرد کو نگاہ نیچی رکھنے کا۔ اسلام آپ کو ایک عورت تک محدود رکھتا ہے۔

جبکہ الحاد میں ہر طرح آزادی۔ جس کو مرضی دیکھو جیسے مرضی دیکھو۔ پردے کو یا چادر کی بھی کوئی شرط نہیں۔ [illegible] سے وٹامن ڈی حاصل ہوتا ہے۔ (وٹامن ڈی)

تو موت کے لیے آئے تحریر پڑھتے ہیں [illegible] ہیں وہاں شادی کا کوئی بندھن نہیں جتنی مرضی عورتوں سے تعلقات قائم کرو۔

مگر ان تمام پابندیوں کے باوجود آج دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔

دہریوں میں موت کے بعد زندگی کا کوئی تصور نہیں۔ جو مرضی کرو۔ جب مٹی میں مل گئے تو کیا حساب۔ ڈاکے ڈالو۔ چوری کرو۔ قتل و غارت۔ غرض دوسروں کی زندگی برباد کر کے اپنی زندگی اچھی کر لینا اس وقت تک کوئی جرم نہیں جب تک آپ پکڑے نہیں جاتے۔ اور اگر پکڑے گئے تو اس بات کے قوی امکانات موجود ہیں کہ آپ دولت کے ذریعے قانون خرید لو اور باعزت بری ہو جاؤ۔

مگر اسلام میں انسان کے پاس ایک نظریہ حیات ہے۔

قرآن پاک کی سورۃ الزلزال۔ آیت نمبر 7 اور 8 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾

"تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۸"

دنیا میں تو قانون کا ڈر اپنی جگہ مگر آخرت میں بھی سزا کا ڈر ہے۔ آپ جتنے مرضی طاقتور ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتے۔ جب حساب ہوگا تو بادشاہ کا بھی ہوگا اور فقیر کا بھی۔

اسلام میں ایک نظام ہے زکوٰۃ کا نظام۔ جس شخص کا مال ایک مخصوص حد سے زیادہ ہوگا وہ اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا پابند ہوگا۔ اس ٹیکس کا اطلاق غریب آدمی پر کسی صورت نہیں ہوتا۔ بلکہ غریب آدمی یہاں ٹیکس لینے والوں میں سے ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں یہ دنیا کے تمام ٹیکسوں میں واحد ٹیکس ہے جس کو وصول کرنے والا غریب

جب کسی چیز کی مارکیٹنگ کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اسے ... مفت میں حاصل کیا جائے۔ مگر اسلام میں مروجہ زکوٰۃ کا نظام امراء سے لے کر ... کوئی شخص غریب حالانکہ غریبوں کی مدد کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس سے ... معاشرے کا ... بات خود اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ زکوٰۃ کے نظام کا مقصد یہ ہے کہ غریب بے روزگار ... کو امیر آدمی کی مجبوری سے باہر نکال کر معیشت کو بہتر بنانا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

سورہ التوبہ آیت نمبر 24

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (۳۴)

"مومنو! (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور (ان کو) راہ خدا سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ ان کو اس دن عذاب الیم کی خبر سنا دو ۳۴"

زکوٰۃ کے نظام میں جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مساوی رقم ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے وہ اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینے کا پابند ہوگا۔ اور یہاں حکم نفل یا سنت کا نہیں بلکہ براہ راست فرض کا ہے۔ یعنی جو یہ نہ کرے وہ سخت گناہگار ہوگا۔

میں دنیا میں رائج انسانی ہاتھوں کے تیار کردہ ٹیکس کے نظام کو دیکھتا ہوں اور ان کا موازنہ زکوٰۃ کے نظام سے کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ ہر ٹیکس کے نظام میں غریب ... کی روٹی ... سے حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں ...

۔ زکوٰۃ کے نظام میں ہمیں ایسا کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس سے بچ نکلنا ممکن نہیں سوائے اس
کے کہ آپ اس کی ادائیگی سے انکار کر دیں۔ کوئی اسے چیلنج بھی عدالت میں نہیں کر سکتا۔ پیسہ
تجوری میں ہو یا بینک میں، ہزار روپے ماہانہ ہو یا اس سے زیادہ، جو کچھ بھی ہے وہ اسی سے بچا
ہے جو آپ کے نام پر کچھ بھی نہیں۔ زکوٰۃ کا اطلاق آمدنی پر نہیں بلکہ جمع شدہ مال پر ہے۔
جب وہ جمع شدہ مال آپ کا ہے تو آپ نے بچا رکھا ہے۔ ہاں البتہ آپ کسی کو دے دیں تو پورے
سال کی زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ جس کے پاس سے نکلے گا وہی زکوٰۃ دے گا۔ زکوٰۃ
صرف طور پر آپ کے اس مال کو ٹارگٹ کرتی ہے جسے آپ نے الگ کر رکھا ہے۔ روک رکھا ہے،
سے الگ کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر اگر آپ کے پاس ساڑھے سات تولے سونا موجود ہے تو آپ دو
میں سے ایک کام کر سکتے ہیں۔

یا تو اس کو تجوری میں چھپا لیں اور ہر سال اس پر زکوٰۃ دیتے رہیں۔ یا اس کو کسی
کاروبار میں شامل کر دیں۔

جو کچھ مجھے سمجھ آیا وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کے پورے نظام کا مقصد زکوٰۃ کی وصولی
سے زیادہ مال کو تجوریوں سے باہر نکلوا کر مارکیٹوں میں لانا ہے۔ کیوں کہ دوسری صورت
یہ وہ مقصد نظر آتی ہے۔

ذرا کیلکولیٹ کریں تو آج کے حساب سے ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت
ساڑھے تین لاکھ کے آس پاس بنتی ہے اور اس پر سال بھر بعد جو زکوٰۃ بنتی ہے وہ
دس ہزار کے آس پاس ہے۔ یہ نو ہزار روپے زکوٰۃ کے نام پر کسی مستحق کو دینے میں لینے والے کا
فائدہ اتنا ہی ہے جتنا دینے والے کا نقصان ہے۔ اس کا مال ہر گزرتے سال تھوڑا تھوڑا کر کے
کم ہوتا چلا جائے گا۔ (واضح رہے یہ میں ایک کاروباری شخص کی سوچ بتا رہا ہوں ورنہ
زکوٰۃ تو باعث برکت ہے اور اس سے مال کم نہیں ہوتا)۔ جو شخص کاروباری ہوگا وہ یقیناً
ہر سال کم کروانے سے بہتر یہ خیال کرے گا کہ اس ساڑھے تین لاکھ کو مارکیٹ

میں دب رہا ہے تاکہ یہ بجائے کم ہونے کے بڑھنا شروع ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے معیشت کی ترقی کے لئے اس کو ہزار سے کہیں زیادہ فائدہ مند ثابت ہوگا۔

جس شخص کے پاس ایک سے زائد مکان ہیں اس کے اضافی مکان پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔ مگر اس میں کچھ مستثنیات ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے۔

اگر وہ شخص ایک مکان میں خود رہتا ہے اور دوسرے کو خالی چھوڑ دیتا ہے تو مکان کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ لیکن اگر وہ اسی مکان کو کسی کو معاوضے پر رہنے کے لئے دے دیتا ہے تو اس پر وصول کردہ معاوضے کے حساب سے زکوٰۃ ہوتی ہے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلی صورت میں اگر مکان کی قیمت ایک کروڑ ہے تو زکوٰۃ کی رقم ہر سال ڈھائی لاکھ دینا پڑے گی۔ دوسری صورت میں معاوضہ اگر ایک لاکھ روپے سالانہ طے ہوا ہے تو زکوٰۃ ڈھائی لاکھ سے گھٹ کر ڈھائی ہزار آ جائے گی۔ یقیناً جو شخص صاحب مکان ہے وہ مکان کو خالی چھوڑنے کے بجائے کرائے پر رکھنے کو ترجیح دے گا۔ جس سے مارکیٹ میں کرائے کے مکانوں میں زیادتی ہوگی اور نتیجۃً کرائے میں کمی واقع ہوگی۔

زراعت کے شعبے میں فصل کٹائی پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے۔ اس پر سال پورا ہونے کی شرط نہیں۔ جیسے ہی فصل تیار ہوگی اور اس کی کٹائی ہوگی اسی وقت زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

اس میں بھی کئی باتیں انتہائی غور طلب ہیں۔

۵۔ وہ زمین جو زراعت کے لئے ہے مگر خالی پڑی ہے اور اس پر کاشت نہیں ہو رہی تو ایسی زمین پر زمین کی قیمت کے حساب سے زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ مگر اسی زمین پر اگر کاشت کر لیجیے تو اسی پیداوار کا کچھ حصہ آپ کو زکوٰۃ میں دینا پڑے گا جو آپ نے زمین پر اگائی ہے اور آپ اصل زمین پر زکوٰۃ دینے سے بچ جائیں گے۔ یعنی اگر آپ کاشت نہیں کرتے تو ہر سال آپ کی زمین پر جو زکوٰۃ کٹ رہی ہے وہ آپ کی جمع شدہ

کمی سے سب ہوتی چلی جارہی ہے۔ مگر اگر آپ اس زمین پر گندم کاشت کرلیں تو زکات
ہماری گندم کا کچھ حصہ دیا جائے گا اور اصل زمین وقت کی وقت رہے گی۔

زکات کی ان شرائط پر اگر گہرائی میں جاکر غور کیا جائے تو اس دنیا میں مہنگائی کے بڑھنے کی جو سب سے بڑی وجہ ہے وہ یہی ہے کہ کچھ سرمایہ کار محض قیمتوں میں اضافے کی غرض سے اپنی زمینیں خالی چھوڑ دیتے ہیں اور ان پر کاشت نہیں کرتے۔ جس سے خوردو نوش کی اشیاء کی مصنوعی قلت پیدا کردی جاتی ہے اور پھر من چاہے دام وصول کیے جاتے ہیں۔

جیسے جیسے انسان زکات کے نظام کو پڑھتا چلا جاتا ہے اسے دین اسلام کی حقانیت کا یقین آتا چلا جاتا ہے کہ اتنا زبردست نظام کسی انسان کے دماغ کی اختراع نہیں ہو سکتی۔

بنیادی طور پر جو زکات کے نظام کا اصول ہے وہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر اصل چیز پہ زکات نہ دینا چاہیں تو اس کو مارکیٹ میں لے کر آئیں۔ اس سے مزید مال کمائیں اور اس کمائے ہوئے مال پر زکات دیں دیں۔ اصل محفوظ رہے گا۔ دوسری صورت میں اصل آہستہ آہستہ خرچ ہوتا رہے گا۔

الحاج: تو کیا پوری دنیا میں اس کے متوازی کوئی نظام نہیں۔

○

اسلام اور دیگر مذاہب

یہ دو سوالات ہیں کہ اسلام اور دیگر مذاہب میں کیا فرق ہے اور وہ کون سی خوبی ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔

پہلے تو دین میں اور مذہب میں فرق سمجھ لیں۔

دین وہ ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لیے اتارا گیا ہو۔

مذاہب وہ ہیں جنہیں انسانوں نے رائج کیا۔

اس اعتبار سے اسلام دین ہے۔

اب اس فرق کو سمجھ لیتے ہیں کہ جو دین اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہو اس کے مقابلے میں مذاہب کہاں کھڑے ہیں۔

دین اسلام ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے جس میں انسان کی زندگی کے کسی گوشے کو بغیر رہنمائی کے چھوڑا نہیں گیا۔ پھر اس بات کا بھی خالق کائنات کی طرف سے خصوصی خیال رکھا گیا ہے کہ جس دور میں انسان کو جس قسم کے احکامات کی ضرورت رہی ہے اسی طرح کے احکامات دیے گئے ہیں۔

سب سے پہلے تو ایک اصول کو سمجھ لیں کہ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا نظام کامیابی حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس نظام کو ماننے والے اور اس نظام کو بنانے والے کے مفادات سانجھے ہوں۔ کیوں کہ اگر مفادات سانجھے ہوں گے تو بنانے والا اس میں اپنے ذاتی مفادات کا خصوصی خیال رکھے گا۔ مگر یہی کام اگر خالق حقیقی کی طرف سے

جب ہم تو اس تفریق کے بغیر کیا جائے گا کہ کس کا ظاہری فائدہ زیادہ ہے اور کس کا کم۔ بلکہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ جو قوانین بنائے جائیں ان سے تمام انسانیت ایک جیسی مستفید ہو۔ کسی پر کوئی ظلم نہ ہو زیادتی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر قوم پر انبیاء کرام بھیجے۔ جنھوں نے اللہ کا خالص پیغام کسی بھی ذاتی فائدے سے بالاتر ہو کر لوگوں تک پہنچایا۔ مگر بعد کے لوگوں نے دنیاوی وحشت کے تلے دب کر ان ادیان میں من چاہی تبدیلیاں کیں۔ خود بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی، داؤد علیہ السلام پر زبور نازل کی، عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل کی اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا۔

پچھلی تین کتابوں میں ان کی امتوں نے اپنی من چاہی تبدیلیاں کیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اب وہ کتابیں زمانے سے ہم آہنگ ہونے کے قابل نہیں رہیں۔ ان میں غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے اور وہ غلطیاں مزید تبدیلیوں کا جواز فراہم کرتی ہیں۔

اس کے برعکس آخری نازل کردہ کتاب قرآن میں آج تک کسی قسم کی کسی تبدیلی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ کتاب جتنی خالص آج سے چودہ سو سال پہلے اپنے نزول کے وقت تھی اتنی ہی آج بھی ہے۔

اس کے خالص ہونے کی بنیادی وجہ قرآن ہی میں کیا گیا اللہ کا وہ وعدہ ہے کہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾

"بے شک ہم نے اسے نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (سورۃ الحجر)

اس آیت سے لوگ ایک سوال یہ بھی اٹھاتے ہیں کہ کیا پچھلی کتابیں کسی اور نے نازل کی تھیں؟ کیا ان کی حفاظت اللہ کی ذمہ داری نہ تھی؟ وہ کیوں بدل گئیں؟

اس کا جواب بڑا سادہ ہے۔ اس اصول کو سمجھ لیں کہ دین اسلام [illegible]
سے نہیں ہوا بلکہ تکمیل قرآن پر ہوئی ہے۔ اس سے پہلے جتنے بھی سماوی [illegible]
وہ بے شک اللہ ہی کی طرف سے تھے۔ مگر ان میں کئی قوانین ایسے تھے جو [illegible]
ضرورت کے تحت تھے۔ جن کو وقت کے ساتھ ساتھ خود اللہ نے ہی بدلنا تھا۔ [illegible]
حفاظت کا ذمہ امتوں کو ہی سونپ دیا گیا۔ اطمینان بخش صورت حال یہ بھی تھی کہ [illegible]
قسم کی تبدیلیوں کی صورت میں اصلاح کی گنجائش اگلے آنے والے انبیاء [illegible]
موجود تھی۔ پھر وہ کتابیں نازل بھی ان ادوار میں ہوئیں جس دور میں لکھے [illegible]
بحفاظت رکھنے کا کوئی طریقہ انسان کے پاس موجود نہ تھا سوائے اس کے کہ [illegible]
حافظے پر کیا جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امتیں ان کتابوں کی حفاظت نہ کر پائیں۔

قرآن کا معاملہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ قرآن ایک ایسے دور میں [illegible]
جب انسان لکھی ہوئی چیزوں کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت حاصل کر چکا تھا۔ [illegible]
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر حفظ کی ترغیب دلائی۔ آج اگر کسی [illegible]
تمام لکھا ہوا مواد انسانی ہاتھوں سے ضائع ہو جائے تو قرآن دنیا کی وہ واحد کتاب [illegible]
حفاظ کے بل پر فوری طور پر دوبارہ مرتب ہو جائے گی۔

قرآن کی حفاظت کے کئی معیار اللہ کی طرف سے ہی مقرر کیے گئے [illegible]
اس کی صرف یہ ہے کہ اب مزید کسی نبی نے نہیں آنا۔ اب یہ مسلم امہ کی ذمہ [illegible]
نبیوں کی ذمہ داری کو انجام دے۔

اسلام کے جو قوانین ہیں ان پر اگر غور کیا جائے تو وہ انسانی ساخت [illegible]
ہم تمام اسلامی قوانین جو قرآن و حدیث سے ہمیں ملے ہیں کو عقل معیار پر [illegible]
ہوتا ہے کہ یہ قوانین تمام دنیا کے سارے دانشور مل کر بھی تخلیق نہیں کر سکتے تھے۔

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ قرآن میں یہ اعلان فرماتے ہیں کہ

فَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾

"اور اگر تم کو اس (کتاب) میں، جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ۲۳ لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ۲۴"

یہ وہ چیلنج ہے جسے قبول کرنے کی آج تک کسی عربی دان نے ہمت نہ کی۔ مگر ہم مسکین جیسے بھارتی جن کو اپنی زبان ٹھیک سے بولنی نہیں آتی، انگریزی بولتے ہیں تو انگریز خودکشی کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں کہ ایسی انگریزی سننے سے پہلے ہم مر کیوں نہ گئے آج کل قرآن کے مقابلے پر عربی سورتیں بنانے میں مصروف ہیں۔ سبحان اللہ

پھر اس میں کمزور عربی جس کی ٹکے جتنی وقعت نہیں ہے اس کو یوٹیوب پر اپ لوڈ کر کے کہتے ہیں لو ہم نے چیلنج پورا کر دیا۔ ان عقل کے اندھوں کو کوئی سمجھائے کہ ایسی عربی شاعری عرب میں روز لکھی جاتی ہے روز بھلا دی جاتی ہے۔ جو بھلایا نہ جا سکے اسے کہتے ہیں قرآن۔

یہ ایک دو سورتیں لکھ کر اچھل رہے ہیں جبکہ آج سے سترہ یا اٹھارہ سال پہلے 1999 میں ایک صاحب نے ایک سو چودہ سورتوں کی نقل تیار کر کے اس کا نام الفرقان رکھا اور سینہ ٹھوک کر مارکیٹ میں اس کی تشہیر شروع کر دی۔

آج کہاں ہے؟

چند سالوں میں داستان مٹ گئی۔ آج نہ اس مصنف کا کوئی نام لیوا ہے نہ اس کتاب کا۔

اصل چیلنج یہ نہیں ہے کہ آپ عربی میں نثر کی تین چھوٹی سورتیں بنا کر
کے مقابلے میں پیش کر دو۔ بلکہ اصل چیلنج یہ ہے کہ ایسے پانچ سو صفحے کی کتاب لکھ دو جو
مکمل ضابطۂ زندگی ہے جو قرآن کی طرح کا ہے۔

چودہ سو سال نہ سہی چودہ سال تو چلے۔ یہاں تو سال بھر میں ترمیم کرنی پڑتی
ہے۔

قرآن میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ کوئی ایک علم نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں
علوم کا ایک مجموعہ ہے جو کسی ایک شخص کی ذاتی کاوش سے ممکن ہی نہیں۔

صلاۃ کا نظام پڑھ لیں تو اس کے اسرار و رموز انسان کو حیران کر دینے کے لیے
کافی ہیں۔ مسلمانوں کی ایک اجتماعی عبادت جس کو کئی کافر ملکوں میں بطور مثال دیا جاتا
ہے کہ ہمیں ایسے نظم و ضبط کی ضرورت ہے۔

زکوٰۃ کے نظام کو سمجھ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس نظام کو پوری دیانت سے چند
سال کے لیے نافذ کر دیجیے اور غربت ایسے ختم ہو جائے گی جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔

قصاص و دیت کا نظام عمل بکھرا ہے میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جن کے
عدل و انصاف کی ایک مثال بنا دیتا ہے۔

حکومت کیسے کرنی ہے؟ سیاست کیسے کرنی ہے؟ اخلاقیات کیا ہیں؟ زندگی کیسے
گزارنی ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مرد کی شرم و حیا کیا ہے؟ عورت کی شرم و حیا کیا ہے۔
سائنس کا علم۔ فلسفے کا علم۔ معجزے کے حقائق۔ ایمانیات۔ بچے کے پیدا ہونے سے
موت تک کی حقیقتیں۔

اس کی ایک ایک آیت کا موضوع اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر پوری
کتاب لکھی جائے۔

انداز بیان ایسا کہ ایک ان پڑھ کسان بھی مستفید ہو اور ایک پڑھا لکھا
دانشور بھی انگلیاں دانتوں میں دبا لے۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ

"تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔"

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کو ایک کسان بہتر سمجھ سکتا ہے۔ مگر پڑھے لکھے مسلمان اس سے کیا مطالب اخذ کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ اغلام بازی اسلام میں ممنوع ہے کیوں کہ کھیتی میں بیج بونے کا مقصد فصل اگانا ہوتا ہے کچھ اور نہیں۔

۲۔ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہوگا یا لڑکی اس کا تعلق مرد سے ہے۔ یہ بات سائنس کو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی معلوم ہوئی۔ مگر اس آیت پر غور کریں تو یہی اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کھیتی میں بیج بویا جاتا ہے جس کے نتیجے میں کھیتی فصل دے دیتی ہے۔ مگر کس چیز کی فصل؟ اس کا کھیتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے جس کا بیج بویا جائے گا کھیتی وہی فصل دے گی۔

ذرا عقل سلیم استعمال کیجیے جو قرآن اتنی گہری بات انسان کو سمجھا دے اسے آپ کس کا کلام سمجھیں گے؟ خدا کا یا انسان کا؟

یہ میں نے صرف ایک آیت کی مختصری مثال دی ہے۔ قرآن اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ تک ایسی معجزاتی آیات سے بھرا پڑا ہے۔

دنیا کا کوئی مذہب اس مقابلے میں کسی بھی مقام پر نہیں ٹھہرا کہ یہ کہ تقابل کی جرأت کی جائے۔

○

اکثر ملحدین کی طرف سے پوچھے جانے والے سوالات

1۔ اگر رحیم اور رحمان اللہ موجود ہے تو وہ اپنے بندوں کو پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کیوں کرتا ہے۔ بعض بیماریوں کی وجہ سے بندے ہلاک بھی ہو جاتے ہیں؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ بلاشبہ منصف مزاج ہے مگر اللہ نے یہ دنیا ہر شخص کو خوشیاں بانٹنے کے لیے نہیں بنائی۔ یہ دنیا ایک آزمائش ہے۔ ایک امتحان گاہ ہے جس میں ہر آزمائش پر صبر جنت میں ایک پرسکون زندگی کا ضامن ہے۔ اس دنیا میں ہر کسی کو بادشاہت عطا نہیں کی گئی۔ نہ ہر شخص کو فقیر بنایا گیا۔ کسی کو بادشاہ بنا کر اس کی زہد آزمایا گیا اور کسی کو فقیر بنا کر اس کے صبر کو آزمایا گیا۔ یہ امتحان صرف عام انسانوں کے لیے نہیں ہے۔ انبیاء کو بھی اللہ نے آزمائش میں مبتلا کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام بہت عرصہ بیمار رہے۔ مگر انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اس دنیا کی آزمائش پر [illegible] لیں۔ ان شاء اللہ اس کے بعد جو زندگی ہے اس میں ہر شخص کو اس کے اعمال کی مناسبت سے ٹھکانہ عطا ہو گا۔ اس چند روزہ زندگی کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ یہاں تو اللہ کافروں کو بھی نواز دیتا ہے۔ اس زندگی کی فکر کریں جو ابدی ہے۔

2۔ رحمان اللہ کے ہوتے ہوئے غریب کے بچے بھوکے کیوں مرتے ہیں؟

اس کا مفصل جواب تو پہلے جواب میں ہی آ گیا۔ تھوڑا اضافہ اور کر دوں۔

جو اللہ تخلیق اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہو اس نے تو کسی کے؟

ہے سے ولی قدرت حق ہو غلق ہے نہ مرنے سے۔ پیدا کرنے والا بھی وہ۔ مارنے والا بھی وہ۔ اور مرے ہوئے کو دوبارہ زندہ کرنے والا بھی وہ۔ اس کا مقصد صرف آزمائش ہے۔ وہ۔ وہ جانتا ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں جو بھوکا مر گیا اسے دوبارہ زندہ کر کے ہمیشہ کی جنت عطا کر دینا اس کے لیے مشکل نہیں۔

اس کی ایک مثال ایک حدیث قدسی میں موجود ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے۔

اللہ کے سامنے ایک شخص لایا جائے گا جس کی زندگی انتہائی پر آسائش گزری ہو گی۔ اللہ تعالی اس سے پوچھیں گے بتاؤ کبھی کسی تکلیف کا منہ دیکھا؟ وہ جواب دے گا۔ تکلیف؟ کیسی تکلیف؟ میں نے انتہائی پر آسائش زندگی گزاری ہے۔ میں تکلیف سے واقف ہی نہیں۔

پھر اللہ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو جہنم کا ایک پھیرا لگوا کر لاؤ۔ فرشتے اس شخص کو جہنم کا ایک پھیرا لگوا کر لائیں گے۔ اللہ دوبارہ وہی سوالات پوچھے گا۔ مگر اس بار جواب مختلف ہوں گے۔ وہ شخص کہے گا۔ آسائش؟ کیسی آسائش؟ میں کسی آسائش سے واقف ہی نہیں۔

اسی طرح ایک اور شخص لایا جائے گا جس نے انتہائی تکلیف دہ زندگی گزاری ہو گی۔ اس سے اللہ پوچھے گا۔ بتاؤ دنیا میں زندگی کیسے گزری۔ وہ شخص کہے گا۔ بہت تکلیف میں گزاری۔

پھر اللہ تعالی فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کو جنت دکھا کر لاؤ۔ وہ شخص جنت کا صرف نظارہ کر کے ساری دنیاوی تکالیف بھول جائے گا۔

قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

سورہ التکویر آیت 8 اور 9

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

اور جب لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا ﴿٨﴾ کہ وہ کس گناہ

پہ ماری گئی؟"

یہاں سوال قاتل سے نہیں مقتول سے پوچھا جا رہا ہے۔ کیوں؟ اس کی وجہ اس کو ذلیل کرنا ہے کہ تم جس کو مارنے پر قدرت رکھتے ہو اسے اللہ دوبارہ نہ صرف زندہ کرنے پر قادر ہے بلکہ تمہارے روبرو کھڑا کر کے پوچھنے پر بھی قادر ہے۔ کیا یہ تھی تمہاری طاقت؟ کیا یہی تھی وہ بچی جسے تم زندہ دفن کر کے اپنے آپ کو طاقت ور سمجھ بیٹھے تھے؟ آج کہاں ہے تمہاری طاقت؟ بچی زندہ ہے۔ تمہارے سامنے کھڑی اپنے رب سے تمہاری شکایت کر رہی ہے۔ یہ ایک امتحان تھا جس میں تم فیل ہو چکے۔ اب ہمیشہ کی جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے۔

اس کی سادہ مثال یوں لیں کہ آپ کی نئے ماڈل کی ٹیوٹا کرولا کار کے دروازے میں کوئی ڈینٹ پڑ جائے تو آپ کو کتنا افسوس ہوتا ہے؟ مگر ٹیوٹا کمپنی پوری کار بھٹی میں ڈال کر گلا دے اور نئے سرے سے بنا کر کھڑی کر دے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔

3۔ اگر اللہ تعالیٰ بہت اچھا اور شیطان بہت برا تو شیطان کو پیدا کس نے کیا؟

جواب۔ اللہ کسی کو برا پیدا نہیں کرتا۔ اس کے عمل اس کو برا بناتے ہیں۔ پھر وہ باقی لوگوں کے لئے آزمائش کا سبب بن جاتا ہے۔ شیطان کو بطور ابلیس اللہ نے برا پیدا نہیں کیا۔ نہ ہی یہ فیصلہ اس پر زبردستی مسلط کیا گیا۔ اللہ کی نافرمانی کرنا۔ پھر اس پر غرور میں مبتلا ہو جانا۔ یہ اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اللہ کسی کے فیصلے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ مگر اللہ عالم الغیب ہے۔ اللہ کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کیا کرنے والا ہے۔ مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اس نے یہ فیصلہ کسی مقدر کی مجبوری میں کیا۔

4۔ وہ رحیم و کریم اللہ اپنے کچھ بندوں کو خوبصورت اور کچھ کو معذور اور بدصورت کیسے پیدا کرتا ہے جبکہ وہ سب بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے؟

جواب۔ اس کا جواب پہلے اور دوسرے جواب میں ہی آ چکا۔ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں ایک کو کمتر اور ایک کو برتر بنا کر دونوں کو آزمایا جاتا ہے۔ حقیقی زندگی اس کے بعد شروع ہونی ہے۔

۵۔ اگر ہر چیز اللہ نے پیدا کی ہے تو غربت افلاس، بیماریاں، نفرت، بدصورتی بھی کیا اللہ نے پیدا کی ہے؟

جواب۔ ان میں سے نفرت کا تعلق اللہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی اپنی سوچ سے ہے۔ اس کی مثال میں نے اوپر شیطان کی دی کہ کیا چیز مانع تھی کہ وہ آدم کو سجدہ نہ کر سکا؟ نفرت اور غروری تو تھا۔ باقی بیماری اور غربت وغیرہ کا تعلق اپنی غلطیوں سے بھی ہو سکتا ہے اور مقدر سے بھی۔ اس کی وجہ اوپر بیان ہو چکی۔ اس پر صبر کرنا چاہیے۔

۶۔ اگر تمام برائیوں کی جڑ نفس امارہ ہے تو نفس امارہ کو کس نے پیدا کیا؟

جواب۔ نفس کی جتنی بھی قسمیں ہیں بلاشبہ اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں۔ مگر انسان کو اپنے نفس پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت سے بھی نوازا ہے اور طریقے بھی بتائے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ دنیا میں کچھ لوگ انتہائی پرہیزگار ہوتے ہیں اور کچھ انتہائی گناہ گار؟ نفس تو ہر انسان کے ساتھ ہے۔ اگر ہر انسان ایک ہی طرح زندگی گزارتا تو آپ کا اعتراض بجا تھا۔ مگر جو نفس آپ کے ساتھ ہے وہی انبیاء کے ساتھ بھی تھا۔ اولیاء کے ساتھ بھی تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اعمال جدا جدا ہیں؟ نفس کو قابو میں کرنا ہی جنت کی ضمانت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ نفس بنایا ہی کیوں؟ نہ بنتا نفس تو برائی نہ ہوتی؟

بالکل ٹھیک بات ہے۔ مگر میں نے پہلے عرض کی کہ یہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے۔ یہاں اللہ آپ کو اختیار دے کر آزماتا ہے۔ اگر بالکل ہی بے اختیار بنانا مقصود ہوتا تو فرشتوں کے بعد مزید کسی مخلوق کو بنانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ فرشتوں کے پاس نفس نہیں ہوتا۔ مگر ان کے لئے جنت جیسا انعام بھی نہیں رکھا گیا۔ یہ انعام صرف آپ کے لئے ہے۔ اپنے نفس کو اپنے قابو میں کر لیں اور پا لیں انعام۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہمارے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور عقلوں پر تالے اور ہمارے کانوں، آنکھوں، اور زبانوں سے حق بات کہنے کی توفیق چھین لی ہے اور خود ہی عذاب دے گا یہ کیسا انصاف ہے؟

جواب۔ اس کا جواب اوپر شیطان کے موضوع میں آ چکا۔ اللہ کسی وجہ سے مگر غیب کا علم رکھتا ہے۔ جس انسان نے جیسی زندگی گزارنی ہے وہ اللہ جانتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس شخص کو بری زندگی پر مجبور کیا گیا۔ جو شخص خود اپنی مرضی سے اللہ سے دور جاتا ہے اس کے قلب پر ایک سیاہ نکتہ لگا دیا جاتا ہے۔ پھر مزید دور جانے پر مزید نکات۔ رفتہ رفتہ اس کا قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس کو کہتے ہیں دل پر مہر لگا دینا۔ مگر اس کا ذمہ دار کون ہے؟

اللہ یا آپ؟

آپ جب دل چاہے لوٹ آیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا کوئی بندہ اپنے گناہوں پر توبہ کر کے میری طرف لوٹتا ہے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے جیسے کسی شخص کا صحرا میں سامان سے لدا اونٹ گم ہو جائے اور پھر واپس مل جائے تو اس شخص کو خوشی ہوتی ہے۔ اس مثال کو اونٹ کی قیمت سے تیار مت کیجیے گا۔ صحرا میں سامان سے لدا اونٹ گم ہو جائے تو نقصان صرف اونٹ اور سامان کا نہیں ہوتا۔ بلکہ زندہ بچنے کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ صحرا میں بھوکا پیاسا بھٹکتا آدمی زندہ لوٹ آئے یہ ممکن نہیں۔

○

جنّت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں کہ:

"میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا۔ نہ کسی کان نے ان کے بارے میں سنا اور نہ ہی کسی دل میں ان کا خیال آیا۔"

انسان بنیادی طور پر تخلیقی صلاحیتوں سے محروم رکھا گیا ہے۔ انسان کی سمجھ کے دائرہ اختیار میں صرف وہی چیزیں آتی ہیں جن کا اس کے پاس مشاہدہ موجود ہے۔ جب وہ عالمِ ارواح میں ہوتا ہے تو عالمِ ارواح سے بڑی کسی چیز کا تصور نہیں کر پاتا۔ پھر جب وہ شکمِ مادر میں آتا ہے تو اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ پھر جب وہ اس دنیا میں آتا ہے تو کل کائنات اسی کو سمجھنے لگ جاتا ہے۔ قبر کی دنیا کیا ہے؟ اس کی حقیقی شکل کیا ہے؟ اس دنیا سے بڑی ہوگی یا اس سے چھوٹی؟ انساں اس وقت یہ باتیں سمجھنے سے قاصر ہے۔ پھر روزِ آخرت کا تصور۔ جنت اور جہنم۔

حدیث کے مطابق روزِ آخرت میں موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور ذبح کر دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب موت نہیں آئے گی۔ اب جو جنت میں گیا وہ ہمیشہ اسی میں رہے گا اور جو جہنم میں گیا وہ وہاں ہمیشہ رہے گا۔

جنت میں انسان کے سامنے پھل پیش کئے جائیں گے جن کو دیکھ کر وہ کہیں گے کہ ان سے ملتے جلتے پھل ہم دنیا میں بھی کھا چکے ہیں مگر جب وہ ان کو کھائیں گے تو دنیا کی

پھولوں کی نسبت اس پھل کو ترجیح دی جاتی ہے۔
رس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ [illegible]
قوت بھی دی گئی ہے کہ [illegible]
ہمیں کے دوران [illegible]
[illegible]
ایک خوشبودار پھلوں کی خوشبو سے [illegible]
ان کی ہر ایک قسم کی کوئی پہلے سے زیادہ حسین ہوتے [illegible]
ہر قسم پہلے سے زیادہ حسین ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ قرآن میں جا بجا جنت کے حصول کی ترغیب اور جہنم سے بچنے کی نصیحت کرتا ہے اور اس کے لئے جنت کی نعمتوں کا ذکر اور جہنم کے عذاب کا ذکر فرماتا ہے۔ یہ جس "جنت" کی بات ہو رہی ہے شاید یہ حقیقی نعمتوں اور عذاب کا ایک پہلو بھی نہ ہو۔ مگر چونکہ انسان بغیر مشاہدے کے کسی چیز کو سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا [illegible] نشانات کے مشاہدے میں رکھ دی گئیں۔

اگر اس دنیا میں پھل پیدا نہ کئے جاتے، شہد نہ ہوتا، دودھ نہ ہوتا [illegible] نہ ہوتی اور ان کے بغیر انسان سے جنت میں ایسی چیزوں کا وعدہ کیا جاتا تو انسان کی ان میں رغبت نہیں ڈالی جا سکتی تھی۔

عموماً تمام مسلمان [illegible] یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں بیان ہوا ہے وہ سب کچھ جنت میں ہے اور انسان جنت میں جا کر بس نئی تفریحات میں مشغول رہے گا، پھل کھائے گا، آرام کرے گا۔ اپنی بیوی سے محبت قائم کر لی اور بس۔ غلطی یہ کی کہ اس ایک طرز رہائش سے جنت کے طرز رہائش کو پرکھنے کی کوشش کی [illegible]
[illegible] کے معاملے میں بیوی کے ساتھ جنسی تعلق کو سب سے بڑی [illegible]
جاتا ہے [illegible] یہ تصور کیا جاتا ہے کہ جنت میں انسان بس یہی کام کرتا رہے گا

ممکن نہیں کہ دنیا میں جس جنسی لذت کو ہم سب سے بڑی لذت سمجھتے ہیں جنت کی باقی نعمتوں کے سامنے وہ کسی گنتی میں ہی نہ آتی ہو؟ یہ تو وہ لذت ہے جس کے بارے میں ہم سوچ سکتے ہیں سمجھ سکتے ہیں۔ مگر وہ کیا نعمتیں ہوں گی جن کو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کبھی کسی کان نے سنا، نہ کبھی کسی دل میں ان کا خیال آیا؟

اگر اس دنیا میں جنسی تعلق کی لذت نہ ہوتی تو کیا ہم اس کا کوئی تخیل قائم کر سکتے تھے؟ اگر کوئی ہم سے اندازہ لگانے کو بھی کہتا تو زیادہ سے زیادہ یہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ آم سے کچھ زیادہ لذت ہوتی ہوگی اور بس۔

عموماً اعتراض کیا جاتا ہے کہ جنت میں عورتوں کو کیا ملے گا؟ مردوں کے لئے تو حوریں، غلمان، خدمت گزار۔ عورتوں کو کیا ملے گا؟ اسے تو پھر ایک مرد کے تسلط میں دے دیا جائے گا۔

اس کا یک سطری جواب تو یہ بنتا ہے کہ جنت میں ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی چاہے مرد ہو چاہے عورت۔ اللہ کے اس وعدے کے بعد یہ اعتراض ہی بلا جواز ہے کہ عورتوں کو کیا ملے گا۔

مگر یہاں شرم و حیا کے تقاضوں کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ ہم اکثر اپنے بیٹوں کو شادی بیاہ کے معاملات پر چھیڑتے ہیں کہ شادی کر دیں تمہاری اب جوان ہو گئے ہو تم۔ یا فلاں لڑکی سے تمہاری شادی کر دیں۔ مگر ہم اپنی بیٹیوں کو ان معاملات پر نہیں چھیڑتے۔ کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ ہم بیٹیوں کی شادیاں ہی نہیں کرتے؟ بے شک ان کو بھی بیاہتے ہیں مگر حیا کے تقاضوں کے مصداق ان سے ذکر نہیں کرتے۔ اللہ بھی عورتوں کے معاملے میں حیادار ہے۔

پھر بنیادی بات تو یہ ہے کہ جو خواتین جنت میں جانے کی اہل ہوں ان کو اللہ کی منصف مزاجی پر بھی یقین ہونا چاہئے اور جو خواتین اپنے رب کی منصف مزاجی پر ہی شک کر رہی ہوں ان کو کیا لگے کہ جنتی عورتوں کو کیا ملے گا۔ ان کو یہ پوچھنا چاہئے کہ جہنم میں کون

کون سے عذابات ان کے لیے تیار ہیں۔

جنت میں انسان کی فکرِ معاش ختم کر دی جائے گی۔ کسی انسان کو اس بات کی فکر نہ ہوگی کہ وہ کمائے گا کہاں سے۔ کیوں کہ ہر وہ چیز جس کی خواہش اس کے دل میں ہوگی، پیش کر دی جائے گی۔ اب اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فکرِ معاش انسان کو مصروف رکھتی ہے۔ اگر انسان کو کمانے کی فکر نہ ہو تو وہ بور ہو جاتا ہے۔ لہٰذا کیا جنت میں انسان ایک ہی قسم کی مصروفیات سے اکتا نہیں جائے گا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ دنیا میں بھی انسان کی عمر کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جب اس پر کوئی فکرِ معاش نہیں ہوتی اور وہ ہوتا ہے اس کا بچپن۔ اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت حصہ جسے وہ عمر بھر تاحیات یاد کرتا رہتا ہے مگر وہ لوٹ کر نہیں آتا۔ جنت میں انسان کے ویسے ہی دن لوٹا دیے جائیں گے مگر نہ ختم ہونے والی جوانی کے ساتھ۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان کو مصروف فکرِ معاش نہیں رکھتی بلکہ اس کا کام سے بور نہیں ہونے رہتا۔ اس دنیا میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ اب کوئی کاروبار نہ بھی کریں تو ان کو فرق نہیں پڑتا مگر وہ بھی بور نہیں ہوتے۔ وہ اب کاروباری معاملات میں دلچسپی نہ بھی لیں تو کوئی دوسری مشغولیت ڈھونڈ لیتے ہیں۔

یہی معاملہ جنتیوں کے ساتھ بھی ممکن ہے۔ جو لوگ سائنسی تحقیق میں دلچسپی لیتے ہیں یا تاریخ سے بہت زیادہ شغف رکھتے ہیں ان کے جاننے کو اس دنیا میں موجود چیزیں ہی انہیں مصروف رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ سائنس سے متعلق صرف دنیاوی معاملات کا علم حاصل کرنے کے لیے اس جیسی ہزار عمریں کم پڑ سکتی ہیں تو کیا یہ کام جنت میں نہیں کیا جا سکتا۔ یا کوئی شخص انسان کی مکمل تاریخ جاننا چاہے تو جنت میں اس بات کی خواہش بھی کر سکتا ہے کہ اسے آدم علیہ السلام سے لے کر آخری بچے تک دنیا میں پیش آنے والے سارے معاملات دکھا دیے جائیں۔

یہ بھی میں اس امکان کے پیشِ نظر کہہ رہا ہوں جب ہمیں جنت میں صرف ا...

بھی ملے جس کا ہمیں علم دیا گیا ہے۔ اللہ نے ہمارے لئے جنت میں کیا سوچا ہے ہو سکتا ہے اس کو پالینے کے بعد ہمیں اس کی بھی حاجت نہ رہے۔

جو رب کائنات دنیا میں انسان کی دلچسپی کی اتنی چیزیں پیدا کر سکتا ہے کیا وہ اس بات پہ قادر نہیں کہ جنت میں انسان کی ہمیشگی کی زندگی کے لئے بھی ایسے انتظامات کر سکے۔

ذرا اس حدیث پہ غور تو کیجئے کہ ہر جمعے کو بازار لگا کرے گا جہاں ایک خوشبودار ہوا چلے گی اور وہ جس انسان کو چھوئے گی اس کے حسن میں اضافہ کرے گی۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ انسان کے حسن میں ہر جمعے کو اضافہ ہوگا۔ پھر اس کی بیویوں کے حسن میں بھی ہر جمعے اضافہ ہوگا جو مرد کی عورت میں اور عورت کی مرد میں دلچسپی کو برقرار رکھے گا۔

پھر جو بازار لگے گا وہاں ملے گا کیا؟ اگر ہر چیز جنتیوں کو دے دی گئی تو اب بازار کا کیا سوال؟ جواب یہ ہے کہ اللہ کی تخلیقات جاری رہیں گی اور انسان کی زیر استعمال چیزیں بدلتی رہیں گی۔ جیسے ہم کسی سافٹ ویئر کو اپ ڈیٹ کرتے ہیں تو اس میں کچھ نئے فنکشن آجاتے ہیں اسی طرح انسان کی زیر استعمال چیزیں بھی اپ ڈیٹ ہوتی رہیں گی اور وہ بور نہیں ہوگا۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ انسان کو تخلیقی صلاحیتوں سے نواز دیا جائے اور خود انسان تخلیقات کرے۔

آخر کوئی تو وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک ذہین ترین مخلوق تخلیق کرتا ہے پھر اس کو آزماتا ہے اور چھان پھٹک کر ان میں سے اپنے فرماں بردار بندے الگ کر لیتا ہے۔ ایسے بندے جو انتہائی تکلیف دہ زندگی گزارنے کے باوجود اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنا نہیں بھولتے۔ جن پر تنگی آتی ہے تو کہتے ہیں یہ ہماری خطاؤں کی وجہ سے ہے اور جب فراوانی آتی ہے تو کہتے ہیں یہ تو بس ہمارے رب کی عنایت ہے۔

○

حرام اور حلال

کچھ سوالات پوچھے گئے تھے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیا حضرت آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کا نکاح ہوا تھا؟ کیا یہ نکاح اللہ نے پڑھایا تھا؟

۲۔ کیا حضرت مریم علیہا السلام کا نکاح ہوا تھا؟

۳۔ ایک سوال اور بھی انٹرنیٹ پر موضوعِ بحث ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ اللہ نے پڑھائی تھی؟

۴۔ پہلی وحی کے نزول کے بعد وحی کا سلسلہ رک جانے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ پر جاتے اور اپنے آپ کو گرا دینے کا ارادہ کرتے مگر جبریل علیہ السلام روک دیتے؟

اس بات کی وضاحت میں ایک بار پہلے بھی کر چکا ہوں کہ دینِ اسلام میں گناہ ثواب کا تصور صرف اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ جس کام کو کرنے کا حکم اللہ یا اللہ کا رسول دے وہ فرض ہے اور جس کام سے اللہ یا اللہ کا رسول روک دے وہ حرام ہے۔

اس بات کی مثال اس بات سے لیجئے کہ شبِ معراج کے واقعے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ضیافت کی غرض سے دو گلاس رکھے گئے۔

ایک گلاس دودھ کا اور دوسرا شراب کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے

(۲۷) کہ یا رسول اللہ اگر آپ شراب کو پسند فرماتے تو آپ کی امت فتنے میں مبتلا ہو جاتی

یہاں مسلمانوں میں بھی یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ اگر معاذ اللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کی طرف ہاتھ بڑھا دیتے تو کسی حرام کام کے کرنے کے مرتکب ہو جاتے (معاذ اللہ)۔ حالانکہ جو بات جبریل علیہ السلام ارشاد فرما رہے ہیں وہ کسی اور طرف اشارہ کرتی ہے۔

دین اسلام میں اللہ اور رسول کا حکم فرض کا درجہ رکھتا ہے اور جو کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اختیار فرما لیں وہ سنت کا درجہ رکھتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شراب کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا اس کی حرمت کے سبب نہیں بلکہ حکمت کے سبب تھا ورنہ جو چیز اللہ کی طرف سے ہی ضیافت میں پیش کی گئی اس کو اختیار کرنے کا گناہ اللہ کیسے دے سکتا ہے؟ یعنی جو بات جبریل علیہ السلام نے فرمائی وہ اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب کو اختیار کرتے تو شراب کی حرمت کا حکم ہی نہ آتا۔ لیکن چونکہ وہ انسان کی دماغی اور جسمانی صحت کے لئے اچھی نہیں لہٰذا امت فتنے میں مبتلا ہو جاتی۔

اس کی ایک مثال حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے جنت والے واقعے میں بھی موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جب جنت میں داخل کیا گیا تو ان کو کہا گیا کہ کھاؤ پیو جہاں سے چاہو مگر اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

امت مسلمہ کے زیادہ تر مفسرین کے مطابق جس درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا وہ گندم تھی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گندم حرام ہے؟ جی نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ حرام اور حلال کی تمیز بتاتا کون ہے؟ صرف اور صرف اللہ۔ اگر اللہ کہے گندم حلال ہے تو حلال ہو گئی اور جب اللہ کہہ دے حرام تو حرام ہو گی۔ یہی معاملہ شراب اور تمام دوسری چیزوں کے ساتھ بھی ہے۔ ابلیس کو کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ کیا آدم کو سجدہ کرنا حلال ہے؟ جی نہیں۔ مگر اگر حرام اور حلال قرار دینے کا حق ہی اللہ کا ہے اور وہی کہہ رہا ہے کہ کرو تو

چونکہ حکم براہ راست اللہ کی طرف سے وہ اس وقت فرض تھا۔ فرشتے اس توجیہ سے واقف تھے
کسی حیل و حجت کے اور سجدے میں چلے گئے۔ ورنہ اللہ کی عبادت گزار مخلوق سے
تو پوچھا جا سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا کیسا عمل ہے؟ اللہ کا حکم مقدم ہو تو
فرض سے ہی تو کیا جاتا ہے اور اگر اللہ ہی کہے کہ آدم کو سجدہ کرو تو جس کا مقصد
خوشنودی ہے اسے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

یہی معاملہ صادق آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے آپ کا بدلہ
لینے کے ارادے پہ۔ جبرئیل علیہ السلام کا ان کو روک دینا اس سبب تھا کہ وحی
ہے۔ یہ اصول تو بعد میں طے ہوتا تھا۔ مقصود سبق تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی حکمتوں سے واقف تھے۔ جو وحی کے ذریعے بعد میں آگاہ ہے جہاں کا قتل
اس ضمن کا ایک سوال اور بھی ہے اس کا جواب ہو جائے پھر آگے
بات ہوگی۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ واقعہ نے پڑھائی تھی یا نہیں۔..
بھی نہیں۔

پہلے تو اس بات کو سمجھ لیجیے کہ نماز جنازہ ہے کیا؟

جب بھی کوئی مومن فوت ہو جاتا ہے تو اس کا حق ہوتا ہے کہ دوسرے مسلمان
جنازہ کے ذریعے اس کی مغفرت کی سفارش کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اس کے
شدہ گناہ معاف کر کے اسے جنت میں جگہ عطا فرمائے۔ اس پورے عمل کو نماز
جاتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) اللہ
؟ جی نہیں۔ ذرہ برابر بھی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام جن کو ہر مسلمان کی نماز جنازہ
خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
پڑھائی۔ بس کچھ مسلمان حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جاتے اور درود و سلام پڑھ
کر جاتے۔ پھر اور لوگ چلے جاتے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو تدفین کر دی گئی۔

وہ بھی ہو، جس نبی نے روزِ آخرت میں پوری امتِ مسلمہ کی سفارش محض اپنے اعمال کے بل بوتے پر کرنی ہے کس کی ہمت تھی جو اس کی نمازِ جنازہ کی امامت کے لیے کھڑا ہو کر اللہ سے ان کی مغفرت کی سفارش کرتا؟ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی نے یہ کام نہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نمازِ جنازہ واللہ نے پڑھائی؟ افسوس صد افسوس۔ اللہ جب پڑھائے گا نمازِ جنازہ؟ اللہ کس کو کہے گا کہ اس بندے کو بخش دے جب کہ بخشنے والی ذات خود اسی کی ہے؟ جو کام کیا ہی اللہ کی خوشنودی کے لئے جا رہا ہے وہ اللہ کس کی خوشنودی کے لئے کرے گا؟

اب آیئے نکاح کی طرف۔ یہ بات بالکل واضح ہو چکی کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے لہٰذا اب اس نکتے کو سمجھنا نہایت آسان ہے۔

کیا نکاح کسی ایسے ظرف کا نام ہے جس کے بیچ میں آجانے سے پیدا ہونے والے بچوں کے حرام یا حلال ہونے کا فیصلہ ہوگا؟ جی نہیں۔ یہ بھی اللہ کا ایک حکم ہی تو ہے۔

نکاح کا حکم صرف اس لئے دیا گیا ہے تاکہ مرد اپنے لئے کچھ عورتیں مخصوص کر لے اور جگہ جگہ منہ نہ مارتا پھرے۔ گواہان کی شرط اس لئے ہے کہ اس پر بعد میں زناکاری کا الزام نہ لگایا جا سکے۔ مگر جب اللہ نے صرف ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت کو پیدا کیا اور یہ بات طے شدہ ہے کہ روئے زمین پر ان کے سوا کوئی اور انسانی جوڑا موجود ہی نہیں تو نکاح کی ضرورت کیا تھی؟ اس معاملے میں مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو بات مسلمان پر فرض کی، وہ اللہ پر بھی فرض ہونی چاہیئے۔ اللہ پر کچھ فرض نہیں ہے۔ جو چاہے قانون بنائے، جب چاہے بنائے۔ جب چاہے ختم کر دے۔ آج زکات فرض ہے مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور آئے گا تو اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ زکات کی فرضیت ختم ہو جائے گی۔ اللہ کی مرضی۔ جب جس قانون کی ضرورت ہوگی بنایا جائے گا جب ضرورت نہ رہے گی تو ختم کر دیا جائے گا۔ یہی ہے بنیادی قانون۔ باقی تمام قوانین اس قانون کے تحت

آتے ہیں۔ آج بہن اور بھائی کا آپس میں نکاح حرام ہے مگر آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ پہلے سال پیدا ہونے والے لڑکا اور لڑکی کو دوسرے سال پیدا ہونے والی لڑکی اور لڑکے سے بیاہ دو۔ بعض مسلمان تاویلیں گھڑتے پھرتے ہیں کہ اس دور میں پہلے سال پیدا ہونے والے اور دوسرے سال پیدا ہونے والوں کے بہن بھائی نہیں ہوتے تھے۔ ضرورت ہی کیا ہے اس تاویل کی؟ اللہ کا حکم تھا اس لئے فرض تھا جب منع کر دیا گیا تو حرام ہو گیا۔ اللہ کی مرضی۔ کون ہے روکنے والا؟ بندر کی اولادوں سے نہ مومن ڈرتے ہیں نہ ان کا رب ان سے۔ اللہ ہی نے حق کہا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تمثیل اللہ نے قرآن میں پیش کر دی کہ جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے معجزاتی طریقے سے پیدا کیا گیا ویسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے معجزاتی طریقے سے پیدا فرمایا گیا۔ کون ہے اعتراض کرنے والا اللہ کی تخلیقات پر؟ ڈارون آج تک میرے ایک سوال کا جواب نہ دے پائے کہ ایک قطرہ مادہ منویہ تو بطن مادر میں پرورش پا کر بچے جیسے انسان میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے وہ اعتراض کریں گے؟ ہرگز نہیں۔

خدا کے نشان

فرض کریں ایک بہت بڑے صحرا کے بیچوں بیچ دو انسان موجود ہیں۔ ایک مومن اور دوسرا ملحد۔ ان دونوں کو صحرا میں کسی تیسرے وجود کے قدموں کے نشان ملتے ہیں۔

مومن کہتا ہے کہ ہم دونوں کے سوا بھی کوئی تیسرا وجود اس صحرا میں موجود ہے جس کا ثبوت یہ قدموں کے نشان ہیں۔ مگر ملحد اس بات کا انکار کر دیتا ہے یہ کہہ کر کہ یہ کسی تیسرے وجود کے قدموں کے نشان نہیں ہیں۔

ملحد کا جب یہ دعویٰ ہے کہ کوئی تیسرا موجود نہیں ہے تو اس دعوے کے لیے اس کو تین باتوں کی وضاحت کرنی پڑے گی۔

یا تو وہ ہوتے ہوئے بھی دیکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر کے کہہ دے کہ مجھے نشان نظر نہیں آئے لہٰذا کوئی تیسرا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کو ڈھٹائی کہتے ہیں۔

یا پھر وہ ان قدموں کے نشانوں کی کوئی ایسی سائنسی توجیہ پیش کر دے جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ قدموں کے نشان سائنسی طور پر بھی بن سکتے ہیں۔

یا پھر وہ پورے صحرا کی خاک چھان لے۔ ایک ایک کونے ایک ایک چپے کی تلاش کرے اور واپس آ کر مومن کے سامنے ثبوت رکھ دے کہ دیکھو میں نے پورا صحرا چھان مارا، ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا وجود مجھے نہیں ملا۔

مومن کو اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے کچھ زیادہ کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ قدموں کے نشان جب تک موجود ہیں اس کا یقین پختہ ہے اس کا دعویٰ منطقی ہے۔

دیکھی کوئی ثبوت نہ ہے وجہ تو کچھ نہیں۔ مگر کا مسئلہ خراب ہے۔ قدموں کے نشان جیسا نہیں ہوتا اور قدموں کے نشانوں کی کوئی دوسری وضاحت اس کے پاس موجود نہ وضاحت مل جائے تو اور بات۔ ورنہ قدموں کے نشان کی جب تک کوئی دوسری وضاحت کرنے جوگا نہ ہو جائے اسے اس وقت تک یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس جزیرے کے سوا کسی بشر کے وجود کی موجودگی کے ثبوت پائے جاتے ہیں۔

یہی معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ کائنات کی ہر چیز کی تخلیق میں خدا کے نشان موجود ہیں جن کا مشاہدہ فی الوقت سائنس کے لیے ناممکن ہے۔ جھٹلانے والا وضاحت ہو تو لا طرح ورنہ سائنس منطق اور دلیل کے مطابق جب تک ان نشانوں کی کوئی دوسری وضاحت سامنے نہ آ جائے اس وقت تک خدا کو تسلیم کرنا ذہن کی تقاضا ہی نہیں بلکہ انسان کی مجبوری بھی ہے۔

خدا کو ثابت کرنے کے لیے خدا کو مادی حالت میں پیش کرنا ضروری بھی نہیں ہے اور ممکن بھی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ ہم مخلوق ہیں اور وہ خدا۔

اس کی مثال کشش ثقل سے لے لیجیے۔ کیا سائنس کشش ثقل کو مانتی ہے؟ جواب ہے جی ہاں۔ بالکل مانتی ہے۔ تو کیا سائنس کشش ثقل کو مادی حالت میں پیش کر سکتی ہے؟ تو جواب ہے جی نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔ سائنس صرف منطقی طور پر آپ کی عقل کو یہ بات باور کروا سکتی ہے کہ سیب اور ہر چیز چونکہ نیچے گرتی ہے لہٰذا یہ کشش ثقل کی موجودگی کا منطقی ثبوت ہے۔

یعنی سائنس کو کشش ثقل کے وجود کا پتہ محض اس کی خصوصیت کی بنا پر ہے۔

پھر ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا کشش ثقل کو ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ سائنس کہتی ہے کہ کشش ثقل زمین کے بیچ میں ہے۔ تو کیا خیال ہے آپ کا کہ اگر ہم زمین کھود کر زمین کے بیچ میں پہنچ جائیں تو کشش ثقل مل جائے گی؟ ایک ایک ذرہ وہیں کا الگ الگ کر دیجیے۔ کشش ثقل نہیں ملے گی۔ وہاں بھی نہیں ملے گی جہاں سائنسدانوں کا دعویٰ ہے کہ ملتی ہے۔ یعنی ہے مگر کشش ثقل کا۔ تو پھر کیا کشش ثقل کا انکار کر دیا جائے گا؟

ہیں، ماننا پھر بھی پڑے گا۔ جب تک زمین کی کشش ختم نہیں ہو جاتی آپ کو کشش ثقل کو اس کی صداقت کی بنیاد پر ماننا پڑے گا۔ چاہے وہ آپ کو ملے یا نہ ملے۔

اب فرض کریں میں کہوں کہ کشش ثقل کو ثابت کرو تو یقیناً سائنسدان میرے سامنے چیزوں کے گرنے کی عملی توجیہی ثبوت کے طور پر پیش کریں گے۔ پھر بھی اگر میں کمال ڈھٹائی سے انکار کر دوں کہ میں کشش ثقل کو نہیں مانوں گا اس وقت تک جب تک وہ میرے سامنے نہ آ جائے تو مجھ سے چیزوں کے گرنے کی متبادل توجیہ مانگی جائے گی۔ جو مجھے دینی پڑے گی ورنہ اقرار لازم ہے۔

یہی معاملہ خدا کا بھی ہے۔

○

خیر و شر

خیر و شر کی جنگ کا آغاز پہلے انسان کی پیدائش سے ہوا تھا اور آخری انسان کی موت تک یہ جنگ جاری رہے گی۔ اللہ کے بنائے ہوئے اس آزمائشی نظام کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس سے کسی شخص کو مفر نہیں۔ اس آزمائشی نظام میں ایسا کوئی فلسفہ نہیں جو ایک عام انسانی ذہن کو سمجھ نہ آ سکے۔

ہدایت اور گمراہی میں بہت واضح فرق ہے۔ ایسا فرق جو روشنی اور اندھیرے میں ہوتا ہے۔ جیسا کالے اور سفید رنگ میں ہوتا ہے۔ جیسا دن اور رات میں ہوتا ہے۔

مگر پھر بھی لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔

کیوں؟

اس کا جواب قرآن میں موجود ہے۔

سورہ البقرہ۔ آیت نمبر 9

يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

"وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ایمان والوں کو۔ مگر (حقیقت میں) وہ اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔"

اب یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے آپ کو جانتے بوجھتے دھوکہ کیوں دے گا؟ کوئی کیوں چاہے گا کہ وہ جہنم میں جھونک دیا جائے؟

اس کی وجہ ہے دنیاوی لالچ اور بے صبری۔

اللہ کا نظام بڑا عجیب و غریب ہے۔ اس میں حق و باطل کا اندازہ لگانا تو بہت آسان ہے۔ مگر حق پر چلنا بہت مشکل۔ صلے کے لیے آخرت تک صبر کرنا اور بھی مشکل۔

سورۃ الاعلیٰ آیت 16۔17

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝

"مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو فوقیت دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

خیر و ہدایت کا راستہ یہاں روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ آپ جس قدرتی چیز پر نظر ڈالیں گے وہاں آپ کو کسی خالق کی انتہا درجے کی مہارت نظر آئے گی۔ اس بات سے انکار نہیں کہ یہ پوری کائنات خدائے واحد کی تخلیق کردہ ہے۔ اس علم میں سب انسان برابر ہیں۔

ایک ان پڑھ کسان جب کھیتوں میں ایک معمولی سا بیج بوتا ہے اور اس میں سے ایک تناور درخت پھوٹتا دیکھتا ہے تو اسے اللہ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ ایک ماہر ڈاکٹر جب انسانی اعضاء کا نظام دیکھتا ہے تو رب کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک ماہر سائنسدان جب اس کائنات کی کھوج میں نکلتا ہے تو اسے اپنے رب کی نشانیوں کے سوا کچھ نہیں آتا۔

پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟

انکار کی کئی وجوہات ہیں۔

مگر بدقسمتی سے ان میں سے ایک بھی وجہ اللہ کی غیر موجودگی کے ثبوت مل جانے پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ تمام کی تمام اللہ کے وجود کو مان کر اس کے نظام کے خلاف بغاوت پر مبنی ہیں۔

انسان کی بنیادی شکل پہلے انسان کی پیدائش کے وقت وجود میں آ گئی تھی۔ جب

ابلیس نے محض فخر و غرور میں مبتلا ہو کر اللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ابلیس پہلا تھا جو اللہ کے امتحان میں فیل ہوا۔ مگر۔ کیا وہ خدا کو نہیں مانتا تھا؟ وہ خدا کو مانتا تھا۔ مگر اس نے باوجود اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔ نہ صرف خود بھٹکا بلکہ قسم کھا لی کہ اوروں کو بھی بھٹکاؤں گا۔ شیطان کا یہ وطیرہ دنیا میں آج بھی رائج ہے۔ شر کے نمائندوں کا معاملہ یوں نہیں کہ وہ اللہ کو نہیں مانتے۔ بلکہ وہ اس دنیا کی رعنائیوں میں اس قدر گم ہو چکے ہیں کہ واپسی کی راہ نہیں پاتے۔

میں نے اس سے پچھلی تحریر میں بیان کیا تھا کہ شرم کے محسوس کرنے کا تعلق اس بات سے ہے کہ باقی لوگ آپ کے رویے پر کیسا برتاؤ کرتے ہیں۔

اردو کا ایک محاورہ ہے کہ ایک حمام میں سارے ننگے۔ اگر ایک شخص ننگا ہوگا باقی بالباس ہوں گے تو وہ اکیلا شخص شرم محسوس کرے گا۔ اگر ایک شخص نشے کا عادی ہوگا اور باقی لوگ اس نشے سے محفوظ ہوں گے تو وہ اکیلا شخص نشہ کرتے ہوئے شرم محسوس کرے گا۔

اس کے بس دو ہی حل ہیں۔

یا تو وہ ایک شخص بھی راہ راست پہ آ جائے۔ یا شر کی تبلیغ سے اپنی محفل کو بھی بگاڑ لے۔

ایک حمام میں اگر سارے ننگے ہوں تو کسی کو بھی شرم نہیں آئے گی۔ لہذا اب ننگا کر دو۔ ایک محفل میں اگر سب نشے باز ہوں گے تو کسی کو شرم نہیں آئے گی۔ لہذا اب کو نشے پہ لگا دو۔ ایک تھانے میں اگر سب آفیسر رشوت خور ہوں گے تو پھر کس سے چھپنا۔ سب کو رشوت پہ لگا دو۔

یہ ہے شیطان کا وہ فلسفہ جس کو ملحدوں نے آج اپنا رکھا ہے۔

بہت مشکل ہے ایک ایسے معاشرے میں بطور ملحد پنپنا جہاں دن میں پانچ مرتبہ اذان [illegible]۔ رمضان میں ملحد ہوتے ہوئے روزہ دار جیسا منہ بنانے پر مجبور ہو جانا۔ عید والے دن نہ چاہتے ہوئے نئے کپڑے پہننا اور دوستوں یاروں سے عید ملنا۔ شراب کی پابندی، زنا کی پابندی۔

کسی لڑکی کے ساتھ گھومو تو لوگ مڑ مڑ کر دیکھیں۔ چہرے کھلے عام پی نہیں سکتے۔

بے حیائی پر لوگوں کی طعنہ زنی۔

یہ کیسا معاشرہ ہے؟

اس معاشرے کو بدل ڈالو۔

الحاد کی بنیاد اس اصول پر پڑی ہے کہ گناہ و ثواب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے۔ کسی دوسرے کو حق نہیں کہ وہ کسی کو برائی کرتے دیکھے اور انگلی بھی اٹھائے۔ بزور روک دینا تو دور کی بات ہے۔

سوشل میڈیا پر یہ سازش بری طرح ناکام نظر آتی ہے مگر الیکٹرانک میڈیا پر اس کی انتہائی سست رفتار ترویج جاری ہے۔ اگر آپ آج میں اور آج سے تیس سال پہلے کے ماحول میں فرق دیکھیں تو آپ کو ایک واضح فرق ملے گا۔ جو خواتین پہلے دوپٹا سر کے پر شرما جایا کرتی تھیں آج ان کے سوٹ میں دوپٹا نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔ ٹائٹس پہننے والی خواتین کی ٹانگوں کی گولائی اور ان کا سائز ہر شخص با آسانی بتا سکتا ہے۔ بیوی سے ملف، نندوز شوہر کم اور انکے باقی مرد زیادہ ہیں۔

چونکہ یہ سب کچھ ہم ٹی وی پر ہوتا دیکھتے ہیں لہٰذا سب سے پہلا خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فلاں خاتون کو ٹی وی پر سب کے سامنے اس قسم کا لباس زیب تن کرنے پر شرم نہ آئی تو مجھے سڑک پر پہن کو گھومنے میں کیوں شرم آئے گی؟

حقیقت یہ ہے کہ الحاد کے پاس اسلام کے خلاف اس کے علاوہ کوئی تدبیر موجود نہیں کہ لوگوں کو دنیاوی آسائشوں میں مبتلا کر کے اسلام سے متنفر کیا جائے۔

اس فتنے سے محفوظ وہ رہے گا جو اللہ اور اللہ کے رسول کے احکامات پر سختی سے کاربند رہے گا۔ آدھے تیتر آدھے بٹیر ٹائپ دو کشتیوں میں سوار جن کو اللہ صرف مشکل میں یاد آتا ہے وہ شدید ترین خطرے میں ہیں۔

ڈارون کے ارتقائی نظریے پر کچھ اعتراضات

1۔ اگر ہم خدا کا انکار کر دیں تو سائنسی اعتبار سے ہر چیز کی تخلیق کے لیے پہلے اس چیز میں استعمال ہونے والے تمام اجزاء کے وجود کا اقرار کرنا پڑے گا۔ یعنی کائنات کی بناوٹ میں جو کچھ بھی استعمال ہوا اس کا میٹیریل پہلے سے موجود تھا مگر بے ترتیب تھا۔ اس کے مرتب ہو جانے کا نام کائنات ہے۔ کیا یہ تمام تر ترتیب محض ایک اتفاق ہے؟

2۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے جن چیزوں کی شدید ضرورت ہے جیسے ہوا پانی آکسیجن وغیرہ یہ تمام چیزیں زمین پر ہی کیسے تخلیق ہوئیں؟ اتفاق تو اتفاق ہوتا ہے کیا ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ پانی مریخ پر ہوتا۔ آکسیجن عطارد پر اور ہوا زہرہ پر؟

3۔ ارتقائی نظریے کا آغاز یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یہ یک خلوی جرثومہ کہاں سے آیا۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ بے جان سے جاندار کا وجود سائنسی لحاظ سے ممکن ہی نہیں؟

4۔ ارتقاء کے مطابق پانی کے جانداروں نے خشکی کی طرف ارتقاء کیا۔ پانی کے جاندار اور خشکی کے جانداروں کے آباء ایک تھے جو بیک وقت گلپھڑے اور پھیپھڑے دونوں سے مزین تھے۔ پھر خشکی کے جانداروں کے گلپھڑے اور پانی کے جانداروں کے پھیپھڑے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ سوال یہ ہے کہ خشکی اور پانی کے جانداروں کے جو مشترکہ آباء تھے وہ پانی کے جاندار تھے (کیوں کہ ارتقاء کا آغاز پانی سے ہوا ہے)۔ ان کے جسم میں پھیپھڑے کس ضرورت کے تحت لاکھوں سالوں تک موجود رہے

شاید وہ اس وقت بھی غیر ضروری تھے؟

5۔ ارتقاء کے مطابق انسانوں کے اور بندروں کے آباء ایک تھے۔ پھر ان کی کچھ نسلیں لاکھوں سال کی تبدیلیوں سے بندروں کی صورت ہو گئیں اور کچھ انسانوں کی صورت۔ اس بیچ ہمیں ہوموسیپین کی بھی ذکر ملتا ہے اور نینڈر تھال کا بھی۔ مگر یہ بیچ کے بننے والی مسنگ لنکس ہیں۔ ان کی کوئی زندہ مثال ہمیں زمین پر نہیں ملتی۔ یعنی اگر ہم یہ یقین کر لیں کہ انسان چمپنزی کے اندر ہونے والی لاکھوں سال کی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے جس کے بیچ میں ہوموسیپین بھی آئے۔ پھر تو آج ان ہوموسیپین کا زندہ وجود کہاں ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ ارتقاء اب رک چکا ہے اور اب کسی چمپنزی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو رہی؟ محض یہ کہہ دینا کہ ہوموسیپین ناپید ہو گئے کافی نہیں ہے جبکہ جن چمپنزیز نے آہستہ آہستہ ہوموسیپین کی شکل اختیار کی تھی وہ چمپنزیز آج بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کیا یہ بات ایسے ہی نہیں ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ مرغیاں تو موجود ہیں مگر انڈے ناپید ہو گئے؟

6۔ ارتقاء کے مطابق انسان اس دنیا میں لاکھوں سال سے موجود ہے۔ مگر بمزید انسان کے کسی اور مخلوق میں ارتقاء پذیر ہو جانے کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ارتقاء کے حوالے سے ہم یہ جانتے ہیں کہ جب کسی جانور نے اونچے درخت سے پتے کھانے کی ضرورت محسوس کی تو وہ لمبی گردن والا زرافہ بن گیا۔ جب اس نے پانی سے خشکی کا سفر شروع کیا تو وہ پھیپھڑوں سے مزین ہو لیا۔ جب اسے اڑنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کے پنکھ آ گئے۔ مگر آج کا انسان جو ان تمام حالتوں سے ہو کر یہاں تک پہنچا ہے وہ اڑنے کے لئے ہوائی جہاز ایجاد کرنے کا محتاج ہے۔ ایسا کیوں ممکن نہیں کہ یہ انسان لاکھوں سال تک پھل پھول کر کے اپنے پر نکال لیتا اور اسے ہوائی جہاز کی ضرورت ہی پیش نہ آتی؟

7۔ زندگی کا آغاز ایک یک خلوی جرثومے سے ہوا جس کی افزائش نسل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کر لیتا تھا۔ پھر کچھ یک خلوی جرثومے آبی پودوں میں تبدیل ہو گئے اور افزائش نسل کا طریقہ بدل گیا اور جنسی تولید کے طریقے نے جنم لیا۔ پھر پودے نے

جانداروں کا سب سے پہلا طریقہ افزائش نسل ہے ۔ جنسی اختلاط [illegible] سے بچہ تقسیم
سے غیر جنسی تولید اور جنسی تولید ہے ۔ جنسی اختلاط کی معلومات اس سے پہلے کہاں سے ملی تھیں
جبکہ دنیا میں اس کی کوئی بھی مثال پہلے موجود نہ تھی ۔ اور ان تبدیلیوں کے دوران اگلے طریقے
سیکھتا گیا مگر پچھلے بھول گیا ۔ یعنی جو ایک خلوی جرثومہ پودے میں تبدیل ہوا وہ جنسی تولید
سیکھ گیا مگر تقسیم بھول گیا ۔ جب جنسی اختلاط سیکھا تو جنسی تولید بھی بھول گیا ۔ اعتراض یہ ہے
کہ جو انسان ایک خلوی جرثومے سے شروع ہو کر انسان تک پہنچا اس کے پاس تو افزائش نسل
کے سارے طریقے ہونے چاہئے تھے کیونکہ وہ کبھی نہ کبھی ان سب کو استعمال کر چکا ہے؟

8۔ ارتقاء کی تاریخ ہمیں ضروریات سے روشناس کرواتی ہے مگر جب ہم
اطراف میں دیکھتے ہیں تو ہمیں بہت ساری چیزیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جن کا تعلق
ضروریات سے نہیں بلکہ تزئین و آرائش سے ہے ۔ رنگ برنگی تتلیاں ۔ رنگ برنگی مچھلیاں ۔
خوش رنگ اور خوشبودار پھول ۔ ان سب کا تعلق ضروریات زندگی سے نہیں ہے ۔ پھر ان کے
وجود کی وجہ کیا ہے؟

9۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے ۔ مگر ہر کھانے کی چیز
اپنے اندر غذائیت کے ساتھ ساتھ ایک مختلف مگر خوشنما ذائقہ بھی رکھتی ہے ۔ اگر کھانا محض
انسان کی ضرورت ہے تو اس کے اندر ذائقہ کا کیا کام تھا؟ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ سیب ۔ کیلے ۔
امرود ۔ انار ۔ گندم ۔ گوشت اور سبزیوں کا ایک ہی ذائقہ ہوتا؟ یا پھر سرے سے ذائقہ ہی نہ
ہوتا محض کھانے سے طاقت آجاتی؟

10۔ جنسی اختلاط میں آنے والی لذت کو قدرت کا بہترین نعم سمجھا جاتا ہے ۔
اسی اختلاط کے نتیجے میں نسل انسانی آگے بڑھتی ہے ۔ کیا انسان اپنی نسل اس لذت کے
بغیر آگے نہیں بڑھا سکتا تھا؟ یا کوئی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس لذت کے لالچ میں انسان بھی
افزائش نسل کرتا رہے؟

ارتقاء پر ایک ملحد سے بحث

مجھے حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ملحد چیزوں کے ایک دوسرے سے ربط و تعلق کو ماننے کے باوجود ارتقاء کو سپورٹ کر رہے ہیں۔

اگر A کے لئے B کا ہونا ضروری ہے۔ B کے لئے C کا ہونا ضروری ہے اور C کے لئے A کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی میری اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کی جاری ہے کہ۔ A کا ارتقاء B سے ہوا اور B کا C سے؟ یہ بات ہی غیر منطقی ہے۔ اگر یہ تینوں ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں اور ربط و تعلق رکھتے ہیں تو ان کا ایک ساتھ وجود میں آنا ضروری ہے۔ تا کہ ان کا ایک دوسرے سے ارتقاء پذیر ہونا۔ کیا یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ C کے بغیر B کیسے موجود با ارتقاء ہونے تک اور B کے بغیر A کیسے موجود رہا۔

بقول غالب آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک۔ کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

جن چیزوں کی کمی کو آپ کسی حیات کی ناپیدگی کا سبب بتا رہے ہیں وہ جرثومے کے وقت پر تو سرے سے تھیں ہی نہیں۔ ان کا تو اپنا ارتقاء جرثومے سے ہوا۔ تو جرثومے کو تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیئے تھا۔ پھر مزید ستم یہ کہ زراعت میں پیوندکاری اور انسانی ترقی کو ارتقاء کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ ہماری بحث ارتقاء کے رد و قبول کی بحث نہیں ہے بلکہ اس شعوری قوت پر ہے جو اس سب کے پیچھے روز روشن کی طرح

ضرورت ہے۔ بغیر ارادے کے نہیں۔ جب اندھی شعوری ارتقاء ہے تو پھر ذہن سے کون سی
پھری کیا نی چال ہے؟

آپ غیر شعوری ارتقاء کو ثابت کرنے کے لیے کپڑے اور تربوز کی پیداوار کی مثالیں دے رہے ہیں جس کے پیچھے شعوری کار فرما ہے۔ میں کہتا ہوں آپ کا جہاز اور راکٹ بنانا اس سے بھی بڑا کارنامہ ہے۔ آپ اسے بہتا ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے چھوڑیں۔ مجھے کوئی مطلب نہیں۔ مگر کم از کم یہ تو مانیں کہ ان سب چیزوں کی ایجاد کے پیچھے ہم نے دماغ استعمال کیا ہے۔ منصوبہ سازی کی ہے۔ آپ مجھے ارتقاء کا حسن سمجھا رہے ہیں اور منصوبے کو مان رہے ہیں نہ کسی شعوری قوت کو۔ آپ خود سوچیں آپ کتنی غیر منطقی بات کر رہے ہیں۔ آپ مجھے ارتقاء کی لمبی چوڑی داستان سنا رہے تھے۔ اس خیال سے کہ شاید میں ارتقاء کو سمجھ نہ پایا ہوں لے ارتقاء پڑھا ہیں۔ میں نے شروع میں آپ کو بتایا کہ کسی چیز کو پڑھنے میں اور اس کو سمجھنے میں فرق ہوتا ہے۔ آپ نے اگر ارتقاء کو سمجھا ہوتا تو آپ یہ سارے الفاظ خود سے لکھ سکتے تھے۔ آپ کو کاپی کی ضرورت پیش نہ آتی اور مجھے بھی میرے سوالوں کے جواب مل جاتے۔

اب میں آپ کو ارتقاء کی کہانی سناتا ہوں۔ یہ کہانی آپ کو انٹرنیٹ پر نہیں ملے گی۔

اپنی تحریر میں میں نے غیر ضروری چیزوں جیسے خوبصورتی خوشبو وغیرہ کی توجیہات ارتقائی حوالے سے پوچھی تھیں۔ آپ کے پاس اس کے مناسب جواب نہیں ہیں۔ اب ضروری بات کرتے ہیں۔ اس کہانی سے جو آپ نے سنائی ہے۔ ارتقاء کے حوالے سے جو بات رو پیٹ کر منطقی پیرایوں میں کسی حد تک ثابت کی جا سکتی ہے وہ زرافے کی گردن ہے۔ جسے ارتقائی بہت زیادہ اپنی دلیلوں میں استعمال کرتے ہیں۔

اس کو پہلے آسان الفاظ میں سمجھ لیں۔

میں آپ کو چشم تصور میں اس دور میں لے جاتا ہوں جس میں آپ کا زرافہ بھی گھوڑے کے برابر ہوتا تھا۔ سب سے پہلے منطقی بنیادوں پر یہ بات کہتا ہوں کہ پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر گردن کو اونچا کر کے پتے کھانا ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ یہ کوئی مزہ کا نہیں ہے۔ آپ کو کوئی کہے کہ ڈائننگ ٹیبل اور کرسی کو چھوڑ کر پنجوں پر کھڑے ہو کر کھانا کھایا کریں تو آپ اس پر بھی خوش نہیں ہوں گے۔ اس تکلیف میں مسلسل کئی ہزار سال تک نسل در نسل مبتلا رہنے کے لیے جو چیزیں سب سے بڑا کردار ادا کر سکتی ہیں ان میں

پہلی ہے ضرورت۔

دوسری چیز ہے خواہش۔

اور تیسری ہے افادیت۔

ضرورت سے مراد یہ ہے کہ جس خوراک کا حصول پہلے زمین پر موجود گھاس یا قد برابر درختوں سے ہو جاتا تھا وہ اب ممکن نہیں رہا۔ یہ صورت منطقی نہیں لگتی۔ کیونکہ کسی بھی دور میں چھوٹے درختوں یا گھاس پھونس کے معدوم ہونے کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ نہ ہی یہ بات سمجھ آتی ہے کہ زرافے یا گھوڑے سے چھوٹے سب جاندار معدوم ہو گئے ہوں۔ یہ بھی منطقی نہیں لگتا کہ کسی مخصوص علاقے میں ایسا ہوا ہو اور اس علاقے کے زرافوں کو ہی تکلیف میں مبتلا ہو کر پتے کھانے کی ضرورت پیش آئی ہو۔

دوسری صورت خواہش کی ہے۔ یعنی زرافے کے دل میں یہ خواہش ہوئی ہو کہ نچلے درختوں کے پتے بہت کھا لیے اب ذرا اوپر منہ مارا جائے۔ ہو سکتا ہے اوپر کے پتے زیادہ لذیذ ہوں۔ یہ بھی صورت منطق میں نہیں پڑتی۔

مگر میں آپ کے احترام میں ان دونوں پر کسی طرح کمپرومائز کر لیتا ہوں۔ میں کسی حد تک مان لیتا ہوں کہ کوئی ایسی صورتحال پیش آئی ہو جس وقتی طور پر سمجھے سکا ہو رکھا۔ مگر جس چیز پر میں کسی صورت کمپرومائز نہیں کر سکتا وہ ہے افادیت۔

یعنی میں یہ نہیں مان سکتا کہ لاکھوں سالوں کی اس مسلسل پریکٹس سے زرافے کو

پتے حاصل ہوتے ہوں پھر بھی وہ تاحیات اس عمل کو مسلسل جاری رکھے اور پھر بچوں اولادوں کو بھی یہ نصیحت کر کے مرے کہ تم نے بھی یہ عمل مسلسل کرتے رہنا ہے کبھی نہ کبھی کچھ ضرور ملے گا۔ کیوں کہ پھر یہ ارتقاء نہیں رہے گا بلکہ منصوبہ سازی کہلائے گی جس کے لیے شعور ضروری ہے جو کم از کم زرافے میں تو نہیں ہوتا۔ بیرونی شعور کو آپ مانتے نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ کو کوئی کہے کہ آپ کے گھر کے آنگن میں ایک کنواں ہے جس میں سچے موتی ہیں۔ آپ ایک دن ڈبکی لگائیں گے ایک مہینہ لگائیں گے بہت ڈھیٹ ہوئے تو ایک سال ڈبکیاں لگا لیں گے۔ اس کے بعد آپ کی ہمت ٹوٹ جائے گی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ساری زندگی ڈبکیاں لگاتے رہو پھر مرتے وقت اولاد کو نصیحت کر جاؤ کہ ہون تسی وی ایس کنویں وچ ڈبکیاں لاندے رہنا۔

یہ انتہائی غیر منطقی بات ہے جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کی بس وہی صورت ہے جو میں نے پہلے بیان کر دی کہ کچھ نہ کچھ بھی نہ کبھی ملتا رہے تو ہمت جوان رہے گی۔

زرافے کے متعلق میں نے پہلے بیان کر دیا کہ روتے پیٹتے کم از کم زرافے کی گردن کے لمبا ہونے کے ارتقاء کو مانا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ شروع شروع زرافے کی زیادہ سے زیادہ گنجائش پانچ فٹ اونچی ہو اور وہ سوا پانچ فٹ کے درخت کے پتے کھانے کی کوشش میں اوکھا سوکھا ہو کر کامیاب ہو جائے اور اس کی یہ صلاحیت آہستہ آہستہ گردن لمبی ہونے کی وجہ سے بڑھتی رہے اور لاکھوں سال بعد زرافے کی وہ شکل ہمارے سامنے آ جائے جو آج ہے۔

مگر ارتقاء کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس افادیت والے اصول کو اگر ہم باقی مادہ سے ہونے والے ارتقاء پر لاگو کریں تو یہ بہت بری طرح فیل ہو جاتا ہے۔

آپ کے تجربات کے نتائج چار قسم کے ہوتے ہیں۔

پہلا جزوی افادیت حاصل ہو جائے۔

دوسرا کلی افادیت حاصل ہو جائے۔

تیسرا افادیت کے بجائے ایک تلخ تجربہ ہو جائے۔

اور چوتھا کوئی افادیت نہ ہو۔ یعنی نہ نفع نہ نقصان۔

پہلا اور دوسرا ارتقاء کے لئے موزوں ہے۔ مگر تیسرا اور چوتھا ارتقاء کے بالکل خلاف ہے۔ اور زیادہ تر ارتقاء یافتہ اعضاء کا تعلق اس تیسرے اور چوتھے نتیجے سے ہے۔

آپ دریا میں ڈبکی لگائیں اور سانس لینے کی کوشش کریں۔ آپ کے پھیپھڑوں میں پانی بھر جائے گا اور انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جائیں گے۔

آپ یہ عمل کتنے عرصے تک کر سکتے ہیں؟

اگر آپ کبھی پھیپھڑوں میں پانی بھرنے کے تلخ تجربے سے گزرے ہیں تو میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ عمل آپ ایک سے دوسرے دن نہیں کر سکتے۔ چاہے کوئی آپ کو لاکھ کہے کہ آپ کے گلپھڑے نکل آئیں گے۔ آپ یہ تجربہ کبھی نہیں دہرائیں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ اگلی بار آپ سانس روک کر پانی میں جائیں۔ مگر اس کوشش سے آپ کے اندر گلپھڑے کی صورت پیدا نہیں ہو سکتے۔ محض اتنا ممکن ہے کہ آپ کے پھیپھڑے طاقتور ہو جائیں اور آپ پانی میں نسبتاً زیادہ دیر سانس روک سکیں۔ جس طرح مگرمچھ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ لیکن یہی بات آبی مخلوق کے خشکی کی طرف سفر کے لیے کہی جاتی ہے تو اس پر یقین کیسے کیا جا سکتا ہے؟ آپ ایک مچھلی کو پانی سے باہر نکالیں تو وہ ایسے ہی تڑپتی ہے جیسے آپ پانی میں۔ یعنی ایک تلخ تجربہ اور اس پر لاکھوں سالوں کا تسلسل؟

یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

اس کا ایک حل ارتقائی سائنسدانوں نے یہ نکالا کہ خشکی کے اور آبی جانداروں کے کچھ مشترک آباء پیدا کر لیے۔ جیسے ہمارے اور بندروں کے مشترک آباء تھے۔ ان کے مطابق یہ کہا جاتا ہے کہ خشکی کے اور آبی جانداروں کے آباء مشترک تھے اور ان کے دونوں کی سہولت میسر تھیں۔ یعنی وہ بیک وقت گلپھڑے بھی رکھتے تھے اور پھیپھڑے

بھی۔ سبحان اللہ۔

یہ بات خود ارتقائی اصول کی خلاف ورزی ہے۔ یعنی پھر ہوا یوں ہوگا کہ جب جرثومے کا ارتقاء پودے میں ہوا اور پودے کا ارتقاء آبی جاندار میں ہوا۔ تو آبی جاندار میں گلپھڑوں کے ساتھ ساتھ پھیپھڑے بھی بن گئے۔

مگر کیوں جناب؟ کس ضرورت کے تحت؟ پانی میں موجود جاندار کو پھیپھڑوں کی کیا ضرورت تھی؟ کیا نہیں پتہ تھا کہ انہیں کبھی خشکی کی طرف سفر کرنا ہے؟ لاکھوں سالوں تک گلپھڑے اور پھیپھڑے لے کر گھومتے رہے؟ یہ ارتقاء تھا یا باقاعدہ منصوبہ بندی؟

یعنی پہلا سوال یہ کہ بلا ضرورت پھیپھڑے بنے ہی کیوں؟

اور دوسرا سوال یہ کہ اگر جادو سے بن ہی گئے تھے تو لاکھوں سالوں میں وہ غیر ضروری پھیپھڑے ختم کیوں نہ ہو گئے؟

یہی معاملہ خشکی کے جاندار کے ہوا میں اڑ جانے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

آگے چلیں۔

جانداروں کے جنسی اعضاء اگنے کی کہانی اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ یعنی نر جاندار کے جنسی اعضاء اور مادہ کے جنسی اعضاء۔ ظاہر ہے جب پودے کا ارتقاء جاندار میں ہوا تو یہ جنسی اعضاء موجود نہیں تھے۔ زنانہ والے کیس میں ہمیں یہ سہولت تھی کہ گروہ پہلے بھی تھا۔ سوراخ کو کھول گئے تو کہانی چلتی رہے گی۔ مگر نر جاندار کا جنسی عضو جب اگنا شروع ہوگا تو اس سے وہ جاندار کیا کام لیتا ہوگا؟

اسے اس طرح سمجھیں۔

آپ کو ایک انڈے کی تصویر دکھاتا ہوں جو ریت پر پڑا ہے۔ ریت پر پڑے رہنے کی وجہ سے ریت میں ایک گڑھا پڑ گیا ہے۔ مگر یہ میری منطق ہے۔ مگر کوئی آپ سے کہے کہ دراصل میں ریت کے اس گڑھے کی وجہ سے ہی انڈہ گول ہوا ہے تو؟

اب آپ یقیناً یہ جاننے کے لئے بے چین ہوں گے کہ ریت کے اس گڑھے میں پڑے رہنے کی وجہ سے انڈہ تو گول ہو گیا مگر پھر ریت میں وہ گڑھا پڑا کیسے؟ اور جواب دینے والا آگے سے یہ جواب دے دے کہ گول انڈے کے وہاں پڑے رہنے کی وجہ سے ریت میں گڑھا پڑ گیا تو یقیناً اب آپ سر پیٹ لیں گے۔

اسے کہتے ہیں گول منطق۔

آگے چلیں۔

اس تصویر میں آپ کو میل اور فی میل ساکٹ نظر آ رہے ہیں۔

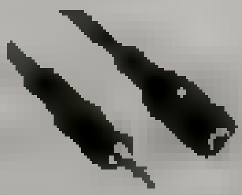

میل یا فی میل ساکٹس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی یک کے بغیر دوسرا بیکار ہے اور دوسرے کے بغیر پہلا کسی کام کا نہیں۔ جس سائنسدان نے یہ ساکٹس بنائے اس نے سب سے پہلے ان ساکٹس کا ورکنگ پلان سوچا۔ پھر ان دونوں ساکٹس کو ایسے ساختوں میں ڈھال دیا۔ تاکہ جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ پلگ ان ہوں تو ایک کا دوسرے سے تعلق جو ڑ کر تاروں کے ذریعے اس مطلوبہ مقام تک پہنچ جائے جہاں تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ مگر اگر کوئی دیوانہ آپ سے یہ کہے کہ نہیں اصل میں میل ساکٹ بنانے والا ۔۔۔ سائنسدان کافی عرصے تک سوچتا رہے کہ یہ میل ساکٹ ہونے

کیوں ایسا ہو گیا ہے؟ پھر انہوں نے اس کو فٹ کرنے کے لیے پلگ [illegible]
ان دونوں کو آپس میں فٹ کر دیا۔ مگر اب ان دونوں کی آپس میں فٹنگ کا [illegible]
سائنسدانوں کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان میں تاریں بھی ڈال دی جائیں تاکہ [illegible]
دوسرے میں منتقل ہو جائے؟

کیا یہ کہانی آپ کو سمجھ آئے گی؟

یقیناً نہیں۔ یعنی۔

میل ساکٹ کیوں بنایا گیا؟

تاکہ یہ فی میل ساکٹ میں فٹ ہو جائے۔

مگر فی میل ساکٹ کیوں بنایا؟

تاکہ میل ساکٹ اس میں فٹ ہو جائے۔

اسے کہتے ہیں گول منطق۔

آگے چلیں۔

اب آتا ہوں میں اپنے اصل موضوع پر۔

میل ساکٹ اور فی میل ساکٹس کی مثالیں میں نے پہلے اس لیے پیش کی ہیں [illegible]
ہماری گفتگو کا یہ اگلا حصہ حتی الامکان اخلاقیات کی حدود میں رہ سکے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ ارتقاء ایک سست رفتار عمل ہے۔ ایک ایک انگلی کی [illegible]
اولاد میں تبدیلی کے لیے لاکھوں سال کا عرصہ درکار ہے۔ کسی عضو کے پیدا [illegible]
ہونے کے لیے بھی اسی طرح کئی کئی لاکھ سال کا وقفہ درکار ہے۔ جس کی مثال [illegible]
زمانے کی لمبی [illegible] سے پیش کی گئی۔ اگر ہم جانوروں اور انسانوں کے جنسی [illegible]
[illegible] تو پتہ چلتا ہے کہ یہ جنسی اعضاء نظریہ ارتقاء سے اول میں موجود تھے۔ [illegible]
[illegible] ایک جانور میں [illegible]
[illegible] جنسی اعضاء کی ضرورت تو تھی؟

نر کے میل اعضاء میل سائٹ کی طرف سے ہوتے ہیں اور مادہ کے جنسی اعضاء
فی میل سائٹ کی طرح۔

سوال یہ ہے کہ پہلے کس کا ارتقاء ہوا؟ نر کا یا مادہ کا؟

اگر نر کا تو اس کے جنسی اعضاء کیسے اور کیوں پیدا ہو گئے جبکہ مادہ کا تو ابھی ارتقاء
ہی نہیں ہوا؟

اور اگر مادہ کا ارتقاء پہلے ہوا تو اس کے جنسی اعضاء کیسے اور کیوں تخلیق ہوئے
جب کہ نر موجود ہی نہیں؟

پھر یہ بھی ایک سوال ہے کہ جنسی اختلاط کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی جبکہ جنسی
تولید سے افزائش نسل جاری تھی؟

میل اور فی میل میں دوڑنے والے کرنٹ کی مثال آپ جنسی اختلاط کی آخری
حد کو لے لیجیے جس کے بعد نر کا مادہ منویہ مادہ میں منتقل ہوتا ہے اور اس مقام تک پہنچ
جاتا ہے جس مقام تک پہنچانے کے لئے یہ سارا انتظام "بنایا گیا" یا خود بخود بن گیا۔ یہ کیسے کیوں
اور کس ضرورت کے تحت بنا؟

زرافے نے تو اپنی گردن پتے کھانے کے چکر میں لمبی کر لی مگر پہلے نر کے جنسی
اعضاء کس ضرورت کے تحت نمودار ہوئے جب کہ مادہ کا ارتقاء ابھی ہوا ہی نہیں؟

اب ذرا میری گفتگو کا ایک حصہ اس مناسبت سے دوبارہ پڑھ کر دیکھیے اور مجھے
بتائیے۔

"میل یا فی میل سائٹس ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی ایک
کے بغیر دوسرا بیکار ہے اور دوسرے کے بغیر پہلا کسی کام کا نہیں۔ جس سائنسدان نے یہ
سائٹس بنایا ہوگا کیسے اس نے سب سے پہلے ان سائٹس کا رننگ چارٹ سوچا۔ پھر ان دونوں
کو ایک ساتھ تشکیل دیا۔ تاکہ جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ پلگ ان ہوں تو ایک
سے دوسرے میں منتقل ہو کر تاروں کے ذریعے اس مخصوص مقام تک پہنچ جائے جہاں

آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں۔"

اب سنیئے اسی کہانی کو تھوڑا بدل کر۔

"مگر اگر کوئی دیوانہ آپ سے یہ کہے کہ نہیں اصل میں میل ساکٹ پہلے کا ہوا۔ پھر سائنسدان کافی عرصے تک سوچتے رہے کہ یہ میل ساکٹ ہم نے کیوں ایجاد کیا؟ پھر انہوں نے اس کو فٹ کرنے کے لیئے فی میل ساکٹ ایجاد کیا۔ پھر ان دونوں کو آپس میں فٹ کر دیا۔ مگر اب ان دونوں کی آپس میں فٹنگ کا فائدہ کیا ہے؟ پھر سائنسدانوں کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان میں تاریں بھی ڈال دی جائیں تاکہ ایک کا کرنٹ دوسرے میں منتقل ہو جائے؟"

کیا اب یہ کہانی سمجھ آتی ہے؟

یقیناً نہیں۔

اور اب اگر اس دوسری کہانی میں سے میں سائنسدان بھی نکال دوں۔ یعنی یہ سب حادثاتی طور پر ہوا تو یہ کہانی اور زیادہ ناقابل یقین ہو جائے گی۔ جس پر یقین کرنے کے لیے بندے کا احمق ہونا ضروری ہے۔

اسے کہتے ہیں الٹی منطق۔

دنیا کی پیدائش کے معاملے میں سائنس کے میدان میں جگہ جگہ آپ کا واسطہ الٹی منطق سے پڑے گا۔ سائنس کے مطابق جانوروں کا پودوں کے پھیلاؤ سے بڑا رشتہ ہوتا ہے۔ جانور پودے یا پھل کھاتے ہیں اور بیج نگل جاتے ہیں۔ پھر جب وہ میلوں دور جا کر ان بیجوں کو خارج کرتے ہیں تو مزید پودے اگتے ہیں۔ مگر ارتقائی نظریے کے مطابق جانوروں کا ارتقاء ہی پودوں سے ہوا۔

تو جانوروں کے ارتقاء سے پہلے پودوں کے پھیلاؤ کا سبب کیا تھا؟ پودے پھیلاؤ کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باعث بقائے اصلح کی بھینٹ کیوں نہ چڑھ گئے؟

اس کائنات کی ہر چیز کا دوسری چیز سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔ ہر چیز ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ اگر آپ اس کائنات میں موجود زندہ یا بے جان کی بابت کسی خالق کا اقرار نہیں کرتے تو آپ کسی مسئلے کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ سمجھا سکتے ہیں۔ اسی لیے میں نے عالموں کے ایک دوسرے سے ربط اور سرکل کا ذکر کیا تھا۔

○

زمین کی ماہیت۔ گول یا چپٹی

زمین کی ماہیت کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآن اس کو چپٹا قرار دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کسی بھی مقام پر زمین کی ماہیت کے بارے میں بات نہیں کرتا۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ قرآن جگہ جگہ زمین کو فرش اور آسمان کو محفوظ چھت قرار دیتا ہے۔ اس سے کچھ لوگوں نے زمین و آسمان کے چپٹے ہونے کا عقیدہ اخذ کر لیا۔ حالانکہ کسی شے کا فرش ہونے کے لیے اس کا چپٹا ہونا قطعاً ضروری نہیں۔

اللہ نے یہ زمین کائنات انسان کے سفر کرنے کے لیے بچھائی ہے۔ اس کے گول یا چپٹا ہونے سے موضوع پر کوئی فرق نہیں پڑتا مگر جس چیز کی وضاحت قرآن نہیں کرتا اس کا فیصلہ تحقیق کر کے جس نتیجے پر پہنچیں اسے قرآن سے ملا لیں۔

ایک مثال یوں ہے کہ ایک استاد اپنے شاگرد کو ایک مشکل ترین الجبرا کا سوال حل کرنے کو دے مگر اس کو حل کرنے کا طریقہ نہ بتائے۔ شاگرد جب سوال کو حل کرے تو استاد اسی نتیجے پر پہنچا ہو کہ شاگرد کی محنت درست ہے۔ وہ شاگرد اس ایکویشن کو حل کرنے میں کیونکہ اس کی محنت ضائع نہ ہو گی۔

رمضان کی زکات کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ رات کو ایک شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ میں نے اسے پکڑا تو وہ عاجزی کرنے لگا، مجھے چھوڑ دے میں بہت محتاج اور ضرورت مند ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس پر ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ صبح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا تھا اور پھر آئے گا۔

اگلی رات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس کی تاک میں بیٹھ گئے۔ وہ پھر آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ اس بار بھی رنگے ہاتھوں پکڑا گیا اور گڑگڑانے لگا کہ مجھ پر بال بچوں کا بوجھ ہے مجھے جانے دے۔ میں اب دوبارہ کبھی نہ آؤں گا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پھر اس پر ترس آگیا اور اسے پھر چھوڑ دیا۔ صبح یہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا وہ شخص جھوٹا تھا اور پھر آئے گا۔

تیسری رات پھر وہ شخص آیا اور غلہ چوری کرنے لگا۔ پھر پکڑا گیا۔ اس بار اس نے کہا کہ اے ابوہریرہ اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے کچھ کلمات سکھا دوں گا۔ ابوہریرہ نے پوچھا۔ وہ کلمات کیا ہیں۔ تو اس نے کہا کہ جب بستر پر لیٹو تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ اللہ ایک نگران فرشتہ صبح تک تیری حفاظت کے لئے مامور کر دے گا۔

صبح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ پورا معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گوش گزار کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگرچہ وہ جھوٹا تھا مگر یہ بات سچ بتا گیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ابوہریرہ! کیا تو جانتا ہے کہ وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ خود شیطان تھا۔

یہ حدیث ہمیں واضح طور پر حق بات کو بلا تخصیص قبول کرنے کا عمل سکھاتی ہے۔ کوئی بھی ہو۔ کوئی کافر ہو یا خود شیطان ہی کیوں نہ ہو۔ حدیث کی [illegible] [illegible] ۲۳ سال کا [illegible] [illegible] خواہ مسلمان [illegible] سے [illegible] جائے گا۔

ہمارے حقیقی یہ عمل کون سے۔ مگر کچھ لوگ ہماری اس دلیل میں سے خود

... وجہ ... فرض کر لیتے ہیں۔ ... کی وجہ ...
... سے غیر منطقی بات کیوں نہ ہو۔

آئیے، کوشش کرتے ہیں اس مسئلے کو سمجھانے کی۔

صحیح بخاری حدیث نمبر 583 کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج
نکلنے کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا کہ وہ بلند ہو جائے۔
یہاں نماز کے بعد کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی جب سورج طلوع ہو جائے تو
اس کے بعد اس وقت تک کوئی نماز جائز نہیں جب تک کہ سورج بلند نہ ہو جائے۔ ...
استعمال ہوا ہے، وہی "مشرق وقتی" ... رفعت سے نکلا ہے جس کا مطلب بلندی ہے۔ تو
مطلب ہے کہ سورج بلند اسی صورت میں ہو گا جب وہ گول زمین کی اوٹ سے ...
یعنی، گول ماننے والوں کے مطابق نہ سورج طلوع ہوتا ہے نہ غروب۔ ...
... حقیقت ہے۔ بس وہ زمین پر ایک دائرے کی حرکت کرتا رہتا ہے۔ ہمیں جب
سے آہستہ نظر آنے لگتا ہے تو ہم اسے طلوع ہونا محسوس کرتے ہیں اور جب دور جاتا ہے تو
ہمیں غروب محسوس ہوتا ہے۔

سمتوں کا تعین انسان نے اپنی سہولت کے لیے کیا ہے۔ چار سمتیں شمال، جنوب
مشرق، مغرب کو قاعدے کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے جو گول میں کسی طور کرنا ممکن
نہیں ہے۔ فلیٹ ارتھ والوں سے سمتوں کا تعین پوچھتا ہوں تو ایک عجیب ... سے
آتا ہے۔

فلیٹ ارتھ کے مطابق زمین فلیٹ ہے اور اس کے بالکل بیچ میں قطب ...
... اب جس سمت سے سورج نکلے اسے ہر حال میں مشرق ہی کہا جائے گا
... مخالف سمت کو مغرب۔

اب ... نقشے پر غور کیجیے، میری ڈرائنگ اچھی نہیں ہے ...
...

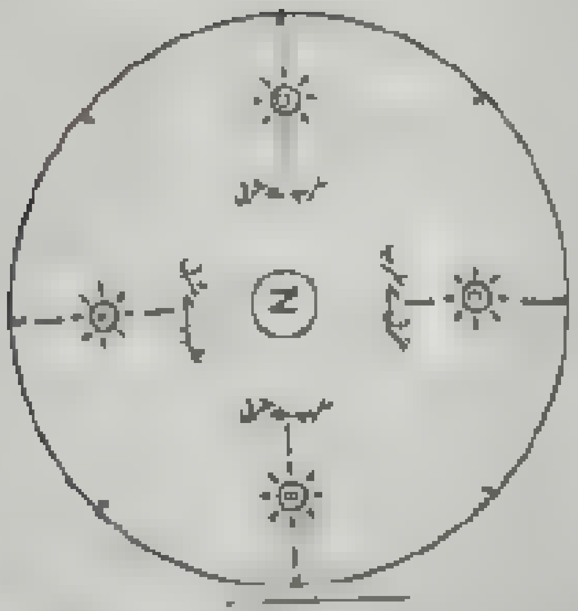

تصویر میں سورج کے A پوائنٹ پہ پاکستان فرض کر لیجیے اور C پوائنٹ پہ امریکہ۔ پاکستان کے بائیں جانب مشرق ہے دائیں جانب مغرب۔ اوپر شمال نیچے جنوب۔ اب سورج حرکت کرتا ہوا C پوائنٹ پہ پہنچ گیا۔ امریکیوں کے لئے معاملہ ویسا ہی ہے جیسا پاکستانیوں کے لئے تھا۔ مگر پاکستانیوں کے لئے سورج کے امریکہ پہنچتے ہی سمتیں الٹ گئیں۔ جو سورج امریکیوں پر مشرق سے نکل رہا ہے وہی سورج اب پاکستان کے حساب سے مغرب سے طلوع ہو رہا ہے۔ جنوب چونکہ ہر کنارے پر ہے لہذا جس طرف پاکستان کا شمال ہے اسی طرف بھی پاکستانیوں کا ایک جنوب ہے۔ پہلے شمال آتا ہے بیچ میں۔ پھر اسے کراس کر کے امریکہ کراس کر جائیں تو ایک اور جنوب۔ یعنی کسی کو پتہ کرنا ہو تو یہ بتانا ضروری ہوگا کہ نیچے والا جنوب یا اوپر والا جنوب۔ مشرق و مغرب کے معاملات بھی کچھ اسی قسم کے ہیں کہ امریکی مشرق یا پاکستانی لوکل مشرق۔ یعنی ساری سمتیں اتھل پتھل ہو گئیں۔ نقشے پہ جتنا غور کریں گے اتنے اعتراضات سامنے آتے جائیں گے مگر اختصار کی غرض سے باقی اعتراضات قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

آگے چلیں۔

فلیٹ ارتھ کے مطابق سورج طلوع و غروب نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ وہ دور سے آتا

سے دور چلا جاتا ہے لہذا اسکے طلوع ہوتا اور غروب ہوتا محسوس ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ مشاہدہ ہر آتی چیز پر اپلائی ہوتا ہے؟

تو جواب ہے نہیں۔

میں آپ کو ایک ایسا مشاہدہ کرواتا ہوں جس کے لیے سائنس کی بھی ضرورت نہیں۔ ایئرپورٹ پر جائیے اور ننگی آنکھ سے جہاز کو ٹیک آف کرتے دیکھیے۔ جہاز پہلے اپنے اصل سائز پر نظر آئے گا۔ پھر وہ جہاز آپ سے دور جانا شروع ہو جائے گا اور وہ سائز بتدریج چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ چھوٹے ہوتے ہوتے وہ ایک کرسٹل بال جتنا رہ جائے گا۔ پھر ایک نکتے جتنا۔ پھر وہ نکتہ بھی غائب ہو جائے گا۔ مگر وہ آپ کو غروب ہوتا نظر نہیں آئے گا۔

اب اس تجربے میں تھوڑا سا اضافہ کریجیے۔ ایک دوربین لیجیے اور اس کی مدد سے اسی مقام کو دوبارہ دیکھیے جہاں جہاز غائب ہو گیا تھا۔ جہاز دوبارہ نمودار ہو جائے گا۔ قدرے بڑے سائز کا۔ پھر دوربین میں بھی وہ چھوٹا ہونا شروع ہو جائے گا اور نکتہ جتنا ہو کر دوربین کی حدود سے بھی نکل جائے گا۔

یہی معاملہ ہر دور سے آتی اور جاتی چیز پر اپلائی ہوگا۔ ماسوائے سورج کے۔

اصولاً ہونا یہ چاہیے کہ جب سورج دور سے آتا دکھائی دے تو اس کا سائز نکتے جتنے سائز سے ہو۔ پھر ستارے جتنا بڑھ جائے۔ پھر بتدریج بڑھتا بڑھتا اپنے اصل سائز پر آ جائے۔ یعنی جب ہمارے سروں پر پہنچ جائے۔ پھر جب دور جائے تو اسی طرح کا معاملہ ہو۔

مگر سورج جب طلوع ہوتا ہے تو اتنا ہی بڑا ہوتا ہے جتنا اپنے عروج کے وقت پھر زوال کے وقت بھی اس کا سائز نہیں بدلتا۔ پھر اپنے مکمل سائز پر وہ زمین کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔

ایک تجربہ سورج پر بھی کریجیے۔ کراچی میں شاید آج کل سورج ساڑھے چھ بجے

تو جب آپ سوا چھ بجے ساحل سمندر پہنچ جائیے اور ڈوبتے سورج کا نظارہ کیجیے۔
سنا ہے چھ بجے کنارے سے سمندر کی اوٹ میں چھپنا شروع کرے گا اور رفتہ رفتہ
ساڑھے چھ بجے غائب ہو جائے گا۔ اب آپ اپنے سامان میں سے دوربین نکالیے۔
بلکہ Hubble کی دوربین ساتھ لے جائیے۔ کوئی فائدہ نہیں۔ سمندر کنارے موجود
ہجوم سے بھی مدد لے کر دیکھ لیں۔ جس نے ڈوبنا تھا وہ ڈوب گیا۔ آپ جتنی مرضی
دوربینیں استعمال کر لیں۔ ساڑھے چھ بجے تک سورج جو آنکھ سے بھی نظر آئے گا مگر
اس کے بعد کسی دوربین سے بھی نظر نہیں آئے گا۔

یہاں سورج ڈوبنے کے بعد سورج کے نظر آنے کی ایک صورت ممکن ہے کہ آپ
کسی اونچی پہاڑی پر ہوں۔

یہ معاملہ مکہ کے متعلقین کرام کے ساتھ دو سال پہلے پیش آچکا ہے۔ جب حرم
میں موجود روزے داروں نے روزہ کھول لیا مگر کعبہ کے بالکل پاس بنائی جانے والی
بلڈنگ کی بالائی منزلوں سے سورج ابھی بھی نظر آرہا تھا۔ لہٰذا ان کو روزہ پانچ منٹ
بعد کھولنا پڑا۔

اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟
اونچے مقامات پر جانے سے مقامی بصیرت پیدا ہوتی ہے؟
زمین گول ہے؟
[illegible]

o

کائنات کی وسعت

میری پچھلی تحریر پر ایک صاحب ابراہیم نے سید امجد حسین کا اعتراض سامنے رکھا۔

وہ اعتراض کچھ یوں تھا۔

"پہلا سوال: اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے تو پھر یہ کائنات اتنی بڑی کیوں ہے؟ یعنی اس نے اس کائنات کو انسان کے حجم سے متناسب کیوں نہیں بنایا جس کے لیے صرف ایک نظامِ شمسی یا صرف ایک کہکشاں ہی کافی تھی؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہم فرض کرتے ہیں کہ کائنات بہت چھوٹی ہے یعنی ایک نظامِ شمسی یا ایک کہکشاں پر مشتمل ہے، پھر اس صورت میں یہی سوال اٹھ جائے گا کہ اگر خدا اتنا ہی طاقتور ہے تو اس کی کائنات اتنی چھوٹی کیوں ہے؟"

یہ تھا جناب اعتراض اور یہ ہمارے لئے خصوصی طور پر امجد حسین صاحب نے بھجوایا ہے۔ یہ وہی امجد صاحب ہیں جن کو کھلا چیلنج کیا گیا تھا کہ کسی بھی موضوع پر مجھ سے مکالمہ کر لیں۔ مگر وہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں۔ انہیں شاید اس بات کا اندازہ ہے کہ ان کے جتنے بھی اعتراضات ہیں یا تو احمقانہ ہیں یا پھر ان پر موشنوں کو لاجواب نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال انہوں نے کسی کے ذریعے بھی سوال بھیجا جواب تو دینا بنتا ہے۔

اس سوال کے دو پہلو ہیں۔

1۔ اگر کسی چیز کی وجہ معلوم نہ ہو تو اس کی تخلیق کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ تیسرا وہی ہے جو خود امجد حسین نے سوال میں ڈھونڈا کہ کائنات بڑی ہونے پر اعتراض ہے۔ جو چھوٹی ہوتی تو اعتراض نہ ہوتا؟

اب ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ اگر کسی چیز کی وجہ معلوم نہ ہو تو اس کی تخلیق کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

اب یہاں اس سوال سے میرے ذہن میں ایک منطقی سوال پیدا ہوا ہے کہ فرض کریں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کائنات کیوں بنائی ہے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے بنائی ہی نہیں بلکہ خود بخود بن گئی؟ کیا صرف مقصد معلوم نہ ہونے سے تخلیق کا انکار کیا جا سکتا ہے؟ کون فیصلہ کرے گا کہ کیا چیز بامقصد ہے اور کیا چیز بے مقصد؟

شاہ جی بھی ایک کتاب میں رقم کرتے ہیں کہ ایک مچھلی فروش نے ایک محلے میں مچھلی کی دکان کھولی اور بورڈ لکھ کر لگا دیا کہ "یہاں تازہ مچھلی دستیاب ہے۔" ایک صاحب وہاں سے گزرے اور بورڈ پڑھ کر فرمایا یہاں اتنا بڑا جملہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سب کو پتہ ہے کہ تازہ مچھلی یہیں دستیاب ہے۔ مچھلی فروش نے لفظ "یہاں" مٹا دیا اور جملہ رہ گیا "تازہ مچھلی دستیاب ہے۔" ایک اور صاحب گزرے انہوں نے بورڈ پڑھا اور کہا کہ یہاں تم تو شکل سے ہی شریف آدمی لگتے ہو۔ کوئی باسی مچھلی تھوڑی بیچو گے۔ لہٰذا لفظ "تازہ" اضافی ہے۔ مچھلی فروش نے وہ بھی مٹا دیا اور جملہ رہ گیا "مچھلی دستیاب ہے۔" ایک اور صاحب گزرے اور فرمایا کہ تم دکان کھول کر بیٹھے ہو تو مچھلی دستیاب ہے تبھی تو بیٹھے ہو ورنہ دکان بند کر کے گھر چلے جاتے۔ لہٰذا لفظ "دستیاب ہے" اضافی ہے۔ مچھلی والے نے وہ بھی مٹا دیا اور فقط بورڈ پر "مچھلی" لکھا رہ گیا۔ پھر ایک اور صاحب آئے اور کہا کہ بھائی صاحب تمہاری مچھلی کی بو پھیلی ہوئی ہے۔ سب کو کئی میٹر دور سے ہی مچھلی کی بو آ جاتی ہے تو کیا ضرورت ہے یہاں "مچھلی" لکھ کر لگانے کی۔ مچھلی والے نے بورڈ اتار کر اندر رکھ لیا۔

انسان کی فطرت ایسی ہی ہے۔

خالق کو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے کون سی چیز کیوں بنائی ہے۔ اگر آپ
مقصد نہیں سمجھ پا رہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز ہی بے مقصد ہو گی۔
اپنے کمپیوٹر کا سی پی یو کھول کر دیکھیے۔ کتنے سرکٹ لگے دکھائی دیتے ہیں؟
آپ کو اس سب کا مقصد پتہ ہے؟ کسی ایک کو نکال دیجیے۔ جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی خرابی پیدا
ہو جائے گی۔ جس نے کمپیوٹر بنایا اسے پتہ ہے کہ اس کا کون سا سرکٹ کیا کام کرتا ہے
آپ اس کو سمجھنا چاہیں تو سمجھیں۔ محنت کریں۔ مگر بغیر سمجھے اسے بے مقصد قرار نہیں
دیجیے۔

چڑیا ایک معمولی پرندہ ہے۔ آپ دنیا کی ساری چڑیاں مار دیں۔ آپ کی فصلیں
کیڑے کھا جائیں گے۔ کب انسان نے سمجھی یہ بات؟ ہمیں تو یہی لگتا تھا کہ چڑیا بے ضرر
ہی پیدا ہو گی۔

ڈارون جس نے نظریہ ارتقاء پیش کیا وہ ہر مخلوق کے دوسری مخلوق کے ساتھ
تعلق کو تسلیم کرتا تھا۔

اونٹ کی پیٹھ پر کوہان کیوں ہوتا ہے؟ کب پتہ چلا ہمیں؟ ہاتھی کی سونڈ کیوں
ہوتی ہے؟ بھینس کی ناک جتنا کیوں نہیں ہوتا؟ چیونٹی ہاتھی جتنی کیوں نہیں ہوتی؟
آپ کو اس کائنات کو مسخر کرنے ہی تو دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ ادھر محنت کی
کی ضرورت ہے، سمجھیے اور دیکھیے آپ خود کتنا عرصہ زندہ رہتے ہیں۔
حق تعالیٰ اس بابت میں ارشاد فرماتے ہیں:
سورۃ انبیاء، آیت نمبر 32
وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ
اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیرے
ہوئے ہیں۔
آسمان کو محفوظ چھت قرار دیا گیا ہے۔ مگر کیا یہ ضروری ہے کہ جو...

ایک ہی جیسی ہی ہو جیسی ہمارے گھر اس کی ہوتی ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ چھت کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ چھت ہم اس لیے بناتے ہیں کہ اوپر سے آنے والی تیز دھوپ اور بارش کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

آج سائنس کی رو سے ہم جانتے ہیں کہ اگر خلا میں بہت سے دوسرے سیارے اور شہاب ثاقب گردش نہ کر رہے ہوتے تو زمین اب تک ریزہ ریزہ ہو چکی ہوتی۔ زمین کے چاروں طرف موجود گیس کی ایک تہہ ہے جو سورج کی تپش اور کیمیائی اثرات کو ہم تک پہنچنے سے روکتی ہے۔

چاند کے بارے میں قدیم انسان کیا جانتا تھا؟

یہاں ہر چیز کسی نہ کسی مقصد کے تحت ہی وجود میں آئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے مقاصد تلاش کرنے کے لیے ہمیں محنت کرنی ہے۔

تیسرا وہی ہے جو خود احمد حسین نے سوال میں ڈالا کہ کائنات بڑی ہونے پر اعتراض ہے۔ جو چھوٹی ہوتی تو اعتراض نہ ہوتا؟

یہ وہ جواب ہے جس کی بنیاد پر میں ملحدوں کو نفسیاتی مریض کہتا ہوں۔

یعنی کائنات بڑی ہے تو کیوں بڑی ہے؟ اور چھوٹی ہے تو کیوں چھوٹی ہی کیوں ہے؟

صاف ظاہر ہے یہاں سوال کا مقصد جواب حاصل کرنا نہیں بلکہ ان کے برے مقصد اور اعتراض برائے اعتراض ہے۔ یہ کائنات جیسی بھی ہوتی ان کو اعتراض ہی رہتا۔ کیونکہ ان کا ذہن ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔ بس ایک سمت میں سوچتا ہے کہ خدا ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا۔ کہتے ہیں کہ خدا ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا؟ اگر واقعی خدا کا کوئی وجود ہے تو سامنے آئے۔ اگر خدا ان کے سامنے آ جائے تو کہیں گے۔ یہ کیسا خدا ہے جو ہمارے سامنے آ گیا؟ اگر یہ خدا ہوتا تو کبھی انسانوں کے سامنے نہ آتا۔

مقصد کیا ہے؟

صرف فتنہ پھیلانا۔

باقی رہا سوال کہ آیا کائنات واقعی اتنی ہی بڑی ہے جتنی بتائی جاتی ہے؟ انسان کی اس معلومات کا ماخذ کیا ہے جبکہ انسان 70 کی دہائی کے بعد دوبارہ کبھی چاند پر بھی نہ جا سکا۔ اور جو واحد دورہ انسان کا چاند پر ہے اس [illegible] سوالات ہیں جن کا جواب امریکہ آج تک نہ دے پایا۔ ہبل کی دوربین سے [illegible] سکے ہیں؟ کیا ہبل کی دوربین سے اپنے نظام شمسی کے باہر دیکھنا بھی ممکن ہے؟ [illegible] اور اندازوں کا وہ کون سا عمل ہے جس کے نتیجے میں ہم کروڑوں کائناتوں کا [illegible] ہیں۔

یہ تمام سوالات ہنوز تحقیق طلب ہیں۔

O

ایک قرآنی آیت پر سائنسی اعتراض کا جواب

قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا
ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ
فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾ ثُمَّ اسْتَوَىٰ
إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا
أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا
وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾

"ترجمہ: کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مد مقابل بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں۔ (اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں۔"

سورہ فصلت کی ان آیات پر ملحدوں نے [illegible] ۹ تا ۱۲

صرف اس کا بنیادی اعتراض مختصراً عرض کر دیتا ہوں [illegible]

ان کا کہنا یہ ہے کہ سورہ فصلت کے مطابق اللہ نے [illegible]
اس میں موجود چیزیں چار دن میں بنائیں اور [illegible] سات آسمان [illegible]
پورا کائناتی نظام شامل ہے۔ ان کا نکتۂ اعتراض یہ ہے کہ [illegible]
نسبتاً کم پیچیدہ تھیں ان کو بنانے میں اللہ تعالیٰ کو چار دن لگ گئے جب کہ [illegible]
جس میں سورج چاند ستارے جن کی تعداد سائنس کی نظر میں اربوں میں ہے [illegible]
پیچیدہ ہے وہ محض دو دن میں تیار ہو گئی؟

ملحدوں نے مسلمانوں کی اس وضاحت کو بھی تسلیم [illegible]
دن نہیں بلکہ دو عہد بھی ہو سکتے ہیں مگر پھر بھی یہ ممکن نہیں۔

جواب: سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ جب قرآن میں یوم [illegible]
تو مسلمانوں میں اس سے مراد دن کے بجائے ایک عہد یا ایک دور کیوں لیا جاتا ہے؟
صرف اسی نکتے کو سمجھ لیجیے تو پوری بات سمجھ لیجیے۔

سائنس کے مطابق دن کسے کہتے ہیں یا وقت کا کیا مطلب ہے؟ یعنی [illegible]
میں زمین اپنے محور کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں لگاتا ہے اسے ایک دن کہتے ہیں اور [illegible]
زمین کو سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرنے میں لگتا ہے اسے ایک سال کہتے ہیں۔ [illegible]
ٹھیک کہہ رہا ہوں؟

اور اگر میں فرض کروں کہ زمین ابھی بنی ہی نہیں۔ سورج کا بننا ابھی باقی ہے تو
[illegible] کون سا دن اور کون سا سال اور کون سا وقت؟ نہ زمین نہ سورج۔ اب
سال نہ وقت کا کوئی تعین؟ اب بتائیے اپنے سارے سائنس والوں کو [illegible]
[illegible] وقت؟

[illegible] میں [illegible] انسان اندازے بھی [illegible]

ہے باہر نہیں نکلتا۔ یہ جانے بغیر کہ اللہ تعالیٰ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اس کو بھی کام اپنی صلاحیتوں سے پرکھنے کی کوشش کرتا ہے اور غور کرتا ہے۔ سائنس کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ وقت کا تعلق گردش سے ہے پھر کیا دلیل ہے ان کی تخلیق جن کی گردش سے وقت بنتا ہے جسم کے بنانے میں صرف ہونے والے وقت پر بحث کرتا ہے۔

چلیں میں فرض کر لیتا ہوں کہ یہ کائنات اللہ نے نہیں بنائی بلکہ خود بخود وجود میں آئی تو اب آپ اس کے بننے کے وقت کا تعین کیسے کریں گے کہ جس زمین اور سورج سے آپ وقت کو ناپتے ہیں ان کا بننا ابھی باقی ہے اور ان کی تخلیق کے بعد ہی وقت تخلیق ہوگا۔ تو اب آپ مجھے سمجھا دیجئے سائنس کی روشنی میں کہ کتنے وقت میں بنی زمین اور کتنا وقت صرف ہوا بننے میں؟

سائنس کے اپنے اعتقادات کے مطابق بگ بینگ کے وقوعے سے پہلے وقت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس طرح آپ یہ مانتے ہو کہ زمین اور سورج بگ بینگ سے تخلیق ہوئے اسی طرح آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وقت کی تخلیق کائنات کے بعد وجود میں آئی۔ کیونکہ زمین اور سورج کا پہلے بننا ضروری ہے پھر وقت تخلیق پائے گا۔

یہ ہے وہ وجہ جس کی بنیاد پر قرآن میں لکھے لفظ یوم کو ایک عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے چیزوں کو تخلیق کرنے کی مثال یہ نہیں کہ جس طرح ایک ماہر کاریگر کسی چیز کو تخلیق کرنے میں اپنا وقت اور اپنی محنت صرف کرتا ہے۔ بلکہ اللہ کا امر ہے جتنے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ یہی بات سورہ فصلت میں بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ نے آسمانوں کو دو دنوں میں سات آسمان بنائے۔ یہ نہیں کہ بنایا بلکہ یہ کہا کہ بن جاؤ اور وہ بن گئے۔ کوئی محنت نہ وقت کا کوئی شمار، کوئی تھکان۔ اللہ بس ارادہ کرتا ہے وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ [illegible] سال کی بات تھی یہ کام کی مدت جیسے بیان کی جاری ہے [illegible] [illegible] اب بن جاؤ چاہتا ہے اسے حکم جاری کرتا ہے [illegible]

پھر تو آپ کو کہیے خدا کہا جائے اسے آسمان دنیا کو پیدا
کرنے کے لیے ضروری اور اسٹیل کی کیلوں کی ضرورت پڑی ہوگی؟ کوئی بھی
انسان سے دس گنا زیادہ جسم و دماغ رکھتا ہو وہ پوری کائنات کو وہیں تخلیق کر سکتا
بس بات کے عام پر ہوگی؟

اس کائنات کو انسان جتنا زیادہ سمجھے اتنا اچھا ہے کہ عقل ہی ہی
کہ اس کے ذریعے اپنے رب کو پہچانو۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ جس دین و علم
بعد میں سائنس ایک جگہ پہنچ جائے کہ اس کو کوئی بتا کیسے سکتا ہے اس کے پاس سے
حصہ کی وجہ سے وجود قائم ہو گیا۔ سبحان اللہ

ایک حصہ یہ ہے کہ یہ کائنات خود بخود تخلیق پا گئی۔
اور ایک یہ کہ اللہ نے کن فیکون کہا اور تخلیق پا گئی۔
بس اتنی سی بات کا فرق ہے۔ آپ کے لیے دوسرا کامل جگہ ہے

کائنات کی پیدائش چھ ایام یا آٹھ ایام؟

سورہ الاعراف 7۔ آیت 54

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ
الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾

"کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار خدا ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ اور اسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب خلق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے)۔ یہ خدا رب العالمین بڑی برکت والا ہے ۵۴"

سورہ یونس 10۔ آیت 3

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ
رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾

"تمہارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے پھر (تخت شاہی) پر قائم ہوا وہی ہر ایک کا انتظام کرتا ہے کوئی (اس کے پاس) اس کی

اجازت کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا یہی خدا تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو
بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟"

سورہ ہود 11۔ آیت 7

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِن قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِن بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (7)

"اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے"

سورہ الفرقان 25۔ آیت 59

الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا (59)

"جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا (وہ جس کا نام) رحمٰن (یعنی بڑا مہربان ہے) تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کر لو"

سورہ السجدہ 32۔ آیت 4

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُم مِّن دُونِهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ (4)

"خدا ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا اس کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے"

ساری کرنے والا۔ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ ۳۲''

قرآن۔ سورہ ق 50۔ آیت 38

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا
مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان میں ہے سب کو چھ دن میں بنا دیا۔
اور ہم کو ذرا تکان نہیں ہوئی ۳۸''

سورہ الحدید 57۔ آیت 4

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ
وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾

''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا۔
جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی اور جو اس کی
طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے۔ اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور جو
کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے ۴''

سورہ فصلت 41۔ آیت نمبر 9 تا 12

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِىْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗ
اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا
وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِىْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى
السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا
طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا
وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ
﴿۱۲﴾

جو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مد مقابل

بناتے ہو۔ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ

بنائے اور زمین میں برکت رکھی اور اس میں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں

(اور تمام) طلبگاروں کے لئے یکساں۔ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس

نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ

ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا

اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا اور محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور خبردار) کے

(مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں ۱۲"

قارئین! قرآن کریم کی جتنی بھی آیات میں زمین و آسمان کو تخلیق کرنے کی

مدت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے وہ چھ دن ہی ہے۔ جس کی مثالیں میں نے اوپر پیش کیں

مگر سورہ فصلت میں اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے دو ایام اور ان میں موجود

تمام چیزوں کی پیدائش کے چار ایام کو الگ الگ بیان کیا جس پر ملحدین کا اعتراض ہے کہ

اگر ان کو جمع کیا جائے تو آٹھ دن بنتے ہیں۔ حالانکہ یہ محض ایک غلط فہمی ہے جو کم عربی کا

علم نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

سورہ یاسین 36۔ آیت 82

إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾

"اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ

ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے ۸۲"

اور یہی بات اللہ نے سورہ فصلت کی آیت 11 میں بیان فرمائی کہ

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا

طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾

"پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے

جنہوں نے آؤ خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں (11)

اب یہاں واضح طور پہ آسمان سے سات طبق زمین کو وجود میں لانے کا بھی ذکر ہو رہا ہے جو دو دن میں ہوا۔ سورہ فصلت کی آیت نمبر 9 میں بیان کئے گئے آیت نمبر 11 میں ان کی وضاحت ہو گیا۔ یعنی دو دن زمین اور آسمان کی تخلیق کے اور چار دن ان کی تزئین و آرائش کے۔

تفسیر طبری کا نہیں ہے۔ ان آیات سے بعض مسلمان مفسرین نے بھی دھوکا کھایا ہے۔ کسی نے ان آیات کی تفسیر میں چار دن میں زمین اور اس کی باقی آرائش اور دو دن میں صرف آسمان کی تخلیق کو بیان کیا ہے۔ اور بعض نے دو دن میں زمین و آسمان اور چار دن میں تزئین و آرائش کو بیان کیا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان مفسرین نے صرف تفہیم کر کے کھایا ہے تعداد میں نہیں۔

بنیادی بات یہ ہے کہ زمین و آسمان کی چھ دن میں تخلیق کا بیان اتنے زیادہ تواتر سے قرآن میں آیا ہے کہ اس کے بعد سورہ فصلت کی ان آیات سے یہ بات اخذ کی ہی نہیں جا سکتی کہ یہاں چھ دن آٹھ دنوں میں بدل گئے ہوں گے جبکہ یہاں صرف دنوں میں بنانے کے مرحلوں کا ذکر ہو رہا ہے تا کہ کل تعداد بتائی جا رہی ہے کہ زمین و آسمان آٹھ دن میں بنے۔

اس تضاد کو صرف ایک ہی صورت میں تضاد دیکھا جا سکتا تھا کہ ایک آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق کے لئے چھ دن کی مدت بتاتا اور کسی اور آیت میں آٹھ بتا دیتا۔

مگر یہاں ایسا کچھ نہیں ہوا۔ یہاں زمین و آسمان کی تخلیق کے لئے چھ دن کی مدت مختلف جگہوں پہ قرآن خود بتا رہا ہے مگر سورہ فصلت سے آٹھ دن کی مدت نہیں بتا رہا بلکہ خود یہ حساب کتاب لگا رہے ہیں۔ یہ جانے بغیر کہ قرآن پچھلے دن سے [illegible] محفوظ ہوتا چلا آیا اور آج تک دنیا میں جتنے اس کتاب کے حافظ ہیں اتنے

کسی اور کتاب سے نہیں۔ پھر اگر یہ غلطی ہوتی تو فوراً عیاں ہو جاتی کہ پچھلے
اب تک دامن ، ہے اس تو آ رہی ہے۔ جی نہیں۔ اس کو کسی بھی دور میں غلطی کہا
گیا۔ نہ ہی یہ غلطی ہے۔ یہ غلطی صرف اس شخص کی ہے جس نے حساب کرتے وقت
گزشتہ سات آیات کو قصداً نظر انداز کر دیا اور زمین کے دو دن لگ گئے اور آسمان کے
دن الگ۔ جبکہ حقیقت میں زمین اور آسمان کی پیدائش کے لئے دو دن کا ذکر کیا گیا ہے
اصل صورت حال یوں ہے کہ سات مختلف مقامات پر قرآن زمین و آسمان کی
پیدائش کی مدت چھ دن بتاتا ہے اور سورۃ فصلت میں تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ زمین دو دنوں کی مدت میں تخلیق ہوئی۔

۲۔ زمین میں موجود چیزیں چار دن کی مدت میں تخلیق ہوئیں۔

۳۔ زمین و آسمان دو دن کی مدت میں تخلیق ہوئے۔

اب یہاں سے یہ منطقی مغالطہ جنم لیتا ہے کہ جن دو دنوں کی مدت میں زمین تخلیق
ہوئی ان میں کچھ اور تخلیق نہ ہوا ہوگا جبکہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اللہ کی تخلیق کے پیچھے
سے مراد بس ایک لفظ "کن" ہے۔ اللہ صرف ارادہ کرتا ہے مشقت نہیں کرتا۔ اور جب
کی اگلی آیات میں یہ بات واضح ہو چکی کہ زمین و آسمان ایک ساتھ تخلیق ہوئے تو کچھ
والے لوگ کم از کم اتنی سمجھداری کا ثبوت ضرور دینا چاہیے کہ یہ دو دن پچھلی آیات میں زمین کے
لیے بیان کردہ دو دنوں سے الگ کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ آپ کے پاس چھ دن میں زمین
آسمان کی تخلیق کی سات مختلف آیات بھی موجود ہوں؟

اس منطقی مغالطے کی ایک وجہ یہاں استعمال ہونے والا لفظ "ثم" بھی ہے جو
عربی میں زیادہ تر "پھر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی "اس کے بعد"۔ مگر
اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ نہ صرف عربی کا لفظ "ثم" بلکہ اردو کا لفظ "پھر" بھی
دوسرا لفظ "مزید" یا انگریزی کے لفظ "further" کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں

15

"میں صبح نو بجے آفس جاتا ہوں اور شام چھ بجے واپس آتا ہوں پھر میں چائے پی لیتا ہوں پھر جو تیج کا وقفہ ہے سو جاتا ہوں۔"

اس جملے میں لفظ "پھر" اگر آپ ترتیبی معنوں میں یا "اس کے بعد" کے معنوں میں استعمال کریں گے تو الجھ جائیں گے۔ لہٰذا یہاں اس کا ترجمہ "مزید" کے معنوں میں کیا جائے گا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ قرآن عقل والوں کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ تو جو لوگ عقل رکھتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات سے کیا مراد ہے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو سمجھنے کے باوجود الجھے ہی رہتے ہیں اور اپنے آپ کو خبط العقل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ سب کو عقل و ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

O

قرآن کی زبان

قرآن کی زبان عربی کیوں ہے؟

قرآن کسی اور زبان میں کیوں نازل نہ ہوا؟

کیا اللہ تعالیٰ کو صرف عربی زبان آتی تھی جو قرآن کو عربی میں نازل کیا؟

یہ وہ سوالات ہیں جو رات کو مجھ سے پوچھے گئے۔

"قرآن کی زبان عربی کیوں ہے؟ کیا خدا صرف عربی جانتا ہے؟"

یہ سوال ایسا ہے کہ کچھ غور کر لیا جائے تو خود ہی سمجھ آ جاتا ہے۔ کیا اللہ کا اصول صرف قرآن کے نزول کا ہے؟ جی نہیں۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں قرآن وہ واحد کتاب ہے جو عربی زبان میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے انجیل نازل ہوئی۔ اس سے پہلے زبور، اس سے پہلے تورات۔ پھر جتنے انبیاء آئے سب پر صحیفے بھی نازل ہوئے۔ کیا یہ سب کچھ عربی میں یا کسی ایک زبان میں نازل ہوا؟ اصول یہ نہیں کہ نازل کرنے والا کون سی زبان جانتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ جس پر نازل کیا جا رہا ہے وہ کون سی زبان جانتا ہے۔ نبی کا کام صرف اپنے پر نازل کردہ کتاب کو لوگوں تک پہنچا دینا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو پڑھ کر سنانا، لوگوں کو اس کی بابت سمجھانا بھی اسی کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر جس نبی پر کتاب نازل کی جا رہی ہو وہ اس زبان سے واقف ہی نہ ہو جس زبان میں کتاب نازل کی جا رہی ہے تو پڑھ کر کیسے سنائے گا؟ سمجھائے گا کیسے؟

نزول کی زبان کا تعلق نازل کرنے والے کی زبان سے نہیں بلکہ جس پر نازل

[illegible] سے کرتا ہے۔

اب اعتراض منطقی طور پر یہ نہیں کہ اللہ کی زبان کیوں ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ [illegible] عربی کیوں ہے؟ انگریزی میں کیوں نہیں؟ فرانسیسی میں کیوں نہیں؟

اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں۔ کیوں کہ جو اعتراض [illegible] انگریزی اور فرانسیسی پر بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ پھر یوں کہنا کہ [illegible] جا کر مطلب لیا جائے گا کہ جتنی زبانیں اللہ کو آتی ہیں اتنی ہی زبانوں میں قرآن [illegible] واجب تھا؟

اب اس پر بات کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بلاشبہ دنیا کی ہر بولی جانے والی زبان سے واقف ہے۔ [illegible] بلکہ جتنی بھی مخلوقات اللہ نے پیدا کی ہیں ان سب کے دلوں کے بھید تک سے واقف ہے اور کیوں نہ ہو؟ تخلیق سے خالق ہی نہ واقف ہو تو کون واقف ہوگا؟

تو کیا قرآن کو دنیا کی ہر زبان میں نازل ہونا چاہیے تھا؟ جیسے [illegible] میں کوئی ایک بھی نبی ایسا گزرا جو ہر زبان سے واقف ہو؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی نبی پر دنیا کی ہر زبان میں قرآن [illegible] زبان والا قرآن تو وہ سمجھ بھی سکتا تھا سمجھا بھی سکتا تھا۔ [illegible] زبانوں میں نازل شدہ [illegible] کیا جاتا؟

ایک صورت یہ سمجھ آتی ہے کہ اپنی زبان والا قرآن اپنے پاس رکھ [illegible] زبانوں کے قرآن ان زبانوں کو بولنے والوں کو بھجوا دیا جاتا۔ اس پیغام کے ساتھ کہ [illegible] کو پڑھ کر اس پر ایمان لے آؤ۔ اس سے کیا ہوتا؟ کیا ساری دنیا [illegible] نازل شدہ قرآن پر ایمان لے آتی؟ قرآن عربی زبان میں ایک عرب شخص پر [illegible] اس کو ایک طویل عرصے تک سمجھانا پڑا۔ ایک طویل اور [illegible] سالہا سال میں جو آج دنیا کے سامنے ہیں۔ [illegible] قرآن کو [illegible]

نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود موجود تھے۔ وہاں کیا ہوتا جہاں شخص ان کی زبان کا نہ
جانتا کہ اس کو پڑھ کر خود ہی سمجھ لیتا؟

آگے چلتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ نبی بھی ایک نہ ہوتا بلکہ ہر زبان کا قرآن ہر زبان بولنے والے الگ الگ شخص پہ نازل کیا جاتا۔

سبحان اللہ۔ جن خاتون نے اعتراض اٹھایا ان کے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کو سمجھ نہ پانے کی وجہ سے فرقہ واریت پھیلتی ہے۔ ہر فرقہ اپنی اپنی مرضی کا مطلب نکالتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ جو کتب اس سے پہلے نازل ہو چکیں۔ جو مختلف زبانوں میں مختلف قوموں کے انبیاء پہ نازل ہوئیں۔ ان میں اور مسلمانوں میں کیا اختلاف نہیں؟ بنیادی پیغام تو ہر کتاب کا ایک ہی ہے۔

آج تو صورت حال یہ ہے کہ مسلمان ایک اللہ ایک قرآن اور ایک رسول کے نام پر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں ایک دوسرے خطے میں بسنے والے اہل قرآن میں آپس میں وہی فرق ہوتا جو عیسائیوں میں اور مسلمانوں میں ہے۔ یا جو یہودیوں میں اور مسلمانوں میں ہے۔ پھر یک جہتی یا اتحاد کس بات پر ہوتا؟ قرآن الگ نبی الگ؟ کعبہ بھی سب کے الگ الگ ہوتے۔ ہم مکہ کیوں جاتے؟ مکہ کی طرف رخ کر کے نماز کیوں پڑھتے؟ اردو بولنے والوں کا کعبہ کراچی میں ہوتا اور پنجابی بولنے والوں کا لاہور میں؟

بلاشبہ اس وقت دنیا میں فرقہ واریت ہے۔ ہم میں حنفی ہیں شافعی ہیں، مالکی ہیں حنبلی ہیں دیوبندی ہیں بریلوی ہیں اہل حدیث ہیں۔ مگر اس صورت میں کیا ہوتا؟ پنجابی مسلمان ہوں یا پٹھان مسلمان یا گجراتی مسلمان یا انگریز مسلمان؟

سوال پوچھنے والی خاتون کو یہ دلائل کہ فرقہ واریت پہ ہی تو یہ اعتراض اٹھا

یہ صورت حال سامنے آئے گی وہ تو فرقہ واریت سے زیادہ خطرناک ہے۔ آج بھی
سبب یہ ہے کہ ہم ایک قرآن ایک رسول کے نام پر بھی۔ کبھی اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ مگر سب کا
قرآن الگ رسول الگ پھر تو اتحاد ممکن ہی نہیں۔ لہٰذا جو بہترین صورت ممکن تھی وہ یہی تھی کہ
ایک ہی ہو اور جو اس کی زبان ہو اس میں قرآن نازل کیا جائے۔ پھر بے شک دنیا بھر کی
زبانوں میں اس کا ترجمہ کر دیا جائے۔ وہ نبی اس کتاب کو لوگوں کو پڑھ کر سنائے۔ اس کو
سمجھائے اور ایک بہترین معاشرہ تشکیل دے۔

پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ آج جن مسائل سے دنیا دوچار ہے
ان تمام کا حل اپنی مکمل وضاحتوں کے ساتھ آسمان سے ہی اتر جانا چاہیے تھا من وعن رسول کی
طرف۔

اس موضوع کو بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہدایت بالرغبت کی
ہے نہ کہ ہدایت بالجبر کی۔

اس کی مثال یوں لیجیے کہ ایک شخص کے چار بچے ہیں۔ وہ گھر میں پھل لے کر آتا
ہے۔ اب بچوں کے سامنے وہ پھل پیش کرنے کے دو طریقے ہیں۔

یا تو وہ ان پھلوں کو برابر تقسیم کر کے ہر بچے کو اس کا حصہ دے دے۔

یا پھر وہ سارے پھل بچوں کے سامنے رکھ دے اور دیکھے کہ کون سا بچہ از خود
سلیقے سے اپنے حصے کا پھل کھاتا ہے اور کون سا لالچ اور طمع میں پڑ کر اپنے حصے سے زیادہ
کھاتا ہے۔

ہمیں بظاہر پہلی صورت زیادہ بہتر نظر آتی ہے کہ ہر بچے کو اس کا حصہ مل
جائے اور نہ جھگڑا نہ فساد۔ اگر مقصد صرف بچوں کو پھل کھلانا ہو اور اس کے سوا کوئی اور مقصد
نہ ہو تو پہلی صورت واقعی بہترین ہے۔ مگر کیا اللہ تعالیٰ نے بھی یہ دنیا ہمیں اپنی نعمتوں سے
مستفید کرنے کے لیے بنائی ہے بس؟ کوئی اور مقصد نہیں اس کا؟

دوسری صورت اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ہر بچے کی نفسیات۔ صرف پھل

چاہے کی بلکہ اس کے خلاف اس کو سمجھانے یا سزا دینے کی خاطر آپ سے ...
ایک ثبوت ہوگا۔

شاید آپ کو اس تجربے کے بغیر بھی اندازہ ہو کہ آپ کا کون سا چوائس ...
شکار ہے۔ مگر اگر آپ ساری زندگی پہلی صورت اختیار کیے رکھیں تو سزا دینا تو دور ...
سمجھا بھی نہیں سکتے۔ اس کو راہ راست پر بھی نہیں لا سکتے۔ ...
کر دے گا کہ میں نے کیا کیا ہے؟ میرا قصور کیا ہے؟ جو چال میرے حصے آپ نے ...
وہی تو کرتا ہوں اس میں لالچ کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا آزمائش کی خاطر بنائی ہے۔ اس لیے ممکن ہے اللہ ...
بہت سی ایسی پالیسیز ہوں جن سے ہمیں اختلاف ہو۔ ہمیں لگے کہ یہ ہمارے ...
نہیں۔ مگر اللہ کو زیادہ پتہ ہے کہ اس نے یہ دنیا کیوں بنائی ہے۔ انسان آپس میں ...
کرے گا۔ فساد پھیلائے گا۔ زیادہ سے زیادہ کیا کر لے گا؟ ایک انسان دوسرے کو ...
ڈالے گا؟ اللہ کو پتہ ہے کہ اللہ دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے لہٰذا وہ نقصان جس کو ہم ...
سمجھتے ہیں وہ اللہ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ اس سے دو انسان (...
اور مقتول) آزما لیے جائیں گے۔

○

کیا عورت ناقص العقل ہے؟

کیا عورت ناقص العقل ہے؟

کیا ان کے دین میں نقص ہے؟

اگر ایسا ہے تو وہ اس سلسلے میں کر کیا سکتی ہیں جبکہ یہ بات فطرتاً ان میں شامل کر دی گئی؟ پھر ان کے جہنم میں جانے میں ان کا کیا قصور؟

یہ کچھ سوالات ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔

جس حدیث سے یہ بات اخذ کی گئی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ، ایسا کیوں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو باوجود عقل اور دین میں ناقص ہونے کے۔ میں نے تم سے زیادہ کسی کو بھی ایک عقلمند اور تجربہ کار آدمی کو دیوانہ بنا دینے والا نہیں دیکھا۔ عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہمارے دین اور ہماری عقل میں نقصان کیا ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی سے نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی اس کی عقل کا نقصان ہے۔ پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا: کیا یہ سچ نہیں ہے کہ جب عو

• حیض ہو تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے؟ عورتوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہی اس کے دین کا نقصان ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب ترک الحائض الصوم، حدیث: 305)

اس حدیث سے درحقیقت مومنہ خاتون کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ نبی نے پیغمبری آپ کو صاحب عقل نہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہ صرف تحریف معنی ہے۔

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی زبان میں ناقص سے مراد عیب نہیں بلکہ کمی ہوتی ہے۔ جس کی ایک مثال حدیث میں ہی بیان ہو گئی کہ عورت حیض کے دنوں میں عبادت سے دور رہتی ہے لہٰذا اس کو عبادات کے لئے موقع میسر نہیں جو مرد کو ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ناقص العقل ہر عورت کو قرار نہیں دیا گیا بلکہ عورتوں کی کثرت کی بات کی گئی ہے۔

اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ اگر میں کہوں کہ امریکہ میں امریکی رہتے ہیں تو یہ بات سچ ہونے کے باوجود امریکہ میں تمام رہنے والے پر لاگو نہیں ہو گی۔ کیوں کہ وہاں امریکیوں کے علاوہ دوسری قومیں بھی آباد ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہاں امریکی رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اس حدیث کا مقصد عورت کو احساس کمتری میں مبتلا کرنا نہیں بلکہ ان کو اس کمی کو دور کرنے کا ایک طریقہ بتانا ہے۔

پہلا طریقہ: عورتیں لعن طعن کرتی ہیں۔ لہٰذا وہ اس معاملے میں احتیاط کریں تو یہ کمی دور ہو جائے گی۔

دوسرا طریقہ: شوہر کی ناشکری کرتی ہیں۔ ساری زندگی اس کی کمائی کھاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ تم سے ہمیں ملا ہی کیا ہے؟ اس کمی کو دور کیا جائے۔

نہ ملے تو خیرات سے صدقہ کیا کرو۔

یعنی اس میں بتایا ہے کہ کس چیز سے یہ نقص دور ہو جا سکتا ہے۔

اس کی مثال ایک ایسے شاگرد کی ہے جو سال میں دو مہینے بیمار رہنے کی وجہ سے سکول نہیں جا سکا۔ امتحان سے پہلے اس کا استاد اسے خصوصی نصیحت کرتا ہے کہ تمہیں زیادہ محنت کرنا ہوگی ورنہ تمہاری تعلیم میں نقص آ جائے گا۔ تم دو مہینے اسکول نہیں آئے اب دوسرے شاگردوں سے زیادہ محنت کرو گے تو آگے نکلو گے۔

مگر عورتوں کو یہاں زیادہ محنت کی تلقین بھی نہیں کی گئی۔ جن نمازوں اور روزوں سے وہ کسی صورت جان نہیں چھڑا سکتیں عورتیں اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے محض صدقہ سے ہی ان نمازوں اور روزوں کے (جو مخصوص ایام میں ضائع ہوئے) مردوں سے آگے نکل جائیں۔ کس نے روکا ہے؟ اس قسم کی آفر مردوں کو کی جاتی تو شاید وہ ہاتھوں ہاتھ لیتے۔ کیونکہ صدقے کی کم سے کم حد کھجور کا آدھا ٹکڑا ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہم قرآن میں سورہ مریم کی تلاوت کریں اور ہر عورت کو ناقص سمجھیں؟

کیا مریم علیہا السلام کی فضیلت قرآن میں بیان نہیں ہوئی؟

فرعون کی بیوی آسیہ؟

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا؟

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا؟

کیا ہو اگر خواتین بجائے اس حدیث سے اپنی کمتری کے احساس کو اخذ کرنے کے اس پر عمل کریں جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب نے کیا؟ بخاری کی حدیث نمبر 1402 جو اسی حدیث کا اگلا تسلسل ہے اس میں بیان ہوا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو یہ نصیحت کر کے گھر پہنچے تو انہیں اطلاع دی گئی کہ ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب تشریف لائی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تو بتایا کہ آپ نے صدقے کا اعلان کیا تھا۔ اس سلسلے میں کچھ زیور لے کر حاضر ہوئی ہوں۔

کیا یہاں عقل استعمال نہیں ہوئی؟

یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے برابر نہیں بنایا۔ جیسے کسی بھی انسان کو دوسرے انسان کے برابر نہیں بنایا۔ قوموں کی ذہانت میں فرق ہوتا ہے۔ بے شک اللہ نے مردوں کو جو عورتوں سے طاقت، عقل اور فیصلہ سازی میں برتری دی ہے۔ کیا اس کو مجموعی برتری کہا جا سکتا ہے؟

ایک خاتون اپنے بچے کی جس طرح تربیت کرتی ہے۔ اس سے محبت کرتی ہے۔ اس کے لئے قربانیاں دیتی ہے۔ اس کی نیند کی خاطر اپنی نیند خراب کرتی ہے۔ وہ تربیت کر کے اس کو معاشرے کا ایک کارآمد مرد بناتی ہے۔ کیا یہ کام مرد بھی اسی خوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ کوئی مرد دنیا کے جتنے مرضی بڑے منصب پر حکمرانی کرے وہ رفع حاجت کے بعد طہارت حاصل کرنے کا طریقہ بچپن میں اس کی ماں ہی نے اسے سکھایا ہے۔

اس اصول کو ذہن میں بٹھا لیں کہ اللہ نے جس کو جس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے اس کو اسی مناسبت سے صلاحیتیں بھی دی گئی ہیں۔

سورج اور چاند میں سے کیا بہتر ہے؟

ان میں سے کون زیادہ مفید ہے ہمارے لئے؟

سورج گرم مزاج اور چاند ٹھنڈا مہربان۔

دونوں ضروری تھے اور دونوں ویسے ہی تھے جیسا اللہ نے ان کو بنایا۔ آپ سمجھیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ کیا مرد نہیں بہک سکتا؟ کیا اسے نہیں الجھایا جا

کی رہنمائی فہرست میں پیش کرنا چاہیے۔

بالکل کرنا چاہیے۔ بلکہ مرد حضرات نے ہی سب سے پہلے عورتوں کے ساتھ رشتے
ہوتے ہیں۔ کیا بیوی اور بیٹیاں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہاں برتری مرد ذات کی برتری سے
کی جائے گی یا رشتے کی برتری سے؟

مثال کے طور پر ایک باپ اپنی بیٹی کے اکاؤنٹ کی نگرانی کرتا ہے تو کیا بیٹی کو بھی
باپ کی نگرانی کرنی چاہیے؟ اگر ایک ماں یعنی کہ عورت اپنے بیٹے یعنی کہ مرد کی نگرانی کرتی
ہے تو کیا بیٹے کو بھی ماں کی نگرانی کرنی چاہیے؟

ذرا سوچیے کہ بیٹی باپ کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیتی ہے تو اب آگے کیا کیا جائے؟ بیٹی
کے ہاتھ میں جوتا پکڑا دیا جائے اور باپ کا سر اس کے قدموں میں رکھ دیا جائے؟

بات وہ کرنی چاہیے جس کا کوئی سر پیر ہو۔ صرف ایک میاں بیوی کے رشتے کو بنیاد
بنا کر انصاف کی گفتگو کرنے والی خواتین کو یہ بھی بتانا چاہیے کہ جب ایک ماں صرف اپنے رشتے
کی برتری کے احساس تلے اپنے بیٹے کے منہ پر تھپڑ مارتی ہے تو کیا اس سے مرد ذات کی
تذلیل ہو جاتی ہے؟

جس طرح ماں کا رشتہ بیٹے سے برتر ہے، باپ کا رشتہ بیٹی سے برتر ہے۔ بالکل
اسی طرح شوہر کا بیوی سے برتر ہے۔ جس کو نہیں تسلیم وہ طلاق لے اور اپنی ماں کے گھر بیٹھ
جائے۔ دنیا بھر کی طلاق یافتہ خواتین یہی کام کرتی ہیں۔

دنیا کے ہر نظام میں ایک کے اوپر ایک نظام بنایا جاتا ہے۔ عوام کے اوپر
حاکم، پولیس کے اوپر اینٹی کرپشن ڈیپارٹمنٹ۔ مگر عوام صرف شکایت کرنے کی مجاز ہوتی
ہے نہ کہ براہ راست سراپا فساد کا راستہ اختیار کرے۔

اسلام میں بھی ایک کے اوپر ایک نظام موجود ہے۔ اس نظام میں سب سے اوپر
اللہ رب العزت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

خواتین اور اسلام

دینِ اسلام کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ خواتین سے انصاف نہیں کرتا یا اس میں مردوں کی اہمیت تھوڑی زیادہ ہے۔

یہ اعتراض عموماً غیر مسلموں اور خصوصاً ملحدوں کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

اس الزام میں کتنی حقیقت ہے اور الزام لگانے والے اس کے بدلے میں متبادل نظام رکھتے ہیں۔ اس پر بات کرتے ہیں۔

سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اسلام عورت اور مرد کو برابر نہیں سمجھتا۔

یہ اعتراض ایک مرتبہ ایک ملحد نے میرے سامنے کیا تھا۔ میری عادت نہیں میں کسی کی حق بات کی تکذیب کر کے باطل کا دفاع شروع کر دوں۔ میرا ماننا ہے کہ سچ صرف اور صرف سچ کا ہو چاہے کسی ملحد کے منہ سے نکلے۔ انہوں نے کہا اسلام عورت اور مرد کو برابر نہیں سمجھتا۔ یہ بات مجھے سچ لگی۔ میں نے فوراً تسلیم کر لی۔

مگر پھر یہ پوچھنا میرا حق تھا کہ کیا سائنس عورت اور مرد کو برابر تسلیم کرتی ہے؟ کوئی دوسرا مذہب عورت اور مرد کو برابر سمجھتا ہے؟ کوئی ایسا علم یا کوئی ایسی منطق جس کے مطابق عورت اور مرد برابر ہوتے ہوں؟

ایک اعتراض کی بنیاد پر مجھے میرا دین چھوڑنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے کہ اسلام میں عورت اور مرد برابر نہیں ہوتے لہٰذا اسے چھوڑ دو تو کیا میرا حق نہیں بنتا یہ پوچھنے کا کہ اس کا متبادل کیا ہے؟ کیا الحاد میں عورت اور مرد برابر ہوتے ہیں؟

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حقوق و فرائض کی [illegible]

اسلام مردوں کو بھی [illegible]

سورہ النور ۔ آیت 30 31

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

"مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان سے خبردار ہے۔ ۳۰ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (یعنی زیور کے مقامات) کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو ان میں سے کھلا رہتا ہو۔ اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹیوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے

گئی ہے۔ جتنی خوبصورت عورت اشتہار میں ہوگی پراڈکٹ اتنی زیادہ بکے گی۔ اور پراڈکٹ سے کہیں پہلے بکے گی وہ عورت۔ چند ٹکوں کے عوض اس کا خوبصورت چہرہ اور خوبصورت جوانی اسے بازار میں ایک ٹی وی اشتہار کے پیچھے بیچ دیتی ہے۔ لوگ گھر والے اپنے گھروں میں بیٹھ کر اس عورت کے جسمانی اعضاء کو بھی گھور رہے ہوں گے۔ اس عورت کی خوبصورتی کی آڑ میں کمپنی اپنا پراڈکٹ بیچتی ہے۔

اسلامی سیرت میں شامل ہے صنفِ نازک۔ اس لیے رجوع ہوتے ہوئے اسلام نے ... منڈی بنا دیا جاتا ہے۔ غلاموں اور لونڈیوں کی منڈی میں مسلمان لونڈیوں سے کام کرتے تھے۔

کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ کون سی منڈی ہے جس میں ایک خوبصورت عورت کو سب کے سامنے بازار میں بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس کی ویڈیو بنا کر ساری دنیا کے سامنے اس کو پیش کیا جاتا ہے اور بیچا جاتا ہے۔ چند ٹکوں کے عوض؟

پھر یہ منظر دنیا کو صرف ایک بار نہیں دکھایا جاتا۔ بلکہ ہر تھوڑی دیر بعد آپ کی آنکھوں کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے تاکہ آپ کو یاد رہے۔ عورت کی یہ تذلیل ہر تھوڑی دیر میں ہوتی ہے۔ عورت کو اس کے عوض جو رقم ملتی ہے وہ کتنے دن چلتی ہے؟ رقم ختم ہو جاتی ہے عورت کی رسوائی ختم نہیں ہو سکتی۔ اب عورت لاکھ پردے میں بیٹھی پھرے مگر دنیا کے ذہنوں میں اس کی برہنہ ویڈیو چلتی رہے گی۔ یہاں تک کہ وہ عورت قبر میں جا پہنچتی ہے مگر ویڈیو ذہن میں محفوظ رہتی ہے۔

یہ سب وہ گھناؤنا کاروبار ہے جس کے خاتمے کے لیے مسلم خواتین کے پردے کا حکم دیا گیا تھا۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جا سکتا ہے کہ برابری کے مصداق کیا مرد کو بھی ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا؟

اس کا جواب تو تجربے سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ایک مرد کا پیٹ، ناف سے گھٹنوں تک کا جسم ہے۔ اس پر اسے ستر ہونے پہ
کی تصویر چوٹی کے مغربی کو بھجوا دیں اور پوچھیں اس کی کیا قیمت ہے۔

جواب آئے گا کہ مجھے بھیجی ہی کیوں۔

مگر اسے ہی بازو تک کسی خاتون کی تصویر بھجوا دیں اور منہ مانگے دام
لیں۔

کیا یہ فرق کوئی نہیں؟

ان عقل کے اندھوں کو کوئی سمجھائے کہ سینکڑوں سال پرانی لونڈیاں بھی برہنہ ہوتی تھیں تو بھی دوبارہ ان کا جسم ڈھک بھی دیا جاتا تھا۔ اس کا مالک صرف ایک شخص ہوتا تھا۔ مگر جن لونڈیوں کا ذکر میں آج کر رہا ہوں وہ جب برہنہ ہوتی ہیں تو ہمیشہ کے لیے۔ اب وہ ہر دور زمانے کے سامنے اپنی کمائی سے مہنگے مہنگے کپڑے پہن کر گھومیں جس کا دل چاہتا ہے جب دل چاہتا ہے ان کو ایک کلک پہ دوبارہ ننگا کر دیتا ہے۔ اس کے بے حرمتی کے کئی ماسٹر کسی اور کمپیوٹر کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر شخص ان کے جسم کا مالک ہوتا ہے سوائے ان کی اپنی ذات کے۔

برابری کا نعرہ لگانے والی اور پردے پہ اعتراض کرنے والی خواتین جن مغربی ممالک سے متاثر ہیں وہاں ریپ کیسز کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ ہے۔ وہاں کی خاتون اگر سامنے میں ریپ ہو جائے تو پہلے چیختی ہے، چلاتی ہے۔ پھر جب وہ محسوس کرتی ہے کہ زیادہ شور مچا تو صرف اتنا اطمینان کرتی ہے کہ کسی نے دیکھا تو نہیں؟ پھر کپڑے جھاڑ کر گھر چلی جاتی ہے۔ گھر میں ماں پوچھتی ہے کیا ہوا؟ تو جواب ملتا ہے کہ کچھ نہیں بس کسی نے مجھے سیکس کیا تھا۔ سبحان اللہ۔

اور بیچاری کرے بھی کیا؟ عدالت جائے؟ کیس کرے؟
جہاں برابری کا نعرہ لگا دیا جائے وہاں انصاف بھی برابر ملتا ہے۔
چاہے تو خربوزہ چھری پہ گرے یا چھری خربوزے پہ کٹنا خربوزے نے ہی ہے۔

... برابری کے اصول پر یہ فیصلہ سنا دیا ... ہے ... تمہاری عورت بولی۔
بالکل اسی طرح تم بھی بھری عدالت میں سب کے سامنے ... عورت ...
پیچھے ... سنانے میں ہوا۔ جنگل میں ... چاکی سے ... تھا۔ اب ... عدالت
میں

حرج کیا ہے؟ آخر مرد اور عورت برابر تو ہیں؟

بہتر یہ ہے کہ اپنی عقل لڑانے کے بجائے اپنے خالق کے فیصلے پر تسلیم خم کیا جائے۔ خالق کائنات ہم سے بہتر جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے جسم میں سے کس کو کتنے کام چھپانا ضروری ہے۔ اسی مناسبت سے احکامات دیئے گئے ہیں۔

عورت کی وراثت بھی سمجھ لیں۔

سورۃ النساء۔ آیت 33

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿۳۴﴾

"مرد عورتوں پر مسلط وحاکم ہیں اس لئے کہ خدا نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے خدا کی حفاظت میں (مال وآبرو کی) خبرداری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی (اور بدخوئی) کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کے ساتھ سونا ترک کردو اگر اس پر بھی باز نہ آئیں تو زدوکوب کرو اور اگر فرمانبردار ہوجائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بےشک خدا سب سے اعلیٰ (اور) جلیل القدر ہے ۳۴"

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ
نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ
وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن
لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ
لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (١١) وَلَكُمْ نِصْفُ مَا
تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا
تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن
لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ
وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ
أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ
فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ (١٢)

"[illegible]

دادوں سے کون تم سے زیادہ قریب ہے، یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور خدا سب
جاننے والا اور حکمت والا ہے'' اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ مریں۔ اگر ان کے اولاد
نہ ہو تو اس میں نصف حصہ تمہارا۔ اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا حصہ چوتھائی۔ (لیکن یہ
تقسیم) وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو انہوں نے کی ہو یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو
باقی رہے، کی جائے گی) اور جو مال تم (مرد) چھوڑ مرو۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو تو
تمہاری عورتوں کا اس میں چوتھا حصہ۔ اور اگر اولاد ہو تو ان کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری
وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو اور (ادائے) قرض کے (بعد تقسیم کئے جائیں
گے) اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو نہ بیٹا مگر اس کے بھائی بہن
ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں
شریک ہوں گے (یہ حصے بھی ادائے وصیت و قرض بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان
نہ کیا ہو (تقسیم کئے جائیں گے) یہ خدا کا فرمان ہے۔ اور خدا نہایت علم والا (اور) نہایت
حلم والا ہے ۱۲''

سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۱ اور 12 میں وراثت کی تقسیم بتائی گئی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں عورت کا حصہ مرد سے آدھا ہے۔

مگر کیوں؟ کیا مرد اور عورت کا حصہ برابر نہیں ہو سکتا تھا؟

اگر آپ اس معاملے کو گہرائی میں جا کر دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ عورت کا حصہ آدھا ہونے کے باوجود مرد سے زیادہ ہے اور مرد کا حصہ دگنا ہونے کے باوجود عورت سے کم ہے۔

سورہ النساء کی آیت نمبر 11 اور 12 سے پہلے میں نے سورہ النساء کی آیت نمبر 33 کی تشریح کی ہے۔ اس کو پڑھنے سے بات واضح ہو جاتی ہے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ حقوق و فرائض کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔

مثلاً اگر میں دو میں سے ایک شخص کو سو روپے دوں اور دوسرے کو پچاس روپے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ میں نے دوسرے کو آدھا دے کر اس کا حق مارا۔ مگر

اگر میں سو روپے والے شخص کو پابند کر دوں کہ پچاس روپے [illegible]
رحیم نے کہا: "بے تو اب زیادتی کس کے ساتھ ہوئی؟"

"کیسے؟"

پچاس روپے والے شخص کے پاس پچاس روپے ہی [illegible] اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا اپنا خرچ بھی دو ہزار [illegible] سو روپے والا [illegible] سارے پیسے خرچ کر بیٹھے گا مگر فرض ساتھ پھر بھی نہیں ہوگا۔ [illegible] کر سکا۔

یہی معاملہ اسلام میں عورت اور مرد کا ہے۔ اللہ نے [illegible] اور مرد کو [illegible] ہے۔ ایک عورت جب پیدا ہوتی ہے تو مکمل طور پر اپنے [illegible] باپ کی [illegible] کھانے پینے کپڑوں اور رہائش کے بندوبست کا پابند ہے [illegible] وہ شادی ہونے تک بھائی یا کسی اور قریبی محرم کی ذمہ داری ہے۔ شادی کے بعد شوہر کی ذمہ داری ہے۔ شوہر مر جائے تو بیٹوں کی ذمہ داری [illegible] پیدا ہونے سے مرنے تک اس پر نہ تو کمانا فرض ہے نہ کسی کی کفالت کرنے [illegible] بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جو رقم اسے باپ کی جائیداد میں سے ورثے میں [illegible] گھر کا خرچ چلانے میں صرف کر دے۔ ہاں اگر اپنی مرضی سے کرنا چاہے [illegible] وہ مال ہے جس طرح چاہے خرچ کرے۔

مگر مرد کا معاملہ اس سے قطعاً مختلف ہے۔

اس پر معاشی [illegible] ڈالی گئی ہے۔ اس کے [illegible] صرف [illegible] [illegible] اسے اپنے باپ کے ساتھ مل کر [illegible] [illegible] اپنی بہنوں کی کفالت کرنی ہے [illegible] ہر قسم کا خرچ اٹھانا ہے۔ وہ اس [illegible] ہوگا۔ یقیناً یہ سب ذمہ داریاں [illegible]

پوری تب کی جا سکتیں۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم عورت کے وراثتی حقوق اسلامی معاشرے سے لیتے ہیں اور عورت کے فرائض اہل مغرب سے منواتے ہیں۔

یقیناً مغرب میں عورت مرد کے ساتھ ہر معاملے میں پچاس فیصدی شریک ہوتی ہے۔ اس کا حق ہے کہ باپ کی جائداد میں سے اسے پچاس فیصد حصہ ملے مگر اس کا فرض بھی ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ مل کر گھر کا "آدھا" بوجھ بھی اٹھائے۔ اگر گھر کا کرایہ ہزار ڈالر ہے تو اس میں سے پانچ سو ڈالر عورت بھی ادا کرے گی ورنہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے کی مستحق نہ ہو گی۔ شوہر کو حق حاصل ہو گا کہ اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ گھر کے باقی ماندہ اخراجات جن میں کھانا پینا کپڑے بچوں کے اخراجات ہر قسم کے۔ غرض جو بھی گھر کے اخراجات ہوں گے اس میں بیوی اپنا پچاس فیصد حصہ ڈالے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اتنا پیسہ لائے گی کہاں سے؟ باپ کی جائداد میں سے کتنا حصہ ملا ہو گا؟ جہاں سے مرضی لائے۔ جاب کرے۔ سڑکیں کھودے۔ لوگوں کا مال ڈھوئے۔ یہ مرد کا مسئلہ نہیں ہے۔

اسلام عورت کو ایسی مشقت بھری زندگی نہیں دیتا۔ اللہ نے عورت کو فطرتاً کمزور بنایا ہے اور مرد کو طاقتور۔ اسی فرق کی بناء پر فرائض لاگو کیے ہیں اور اسی فرق کی بناء پر حقوق لگا دیے ہیں۔

اب بات کرتے ہیں عورت کی گواہی کی۔

سورۃ البقرہ آیت 282

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا
عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ
يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ

لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا
تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ
وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا
بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا
يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾

"مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اسے خدا نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور خدا سے کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔ اور جب گواہ (گواہی کے لیے طلب) کیے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس (کی دستاویز) کے لکھنے میں کاہلی نہ کرنا۔ یہ بات خدا کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہ بھی نہیں پڑے گا۔ ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جب خرید و فروخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں۔ اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے

[illegible]
[illegible] اتفاق ہے [illegible]

[illegible]
[illegible] عورت کی دلچسپی سے [illegible]
[illegible]
[illegible]
نفسِ انسان کی دلچسپی اور عدم دلچسپی سے [illegible]
[illegible] کی مشکل ترین [illegible] جو قرآن کہتے ہیں [illegible]
کہیں نے کھانے میں کیا [illegible] تو وہ سوچ میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ
[illegible] وقت کی اس کی دلچسپی کھانے کے بجائے کسی اور چیز میں ہوتی ہے۔

یہی معاملہ عورتوں کے ساتھ ہے۔ کاروباری معاملے عورت کی دلچسپی کے موضوعات نہیں ہیں۔ لہٰذا یہاں دو عورتوں کی گواہی رکھی گئی ہے۔ اس کا اطلاق باقی معاملات پر نہیں ہوگا۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ عورت حکمران یا امام نہیں بن سکتی۔

اس میں پہلے تو اس بات کو سمجھ لیں کہ یہ دونوں عہدے (اصل میں) آنے تھے [illegible] نہیں آئے۔ یعنی کوئی شخص اس کو بطور حق قبول نہیں کرتا بلکہ ان کو ایک فرض سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ ان تینوں معاملات میں غفلت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ [illegible] کو یہ ادراک ہو جائے کہ انہیں کتنے لوگوں کی تکلیفوں کا حساب دینا ہے تو [illegible] حکومت چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائیں اور باقی [illegible] زندگی عبادات میں صرف [illegible] کوئی تحفہ نہیں ہے جو مرد کو دے دیا گیا اور عورت محروم رہ گئی۔ یہ ایک ذمہ داری

ہے جس کو نہ ملے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

دوسری قباحت اس میں یہ ہے کہ حکمران اور امام کی ذمہ داریاں عورت کی طبعی شرم و حیا اور پردے کے احکامات سے متصادم ہیں۔ حکمران سے ملنے والے لوگوں کی کمی نہیں ہوتی۔ کسی دوسرے ملک کے حکمران سے اپنے ملک میں ملنا یا باہر جا کر ملنا، اپنی قوم سے ملنا ملانا۔ جنگ ہو جانے کی صورت میں بطور لیڈر اگلی صفوں میں لڑنا۔

اسلام میں حکمران کا تصور کسی محل اور کرسی کے گرد نہیں گھومتا۔ گھوڑے کی پیٹھ، اور تلواروں کے سائے میں حکمرانی کرنی پڑتی ہے۔ محل اور کرسی نے تو آج امت مسلمہ کو اس حال میں پہنچایا ہے۔

یہ تمام کام صنف نازک کے لئے زحمت ضرور بن سکتے ہیں مگر رحمت ہرگز نہیں۔

○

کم عمری میں نکاح

1939 میں پیرو کے ایک ہسپتال میں ایک پانچ سالہ بچی لائی گئی جس کے متعلق والدین کا خیال تھا کہ ان کے پیٹ میں رسولی ہے۔ ڈاکٹرز نے چیک اپ کے بعد جو انکشاف کیا اس نے ماں باپ کے پیروں تلے سے زمین نکال دی۔

She s pregnant

بچی حاملہ ہے۔

اس انکشاف نے سائنس کی دنیا کو حیرت میں جکڑ دیا۔ Lina medina نامی اس بچی نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا اور دنیا کی کم عمر ترین ماں بننے کا ریکارڈ بنا ڈالا۔

جس وقت وہ ماں بنیں اس وقت ان کی عمر پانچ سال سات مہینے اور اکیس دن تھی۔ آپ شاید سوچ رہے ہوں گے کہ لینا ماں بنتے ہوئے انتقال فرما گئی ہوں گی؟ جی نہیں وہ آج بھی 83 سال کی عمر میں حیات ہیں۔ ان کا وہ بیٹا اس دنیا میں 40 سال کی بھرپور زندگی گزارنے کے بعد وفات پا چکا۔

ڈاکٹرز کے مطابق Lina medina تین سال کی عمر میں ہی بالغ ہو چکیں تھی اور ان میں جنس والے معاملات کا آغاز ہو چکا تھا۔ چار سال کی عمر میں ان کے پاس وہ تمام عضو موجود تھے جو ایک جوان اور بالغ لڑکی کو شادی کے لئے درکار ہوتے ہیں۔ یہ اسی زمانے کا واقعہ ہے کوئی چودہ سو سال پرانی بات نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اپنی روایت کردہ احادیث کے مطابق نکاح کے

وقت ان کی عمر ۶ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح جب ہوا تو میری عمر چھ سال کی تھی پھر ہم مدینہ (ہجرت کرکے) آئے اور بنی حارث بن خزرج کے یہاں قیام کیا یہاں آکر مجھے بخار چڑھا اور اس کی وجہ سے میرے بال گرنے لگے پھر مونڈھوں تک خوب بال ہو گئے پھر ایک دن میری والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا آئیں، اس وقت میں اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی انہوں نے مجھے پکارا تو میں حاضر ہو گئی مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ میرے ساتھ ان کا کیا ارادہ ہے۔ آخر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھر کے دروازہ کے پاس کھڑا کر دیا اور میرا سانس پھولا جا رہا تھا تھوڑی دیر میں جب مجھے کچھ سکون ہوا تو انہوں نے تھوڑا سا پانی لے کر میرے منہ اور سر پر پھیرا پھر گھر کے اندر مجھے لے گئیں وہاں انصار کی چند عورتیں موجود تھیں جنہوں نے مجھے دیکھ کر دعا دی کہ خیر و برکت اور اچھا نصیب لے کر آئی ہو، میری ماں نے مجھے انہیں کے حوالہ کر دیا اور انہوں نے میری آرائش کی اس کے بعد دن چڑھے اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مجھے آپ کے سپرد کر دیا میری عمر اس وقت نو سال تھی۔"

صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار

رواہ البخاری (3894) ومسلم (1422)

اس روایت میں صراحت کے ساتھ عمر کا بیان آیا ہے۔

قارئین! ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نو سال کی عمر میں شادی پر جو اعتراض اٹھایا جاتا ہے وہ انتہائی لغو، غیر اخلاقی اور غیر سائنسی ہے۔ اس اعتراض کا کوئی سر ہے نہ پیر۔ اس اعتراض پر مسلمانوں کی کمزوری محض اتنی سی ہے کہ کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ کی والدہ کو پہلی بار حیض کب ہوا تھا اور آپ لاجواب ہو جائیں۔ کیا آپ پوچھ سکتے ہیں اپنی والدہ سے؟ یا پوچھنے والے کا منہ توڑ دیں گے؟

مجھے اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی گلہ ہے کہ وہ کسی اعتراض کی نوعیت اور حیثیت کو سمجھے بغیر گفتگو شروع کر دیتے ہیں یا جواب دینے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ یا پھر اپنی مرضی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر آپ کے نکاح کے لئے رائج اخلاقی عمر تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر ایرے غیرے سوال پر دلائل کے انبار لگانا ضروری نہیں ہوتا۔ اصل اہمیت اعتراض کی نوعیت کی ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم کی احادیث کے مطابق حضرت عائشہ رض کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ سال کی عمر میں ہوا تھا اور رخصتی نو سال کی عمر میں۔

ملحدین اس حدیث کا بہت زیادہ سہارا لیتے ہیں عوام مسلمانوں کو زچ کرنے کے لئے۔

ذرا اندازہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس پر ملحدین کا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

1۔ کیا یہ شادی کسی قرآنی حکم کے خلاف ہے؟

2۔ کیا یہ شادی سائنسی اعتبار سے ناممکن ہے؟

3۔ کیا یہ شادی اخلاقی اعتبار سے غلط ہے؟

یہ تین بنیادی اعتراضات میں نے رکھ دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ جزوی اعتراضات بھی ہو سکتے ہیں مگر وہ اس کے اندر ہی آ جائیں گے۔ ان پر بات کرتے ہیں۔

قرآن کے مطابق شادی کے لئے محض بلوغت کی شرط ہے اور عمر کی کوئی قید نہیں۔

ذاتی سوالات کرنا میں پسند نہیں کرتا ورنہ اگر میں اس تحریر کو پڑھنے والے ہر شخص سے مطالبہ کروں کہ وہ اپنی بلوغت کی عمر بیان کرے تو آپ کو اندازہ ہو گا کہ بلوغت کا انسان میں کوئی مخصوص معیار متعین ہی نہیں ہے۔ اس کا تعلق آپ کی عادات، آپ کی محافل، دوست احباب، خوراک، موسم غرض ہر چیز سے ہوتا ہے۔

سائنسی لحاظ سے بھی بلوغت کی کم سے کم عمر وہی ریکارڈ کی گئی ہے جو میں نے تحریر

[illegible] ذوں میں بیاں کی بھی محض تیس سال۔ ریڈ وہ سے زیادہ تھی [illegible]
ہے۔ بلوغت کی اوسط عمر جو بتائی جاتی ہے وہ گیارہ سے بارہ سال ہے۔ [illegible]
[illegible] لڑکے تیرہ، چودہ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتے ہیں۔ کچھ اس سے پہلے [illegible]
[illegible] حد عمر بیان [illegible] ہے۔ بلوغت کی جو عمر قانونی معاشروں میں اٹھارہ سال [illegible]
گئی ہے اس کا بلوغت کی طبعی عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ چاہے مرد ہو یا عورت [illegible]
میں کبھی بھی اٹھارہ سال نہیں لگتا۔

یعنی کہ اعتراض یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں [illegible]
ہو چکیں تو یہ اعتراض [illegible] کے [illegible] پہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
شادی کے وقت اب تک دنیا میں سب سے جلدی بالغ ہو جانے والی خاتون [illegible]
[illegible] تھیں اور آج بھی دنیا میں رائج بلوغت کی اوسط عمر سے صرف دو سال چھوٹی۔ یعنی [illegible]
ہوتا تو اس بات پہ کوئی حیرانگی والی بات بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کے کفار
مشرکین کی طرف سے یہ اعتراض بھی نہیں اٹھایا گیا۔ یہ اعتراض صرف انہوں نے کیا
جنہوں نے بلوغت کے لئے دنیا میں رائج اٹھارہ سال کی قانونی حد کو طبعی حد سمجھ لیا۔ قانونی
حد معاشروں نے اپنی سہولت کے لئے اس لئے متعین کی ہے کہ بلوغت کی اصل عمر سے
بالغ ہونے والے کے سوا کوئی واقف نہیں ہوتا۔ فرض کریں ایک پندرہ سالہ شخص کسی اتھارٹی
[illegible] تو اس پر بالغ کا اطلاق ہوگا یا نابالغ کا اس کا فیصلہ کون کرے گا جبکہ اس کی بلوغت کی
اصل عمر صرف خود قائل کو پتہ ہو؟ یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے عمر کی ایک مخصوص حد اٹھارہ
سال متعین کی گئی ہے۔

اگر آپ مسلمانوں کے ادوار کا جائزہ لیں تو زیادہ پیچھے جانے کی ضرورت نہیں۔
آج سے محض چالیس پچاس سال قبل پاکستان میں بھی بچیوں کی شادی تیرہ چودہ سال کی عمر
میں کر دینے کا رواج تھا۔ ان معاملات پہ حیران ہونے کے لئے آپ کو کسی سائنسی یا اخلاقی
علم کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف معاشرے کے بدلتے رواج آپ کو حیران کرنے کے

ہوتی ہے۔ آپ بحیثیت معاشرہ بکرے کے گوشت پر پابندی عائد کر دیجیے۔ پچاس سال تک پابندی کو رہنے دیجیے۔ پھر کسی کو بکرے کا گوشت کھاتا دیکھیے اور حیرانی سے دیکھیے۔ جیسے جیسے آپ کو واقعی ہی حیرت ہوگی جیسے کسی چائنیز کو کیڑے کھاتے دیکھ کر ہوتی ہے۔ یہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے۔ آج آپ اٹھارہ سال کی عمر میں شادی کر لیجیے اور بڑے ہو کر پچیس سال کی عمر میں شادی کا رجحان پیدا کرنا شروع کر دیجیے۔ پھر پچیس سال بعد اپنے بچوں کو بتایے کہ آپ کی شادی صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی اور ان کی حیرانی دیکھیے۔

یعنی یہ کوئی اتنی بڑی راکٹ سائنس نہیں ہے جو سمجھ نہ آ سکے۔ کسی بھی رواج کو پچاس سال تک ترک کریں اور اس کے بعد دوبارہ اپنائیں تو وہ عجیب لگے گا۔

اخلاقیات کی بات بعد میں کریں گے پہلے عقل کی عمر کی بھی بات کر لیتے ہیں تاکہ یہ اعتراض بھی رفع ہو جائے کہ بچی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اسے عقل ہی نہیں ہوتی۔

عاقل اور بالغ میں صرف ایک چیز کا فرق ہوتا ہے۔ بالغ شخص کی بلوغت کے بارے میں یا تو وہ شخص خود جانتا ہے یا اس کا رب جانتا ہے مگر عاقل شخص کو کب عقل آئی یہ اس شخص کو خود کو بھی نہیں پتہ ہوتا۔ یہ صرف رب ہی جانتا ہے۔ انسان کے پاس ایسا کوئی پیمانہ موجود نہیں جس سے عقل کو ناپا جا سکے۔ بلوغت کا تعین کرنا آسان ہے مگر عقل کا تعین نہیں۔ صرف اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ کسی کو بہت جلدی عقل آ جاتی ہے کسی کی پوری زندگی بے عقلی میں گزر جاتی ہے۔ محمد بن قاسم سترہ سال کی عمر میں بحیثیت سپہ سالار آتا ہے اور سندھ فتح کر لیتا ہے۔ ہم سترہ سال کی عمر میں پانچ سو کا نوٹ لے کر سودا لینے جائیں تو پانچ سو کا نوٹ گما کر سر لٹکائے خالی ہاتھ گھر لوٹیں۔

میں جب سترہ سال کا تھا تو اس بات پر یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھا کہ محمد بن قاسم کی عمر سترہ سال ہوگی۔ سترہ سال کی عمر میں بحیثیت سپہ سالار سندھ آنا تو [illegible]

میں نے ہوگا "شوارڈ رنگ کب بھی ہوگی" میرا حساب تھا کہ کم از کم پچیس سے تیس سال کا
تھی بلکہ اس قابل ہوسکتا ہے کہ کسی فوج کی کمان سنبھال سکے۔

یہ انسانوں کی کمزوری ہے کہ وہ کسی کی عقل برتری برداشت نہیں کرتا۔ اور اگر کرنی پڑ جائے تو بہانے تراشتا ہے۔ نیوٹن کی محض قسمت اچھی تھی کہ جس وقت سیب گرا وہ درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ مگر اس وقت اس کی جگہ میں بیٹھا ہوتا تو میں بھی وہی سوچتا جو اس نے سوچا۔ پھر لوگ کشش ثقل کی دریافت مجھ سے منسوب کرتے۔ عرفہ کریم اگر نو سال کی عمر میں سافٹ ویئر انجینئر بن گئی تو اس میں بڑی بات کیا ہے۔ اسے کوئی پراسرار، ولی چابک تھی جو اگر مجھے ہوتی تو میں پانچ سال کی عمر میں بن جاتا۔

معاملہ صرف یوں ہے کہ جو کام میری عقل پہ پورا نہیں اترے گا اس سے یا تو میں انکار کر دوں گا یا اس کو محض ایک اتفاق قرار دے دوں گا۔ کسی کا کم عمری میں عاقل و بالغ ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ آپ کے لئے اس بات کو ہضم کرنا مشکل ہے تو یہ آپ کا مسئلہ ہے۔

اب آجائیے اخلاقی اعتراض کی طرف۔

ملحدوں کے مطابق اخلاقی اعتبار سے نو سالہ بچی سے شادی ایک غیر اخلاقی حرکت ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ اخلاقیات کس نے مرتب کیں؟

ملحدوں کا ہر معاملے کو سوچنے کا ڈھنگ نرالا ہے۔ ایک مرتبہ ایک ملحد سے گفتگو کے دوران میں نے ملحد سے پوچھا کہ جانوروں کے ساتھ جنسی تعلق بنانے سے انہیں کون سی اخلاقیات روکتی ہیں؟ تو جواب ملا چائلڈ ابیوز اور جانوروں کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ جس طرح بچہ اجازت دینے سے قاصر ہوتا ہے اسی طرح جانور بھی اجازت دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ جس پہ میں نے اعتراض کیا کہ پھر تو آپ کسی جانور کا گوشت بھی نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ جانور کو ذبح بھی اس کی اجازت کے بغیر ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی اس سے جنسی تعلق کے لئے اس کی اجازت منع ہے اور کاٹ کھانے کے لئے صرف آپ کی بھوک کافی ہے؟

اف

ہوئی کے اخلاقیات سے یہ اصول مرتب کر کے خود صاحب ہو رہے ہیں۔ میں تو اپنے اپنے نکتۂ نظر کا جواب دے رہی ہوں۔ نہیں ہو رہی۔ آپ ایک جانور کے ساتھ رہنا تو حرام قرار دیتے ہیں اور اس کو کھا لینا حلال، اس کی کوئی دوسری توجیہ پیش کر ہی نہیں سکتے سوائے اس کے کہ آپ کسی مذہبی کتاب کو مانتے ہو۔

نو سال کی بچی میں اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حق میں کوئی مناسب فیصلہ کر سکے جبکہ وہ خود فیصلہ نہیں کر رہی بلکہ اپنے بڑوں کی مرضی پر چل رہی ہے لہٰذا پھر کیا ہوتی ہے؟

اگر میں اس فلسفے سے متفق ہو بھی جاؤں تو اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ کس کو کتنی عقل آئی ہے؟ سائنسی اعتبار سے عقل کا معیار ثابت کر دیجیے اور اس عمر کی شادی جائز سمجھیے؟ بتائیے کیا پیمانہ ہے؟

اب میرے استدلال کا بھی جواب دے دیں کہ ایک بچی نو سال کی عمر میں عقل نہیں رکھتی لہٰذا اس کی شادی غیر اخلاقی ہے۔ اب فرض کریں کوئی بچی دس سال کی عمر میں بھی عقل نہ رکھتی ہو تو اس کی شادی کرنا اخلاقی اعتبار سے درست ہوگا یا اگر بیس سال کی عمر میں بھی عقل نہ آئی تب؟ فرض کریں وہ ذہنی مریض ہے۔ عقل آئی ہی نہیں تب؟ ہے کوئی جواب؟

لہٰذا اس بات کا تعین کسی اور سوچ کے لیے چھوڑتے ہیں کہ لڑکی وہ کون سے مقاصد ہیں جس سے پتہ چلے کہ وہ اپنے متعلق خود فیصلہ کر سکتی ہے۔

اب آخری اعتراض کا جواب جو عموماً منکرین حدیث کافروں کی طرف سے آتا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی نو سال کی عمر میں درست ہے تو آپ اپنی بچی کی شادی نو سال کی عمر میں کیوں نہیں کرتے؟ جو بات آپ اپنی نو سالہ بچی کے بارے میں سوچ نہیں سکتے وہ بات آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تسلیم کرتے ہو؟

اس کا جواب بھی اردوؤں کے لئے تو اوپر ہی بیان ہو گیا کہ قرآن میں نکاح کی کوئی عمر بیان نہیں ہوئی بلوغت کی شرط بیان ہوئی ہے۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جس عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالغ ہوئیں تمام عورتیں اسی عمر میں بالغ ہو جائیں؟

پھر ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اس شادی کو جائز قرار دیا جا رہا ہے نا کہ فرض۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بچی کی شادی نو سال کی عمر میں کر دی یہ ان کی مرضی تھی۔ میں نو سال کی عمر میں بھی نہ کروں یہ میری مرضی ہے۔ جب ایک کام فرض نہیں تو ہم معاشرے کے رجحان سے بھی ہم آہنگ رہ سکتے ہیں۔ کوئی حرج نہیں اس میں۔

یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ میں Lina medina کی پانچ سال کی عمر میں حاملہ ہونے والی حقیقت کو یہ کہہ کر جھٹلا دوں کہ یہ عمومی معاملہ نہیں ہے ورنہ اس کا کوئی اور بھی ثبوت پیش کیا جائے۔

o

کھسیانا بھینسا کھمبا نوچے

کالی بھوت سے بھینسا اور سید احمد حسنین کی طرف سے ایک اعتراض کیا جا رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے خیبر کے مقام پر بغیر عدت کے چار ماہ دس دن گزارے صحبت کر لی تھی جو قرآن کی خلاف ورزی ہے۔

مشہور عالم دین جناب محمد علی مرزا صاحب نے ایک ویڈیو کے ذریعے نہ صرف اس اعتراض کا جواب دے دیا ہے بلکہ الحاد کے تخم جھکنڈوں کا پول بھی کھول دیا ہے کہ کس طرح واضح حدیثیں چھوڑ کر مختصر الفاظ پر بنی حدیثیں لے کر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

بھینسے نے اس مکمل اور جامع جواب کو تسلیم کرنے کے بجائے کھمبا نوچتے ہوئے پھر دوبارہ پرانے اعتراض پہ ممپ لگا دی کہ اس کا مطلب اسلام میں غلام عورتوں کے حقوق آزاد عورتوں سے کم ہیں؟ بالکل ایسا ہی ہے۔ اس کا انکار کس مسلمان نے کیا؟

پہلے انجینیئر محمد علی مرزا کا جواب قارئین کی نذر کر دوں پھر اگلے اعتراض پہ بات کرتے ہیں۔

طلاق یافتہ آزاد خواتین کی عدت قرآن میں تین حیض بیان ہوئی ہے۔

سورۃ البقرہ آیت 228

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي
عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٨﴾

"اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنی تئیں روکے رہیں۔ اور اگر وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کا جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔ اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔ البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ اور خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے ۲۲۸"

بیوہ خواتین کی عدت قرآن میں چار ماہ دس دن آئی ہے۔

سورہ البقرہ آیت 234

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ
فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

"اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے ۲۳۴"

ان دونوں معاملات میں ایک استثنیٰ یہ ہے کہ اگر عورت حاملہ ہے تو عدت کا عرصہ بدل جائے گا۔ یعنی ایک عورت کا حمل طلاق یا شوہر کے فوت ہونے کے اگلے دن ٹھہر جائے تو اب اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک رہے گی۔ اور اگر وہ پہلے سے حاملہ تھی اور شوہر کے فوت ہونے کے اگلے دن بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عدت بھی اسی دن ختم ہو جائے گی اور وہ نیا نکاح کرنے میں آزاد ہے۔

اس کا حکم سورۃ الطلاق آیت نمبر 4 میں دیا ہے۔

وَالّٰٓـِٔیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ
وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا (4)

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو (ان کی عدت کے بارے میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے اور جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔"

اب سوال یہ ہے کہ جو اعتراض اٹھایا گیا ہے وہ صحبت صغیرہ سے متعلق ہے جو نابالغ لڑکی تھیں۔ اور قرآن میں اس بحث جو اعتراضات ہیں وہ نابالغ عورتوں سے متعلق ہے۔

اسلام کے اصولوں کے مطابق جو حکم قرآن میں نہ ملے سے حدیث سے اخذ کیا جاتا ہے جیسے گدھے کے گوشت کی حرمت اور زانی کی سزا رجم قرآن میں نہیں ہے مگر ان احادیث کا کوئی اختلاف نہیں۔ پھر اگر حدیث میں بھی کوئی حکم نہ ملے تو اس کے لئے اجتہاد اختیار کیا جاتا ہے۔

لونڈی کی عدت مشکوٰۃ کی حدیث نمبر 3338 اور مسند احمد میں واضح کی گئی ہے جو ایک حیض ہے۔

اب آجاتے ہیں صغیرہ سے صحبت کے معاملے پر۔ اس کے معاملے میں جو حدیث [illegible] حسن لگا رہے ہیں ان میں جان ہے جو کہ ان حدیثوں کا انکار کیا گیا ہے [illegible] کی عدت جاری ہو جانے کی وضاحت نہ ہو۔ حالانکہ صحیح بخاری کی کتاب حدیث نمبر 4211 میں ان کی عدت اور حیض سے پاک ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے بتانا چاہوں۔

"لہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (صفیہ) اپنے لئے منتخب فرمایا [illegible] لے کر روانہ ہوئے حتی کہ سد صہباء پہنچے تو وہ حیض سے پاک ہو چکی تھیں، وہاں [illegible] وسلم نے ان سے خلوت فرمائی۔"

اسی ضمن کی ایک دوسری حدیث میں انہیں ام سلیم کے حوالے کیے جانے [illegible] ہے۔ یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حیض سے پاک ہونے تک انتظار کیا تاکہ ان کی عدت پوری ہو جائے۔

اب اس وضاحت سے یہ سارا کا سارا اعتراض زمین بوس ہو جاتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے وہی پرانا اور دقیانوسی اعتراض دہرایا جاتا ہے کہ اسلام میں لونڈی کو آزاد عورت کے برابر مقام نہیں دیا جاتا۔ اس اعتراض کی وضاحت میں کئی مرتبہ مختلف تحریروں میں کر چکا ہوں کہ مسلمانوں میں جنگی قیدیوں کو سزا دینے کا رواج ہے نہ کہ ان سے ہمدردی جتانے کا۔ وہ مسلمانوں کو تحفے تحائف تقسیم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں نہیں پکڑے گئے بلکہ قتل و غارت کی منصوبہ بندی میں ناکام ہو کر گرفتار ہوئے تھے۔ لہذا ان کے معاملات آزاد لوگوں جیسے ہو کیسے سکتے ہیں؟

کہتے ہیں کہ یہ انسانی ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک عورت کا باپ اور شوہر مارا جائے اور مسلمان اس عورت کے ساتھ مباشرت کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ یہاں یہ اعتراض اس سے بھی پہلے بنتا ہے کہ مسلمانوں نے ان کے شوہر اور باپ کو مارا کیوں؟ مگر یہ اعتراض یہ کبھی نہیں کریں گے کیوں کہ جانتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جنگ لڑ رہے تھے۔ اور اگر اخلاقی اعتبار سے کسی لونڈی کے شوہر اور باپ کو قتل کرنے پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا تو اس لونڈی سے ہم بستری پر اعتراض کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ الفاظ کے کھیل ہم سے کھیلیں جو ہم روز کھیلتے ہیں۔

پھر مزید اعتراض یہ ہے کہ لونڈی کی عدت کا حکم بھی قرآن سے دکھائیں [illegible] ہو اور [illegible] پر [illegible] کیوں بھیجی؟ ہم مسلمان قرآن و حدیث کے قائل ہیں نا کہ [illegible]

ثابت ہوا ہمارے نبی کا حکم اور اللہ کا حکم ایک جیسا درجہ رکھتا ہے جس کا حکم ہمیں دیا گیا ہے۔

سورۃ النساء آیت 59

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

"مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل بھی اچھا ہے ۵۹"

یہاں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اللہ کے حکم کی فرماں برداری کرو اور وہ حکم ہمیں ہم بتا دیں گے۔ مگر ایسا نہیں کہا بلکہ نبی کو شامل کر دیا۔ لہٰذا یہ نظریہ صرف قرآن سے اطاعت کرنے کے لائق نہیں بلکہ منہ پر مار دینے کے لائق ہے۔ میرے نزدیک تو وہ شخص بھی چاہے وہ کوئی بھی منافق ہے جسے پرویز کی مجبوری ہے کہ حدیث کے بجائے قرآن سے حکم ڈھونڈے اس کے مطابق ہر قرآن سے حکم ڈھونڈتا پھرے۔

پھر یہ کیوں بھول گئے کہ اعتراض بھی تو حدیث پر ہی کیا تھا۔ تو حدیث ہوسکے قابل حدیث نہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کیسے قابل بھروسہ ہوگی؟

○

جنگیں اور اسلام

عمومی طور پر اسلام سے خوف یہ کہہ کر بھی مشہور کر دیا گیا تھا کہ یہ مذہب تلوار کے زور پر پھیلا اور دنیا میں جنگوں کی سب سے بڑی وجہ مذاہب تھے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط تھیں۔ دین اسلام میں جنگ کی آرزو کرنا حرام ہے مگر جنگ ہو جانے کی صورت میں پیٹھ دکھا کر بھاگنا بھی حرام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین اسلام کی تبلیغ شروع کی تو بادشاہوں کو خطوط لکھے جن میں تین شرائط پیش کی جاتی تھیں۔

۱۔ ہم تمہیں اسلام کی دعوت دینا چاہتے ہیں لہٰذا بادشاہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان لائے اور دین اسلام کی تبلیغ میں مدد کرے۔

۲۔ اگر بادشاہ خود ایمان نہیں لاتا تو ہمارے وفد کو اجازت دی جائے کہ وہ ان لوگوں میں اسلام پھیلائیں اور پھر جو اسلام لے آئے اس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔

۳۔ اگر ان دونوں شرائط پر عمل نہیں کیا جاتا تو ہمیں بحالت مجبوری بادشاہ کو ہٹانا پڑے گا اور اس کی جگہ ہمارا نمائندہ بٹھانا پڑے گا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کی جا سکے۔

اب اگر ان شرائط پر غور کیا جائے تو ان شرائط میں کوئی ایک قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ جس آزادیٔ اظہار کو آج دنیا رو رہی ہے وہی تو مانگا تھا مسلمانوں نے۔ کوئی پابندی نہیں لگائی گئی کہ کوئی شخص اپنی مرضی کے بغیر اسلام قبول کرے۔ پہلے بادشاہ کو دعوت دی گئی اور اس کو اختیار دیا گیا کہ قبول کرے یا نہ کرے۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں

چاہتے تھے ان کی رعایا میں اسلام کی تبلیغ کی اجازت۔ یہاں بھی معاملہ رحمی پر منحصر تھا اگر بادشاہ حملہ کرتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دیتے۔ خود چاہتے۔ اول رحمتِ اسلام نے کہا اسلام کا پیغام ایک جامع اور مربوط تھا کہ دنیا کی بڑی بڑی اقوام اس بات سے واقف تھیں کہ یہ پیغام جس کو بھی دیا جائے گا وہ اسے قبول کیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس لیے دشمن اسلام کی تبلیغ کو نہ صرف روکنے کی کوشش کی گئی بلکہ اسلام سے جنگ خود سلطنت وقت ہو رہی تھی۔ جس کی مثال غزوۂ روم ہے۔ روم کی سلطنت سے اسلام کا کوئی ٹکراؤ نہ تھا مگر جب قیصر روم کو اطلاع ملی کہ دینِ اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی آمیز خط بھیج دیا۔ جس میں جبراً تبلیغ بند کرنے کو کہا گیا اور بند نہ کرنے کی صورت میں مدینہ پر چڑھائی کی دھمکی دے ڈالی۔ جس کے جواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ آپ کو آنے کی ضرورت نہیں ہم خود حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ یہ بات قیصر روم کے لیے حیران کن تھی۔ اس نے شاید کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ مدینے سے اٹھی ایک چھوٹی سی تحریک اسے حملے کی دھمکی بھی دے سکتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روم پہنچتے پہنچتے روم کی بہت سی ریاستیں مسلمانوں کے ساتھ مل گئیں۔ قیصر روم پر اللہ نے ایسا خوف طاری کر دیا کہ اس نے بغیر لڑے شکست تسلیم کر لی۔

دینِ اسلام میں غیر ضروری جنگوں کا تصور کبھی تھا نہ ہے۔ بس ایک ہی مطالبہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے کہ اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم نہ کیے جائیں۔ مگر دنیا نے ہر دور میں ان دو باتوں کی خلاف ورزی کی اور نتیجہ جنگوں کی صورت میں نکلا۔

کچھ غلط فہمیاں اور بھی پائی جاتی ہیں جن میں غلام اور لونڈیوں کا موضوع بہت اہم ہے۔ آئیے اس پر بھی بات کر لیتے ہیں۔

دنیا بھر میں جنگ کے نتیجے میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کی آزادی کی بس دو ہی صورتیں ہوتی ہیں کہ ان کی حکومت قیدیوں کے تبادلے میں اس کو چھڑوا لے۔ مگر جو

اب رہ گئے وحشی قیدی تو رہائی کی اور کوئی صورت ممکن نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کی مثال ہے جس کو امریکی عدالت نے جرم واضح نہ ہونے کے باوجود 80 سال کی قید کی سزا دی۔ یعنی اگر اس نے 120 سال کی عمر پائی تو رہا ہو جائے گی۔ ورنہ قید کے دوران ہی اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ ایسا سلوک دنیا کی ہر قوم اپنے قیدیوں سے کرتی ہے مگر اسلام میں یہ نہیں ہے۔

اسلام میں قیدیوں کی آزادی کی اور بھی کئی صورتیں ہیں۔ قیدیوں کے تبادلے میں رہا ہونے والوں کو دوبارہ قیدی ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہیں اسلام میں داخل ہو گئے، لکھنا پڑھنا سکھانے کی صورت میں بھی آزاد کرنے کی مثالیں موجود ہیں۔ پھر کئی ایک گناہوں کے سرزد ہو جانے کی صورت میں بھی غلام آزاد کرنے کا قرآنی حکم موجود ہے۔ حتیٰ کہ غصے کی وجہ سے غلام آزاد کرنے کو بھی کارِ ثواب کہا گیا ہے۔

یہاں ملحدوں کا اعتراض شروع ہوتا ہے کہ جب غلام آزاد کرنا ثواب ہے تو غلام بنانے کی کیوں ہو؟

یہاں اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ اسلام آنے سے پہلے غلامی کی کئی صورتیں تھیں جن میں بعض دفعہ آزاد انسانوں کو خرید کر بھی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ مگر اسلام آنے کے بعد اب کسی کے غلام بننے کی صرف اور صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑے اور شکست کھا کر گرفتار ہو جائے۔ اس کے علاوہ کسی کو بھی غلام بنانا ممنوع ہو گئی۔ یہاں تک کہ جن کافروں کو شکست دی ان کے وہ لوگ جنہوں نے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا مسلمانوں کے اختیار میں ہونے کے باوجود ان کو اپنے دین کے مطابق آزادانہ زندگی گزارنے کے مواقع دیے گئے۔

بے دین کسی شخص کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑے اور اس کو غلام یا لونڈی نہ بنایا جائے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ کہ جو ہم نے ... مسلمان۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ اسلام میں لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری کی جاتی ہے۔ حیرت انگیز طور پر معترضین کا تعلق ایسی قبیلے سے ہے جو سرے سے نکاح کے قائل ہی نہیں۔ نکاح ایک اسلامی عمل ہے جس کا ملحدوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک اگر مسلمان اپنی بیویوں سے بھی نکاح نہ کریں تو کم از کم ملحدین کا اعتراض تو بنتا ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو کسی نکاح کے قائل ہی نہیں۔ مسلمانوں میں نکاح اس لئے کیا جاتا ہے۔ کیا اسلام کا حکم ہے۔ وہی اللہ اگر لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری کی اجازت دیتا ہے تو پھر کیا جھگڑا ہے؟

ایک اعتراض اور بھی کیا جاتا ہے کہ لونڈی کے ساتھ جبراً ہمبستری کی جاتی ہے۔ جو ریپ کے زمرے میں آتا ہے۔ سبحان اللہ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کسی ملحد سے کہ ریپ کیا ہوتا ہے؟ مسلمانوں کے دانت لگا کر مسلمانوں ہی پر اعتراض؟

کیا جب کسی مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جاتی ہے تو اس سے اجازت لی جاتی ہے؟ غیر اسلامی ملکوں میں جنگی قیدی قتل بھی کر دئے جاتے ہیں۔ کیا ان کو قتل کرنے سے پہلے ان سے اجازت لی جاتی ہے کہ بھائی کیا ہم تمہیں قتل کر دیں؟ لونڈی کے ساتھ بغیر نکاح کے ہمبستری اس کی سزا ہے اور سزا کے لئے اجازت نہیں لی جاتی۔ بس حکم سنایا جاتا ہے۔

ایک اور بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن میں لونڈی کے ساتھ ہمبستری کی اجازت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری نہیں کی۔ ملحدین کی طرف سے اس کا بہت پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ نبی کے پاس بہت سی لونڈیاں تھیں مگر یہ محض خود ساختہ الزامات ہیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔

آج بھی مسلمان دنیا میں امن ہی کے داعی ہیں۔ مگر دنیا کے ظلم و ستم کا شکار رہے۔ [illegible] کی [illegible] ہے جو کل تھا۔ مسلمانوں پر جاری ظلم و ستم کی روک تھام اور آزادی اظہار [illegible] کی جا سکتی ہے اس کا راستہ۔

○

محمد سلیم کی تحریر ''جنگیں اور اسلام'' کا جواب

(میری تحریر ''جنگیں اور اسلام'' پر ایک ملحد نے اعتراضی تحریر لکھی جس کا جواب دینا پڑا۔ پہلے ستیہ لاہوری کی تحریر پڑھ لیں۔ پھر میرا ان کو جواب۔)

تحریر ستیہ لاہوری (ملحد)

نوٹ: برائے کرم مندرجہ ذیل جواب کو اسلام اور الحاد کی عینک اتار کر ایک غیر متعصب ہو کر پڑھا جائے۔ میں یہ واضح کرتی چلوں کہ میں صرف حق کا ساتھ دیتی ہوں، چاہے وہ مسلمانوں سے ملے یا ملحدوں سے۔

محمد سلیم صاحب ماشاءاللہ آپ نے اپنی تحریر میں روایتی طرز تحریر اختیار کرتے ہوئے محض مسلمانوں کے عقیدت مندانہ جذبات کو ہی انگیخت کیا ہے۔ آپ کو اس امر سے واقف ہونا چاہیے کہ ایک جاہل مسلمان اور ایک عالم مسلمان کا رویہ اسلام کے متعلق بالکل ایک جیسا ہوتا ہے۔ دونوں کے پاس اسلام کو ماننے کا واحد اصول ایمان ہے۔ مسلمان تو آپ کی تحریر پر عش عش ضرور کریں گے کیونکہ ایمان و عقائد کو تسلیم کر لینے کے بعد عقلیت اور [illegible] پر بھی تحقیق کی قطعاً کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر ہر معاملے میں صرف اور صرف اسلام کو سپورٹ کرنا پڑتا ہے اور مخالف کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ آپ اپنے گروپ میں جن لوگوں کی حمایت حاصل کیے بیٹھے ہیں، وہ آپ کی قابلیت کی بنیاد پر آپ کی حمایت نہیں کرتے بلکہ اس گروپ کے بننے سے برس ہا برس پہلے کے مسلمان ہوئے بیٹھے تھے۔ سب آپ کی حمایت کرنا اور اسلام دشمن رویوں کی مخالفت کرنا ان کے ایمان کا حصہ

اخلاق احمد کہا کرتے تھے کہ "دل سے بڑا کوئی مذہب نہیں" ان کے اسی قول کے مصداق بیشتر مسلمان جو سنت کو نہیں مانتے وہ صرف اخلاقیات کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب کہ ماننے سے پہلے مکمل طور پر اتباع سنت ضروری ہوتا ہے۔

۱۔ مسلمانوں کے لیے آپ کی یہ بات تو بڑی دلچسپ اور روشن پہلو ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں پھیلا۔ اسلام سے متعلق اتنی خوبصورت بات ہے ان سے جذبات مجروح نہیں ہوں گے تو اور کیا ہوگا؟ جب کہ تاریخی حقائق آپ کی بات کو سرے سے رد کرتے ہیں۔

رسول اللہ نے نبوت کے ابتدائی 13 سال مکہ میں گزارے اور باقی دس برس کا عرصہ مدینہ میں گزارا۔ اس اعتبار سے آپ کی نبوی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ مکی زندگی اور مدنی زندگی۔ 13 سالہ مکی دور گزارنے کے بعد جب رسول اللہ مدینہ ہجرت کرنے لگے تو آپ کے ساتھ صرف چند مسلمانوں کا ٹولہ تھا۔ اس کے برعکس 10 سالہ مدنی دور مکمل ہونے پر مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ کے پاس آخر وہ کون سی جادو کی چھڑی اچانک آ گئی تھی، جو مکہ میں تو کام نہ آسکی لیکن مدینہ میں وہ اخلاقی چھڑی گھمانے پر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مکی زندگی سے بھی کم عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ آخر کیسے ہوا؟

اگر یہ بات مان لی جائے کہ اسلام اخلاق کے ذریعے پھیلا ہے تو نعوذ باللہ کیا مکی زندگی میں رسول اللہ کا اخلاق پختہ نہیں تھا؟ جو لوگوں کو اسلام کی جانب مائل نہ کر سکا۔ اور مکی زندگی سے بھی کم مدت پر مبنی مدنی زندگی میں کیا ان کا اخلاق اس قدر بہتر اور پختہ ہو چکا تھا کہ لوگ اسلام کی جانب مائل ہونے لگے؟ ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ جو شخص جس معاشرے میں کوئی نئی چیز لے کر آئے، سب سے پہلے اس کے گھر والے اور خاندان کے افراد اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔ چونکہ مکہ میں رسول اللہ کا بچپن گزرا تھا،

اس لیے انہوں نے آپ کی بات کو تسلیم نہیں کیا۔

مدینہ والوں کے لیے رسول اللہ کی دعوت اور شخصیت دونوں ہی نئی تھیں اور وہ لوگ آپ کے بچپن اور گزشتہ زندگی سے بھی واقف نہیں تھے۔ آخر وہ کیا سبب ہے کہ قرآن کی مکی سورتوں میں رحم دلی، بھائی چارے، اخوت، محبت اور پیار کا ذکر ملتا ہے جب کہ اس کے برعکس مدنی سورتوں میں رحم دلی سے زیادہ جنگ و جدل، جہاد، مال غنیمت اور لونڈیوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اچانک قرآن کے لہجے میں تبدیلی کیوں واقع ہوئی؟

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اسلام کی پہلی جنگ "غزوہ بدر" تھی۔ جو قریش نے آپ کے خلاف لڑی۔ تاریخ اس بیانیے کو بھی صراحت کے ساتھ رد کرتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ سیرت النبی اور تاریخ اسلام کے موضوع پر لکھی گئی دنیا بھر کی معروف انعام یافتہ کتاب "الرحیق المختوم" ہی اٹھا لیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے مسلمانوں کو فوجی مہمات کی صورت میں قریش کے تجارتی قافلوں کو لوٹنے کی اجازت خود رسول اللہ نے دی۔ بعض مہمات میں رسول اللہ نے خود بھی حصہ لیا۔ اسلام کا پہلا غزوہ غزوہ بدر نہیں بلکہ "غزوہ ابواء یا ودان" تھا۔ الرحیق المختوم میں بدر سے قبل ہونے والے غزوات و سرایا کی تعداد آٹھ ہے۔ جن کا مقصد قریش کے تجارتی قافلوں کی راہ روکنا تھا۔

انہی میں سے ایک سریہ "سریہ نخلہ" بھی تھا جو دو ہجری میں پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں نے قریش کے ایک قافلے پر دھاوا بول کر ان کا مال لوٹا اور حرمت والے مہینے رجب میں لڑائی کی۔ اسی سریہ میں قریش کے ایک شخص عمرو بن حضرمی کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ دو قیدی بنائے گئے اور قافلے کا سامان لوٹ کر قیدیوں سمیت مدینہ پہنچے۔ جس میں کچھ چمڑا، کشمش اور دوسرا سامان تجارت تھا۔ مال غنیمت سے خمس بھی نکالا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قدر حقیقی اعزاز سے نوازا کہ اسلامی تاریخ کا پہلا قتل بھی مسلمانوں کے ہی مبارک ہاتھ سے ہوا۔ سریہ نخلہ کے آخر میں مصنف الرحیق المختوم نے تو بہت فخریہ انداز میں لکھا ہے کہ "یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس، پہلا مقتول اور پہلے قیدی تھے۔"

زیادہ دور مت جائیے، غزوہ بدر جو سب سے پہلا اور سب سے بڑا غزوات کا تھا۔ یعنی تجارتی قافلوں کو لوٹنا اور ... مصنف نے بڑا عجب واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

"غزوہ عشیرہ کے ذکر میں ہم بتا چکے ہیں کہ قریش کا ایک قافلہ مکے سے شام جاتے ہوئے رسول اللہ کی گرفت سے بچ نکلا تھا۔ یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکہ واپس آنے والا تھا تو رسول اللہ نے طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید کو حالات کا پتہ لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔

قافلے میں اہل مکہ کی بڑی دولت تھی۔ یعنی ایک ہزار اونٹ تھے۔ جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کلو سونے) کی مالیت کا ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ جبکہ اس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

رسول اللہ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آرہا ہے۔ اس کے لیے نکل پڑو۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور غنیمت تمہارے حوالے کردے"۔ (الرحیق المختوم: صفحہ 270)

اب آپ لاکھ سر پٹکتے رہیں کہ اسلام جنگ کے ذریعے نہیں پھیلا۔ مسلمانوں نے قافلوں کو معاشی و اقتصادی طور پر دیوالیہ کرنے کی منصوبہ بندی ہجرت کے فوراً بعد ہی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لوگ اپنا مال جان اور عزت و آبرو بچانے کی غرض سے اسلام میں داخل ہونے لگے، نہ کہ رسول اللہ کے اخلاق سے متاثر ہوکر۔ ڈاکہ ڈالنا، مال و دولت کا لالچ رکھنا اور قتل کرنا کہاں کا اخلاق ہے؟

ایک اور بات آپ نے یہ کہہ کر مشہور کر دیا ہے کہ "دنیا میں جنگوں کی سب سے بڑا ذمہ دار مذہب ہیں۔ جب کہ یہ بات غلط ہے"۔

آپ یہ بتا دیجیے کہ مسلمانوں نے سرایا و غزوات آخر کس بنیاد پر لڑے؟ ... مذہب و دین کو مضبوط کرنے کی خاطر لڑے۔ بنیادی وجہ یہی تھی کہ لوگوں پر دہشت ...

[illegible] مذہب [illegible] ہندوستان اور پاکستان میں 70 سال [illegible] لڑائی [illegible] سارے کا سارا ہندو مسلم فساد ہی تو ہے۔ کیا ہندو مسلمانوں سے صرف اس بنیاد پر نفرت اور جنگ نہیں کرتے کہ وہ ہندو ہیں؟ کیا مسلمان ہندوؤں سے صرف اس بنیاد پر نفرت اور جنگ نہیں کرتے کہ وہ مسلمان ہیں؟ اگر مذہب درمیان سے نکال دیا جائے تو ہندو مسلم تنازعہ کی کیا وجہ باقی رہ جاتی ہے؟

جنگ بنو قریظہ کی وجہ کیا تھی۔ جو اسلامی تاریخ کی سب سے بڑی انسانیت سوز جنگ تھی۔ جس میں انسانی اخلاقیات کی دھجیاں بکھیری گئیں۔ قریظہ سے مدینہ تک راستے میں گڑھے کھود کھود کر بے شمار انسانی گردنوں اور لاشوں کو دفن کیا گیا۔ مسلمانوں نے 700 افراد کا بیک وقت قتل کیا۔ آخر ان مقتولین کی غلطی کیا تھی؟ بچوں کی شلواریں اتار اتار کر ان کے زیر ناف بال چیک کیے گئے اور جس کے بال آ چکے تھے یعنی جو بالغ ہو چکا تھا اسے قتل کر دیا گیا۔ چاہے وہ دو چار سال کا معصوم بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ اپنے جاہل حمایتیوں کو یہ بھی بتائیں کہ بنو قریظہ کی جنگ میں قیدی بنائے گئے بچوں اور عورتوں کو نجد لے جا کر بیچا گیا اور ان کے بدلے جنگی ساز و سامان اور ہتھیار خریدے گئے۔ جس کا ذکر الرحیق المختوم میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ تاریخ انسانی پر بنو قریظہ کی جنگ آج بھی ایک بدنما داغ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔ اگر یہ ظلم آج کے جمہوری دور میں ہوا ہوتا اور چاہے جس نے بھی کیا ہوتا تو کیا آپ پھر بھی اس کی حمایت کرتے؟ قریظہ کی جنگ میں کیا گیا ظلم کیا صرف اس وجہ سے جائز اور مقدس مان لیا جائے کہ یہ ظلم اسلام کی خاطر ہو؟ کیا کوئی نظریہ بچانے کے لیے انسانی حدود کو عبور کرنا جائز ہے؟

اسلام کی کم و بیش 74 جنگوں کی وجہ اگر مذہب نہیں تو پھر کیا تھی؟ کفار اپنے اور مسلمان اپنے مذہب پر قائم تھے۔ ہر ایک کے نزدیک دوسرے کا نظریہ اور عقیدہ غلط تھا۔ مذاہب ہی بنیادی وجہ تھی جس کے تحت جنگیں ہوئیں اور عرب کی سرزمین خون سے سرخ ہوئی۔ یہ بات [illegible] صرف نظر کہ جنگ کس نے شروع کی اور کس نے کیا [illegible]

[illegible] ہی تو چاہے مذہب اسلام [illegible] مذہب [illegible]۔

2۔ آپ نے جز و نمبر 2 میں کہا ہے "[illegible]
اجازت دی جائے کہ وہ باقی لوگوں میں [illegible]
کوئی ظلم نہ کیا جائے"۔

آپ ہی بتا دیں کہ کیا [illegible]
پر ظلم کیا جائے؟

آپ نے جز و نمبر 3 میں کہا کہ "[illegible]
علامت مجبوری بادشاہ کو جبراً ہٹانا پڑے گا اور [illegible]
اسلام کی تبلیغ کی جا سکے"۔

آپ ہی بتائیں کہ کیا کسی کو جبر کے ساتھ اس کے منصب سے [illegible]
[illegible] ہوا ہے؟

پھر آپ نے کہا کہ اب اگر ان شرائط پر غور کیا جائے تو ان شرائط میں [illegible]
قابل اعتراض بات نہیں تھی۔ جس آزادی اظہار رائے و [illegible]
تھا۔

کیا خوب نقطہ نظر ہے۔ یعنی کیا اظہار کی آزادی میں [illegible]
یہی آزادی اظہار ہے کہ اگر آپ نے ہمیں اپنا کام نہ کرنے دیا [illegible]
تو ہم آپ کو اٹھا کر تخت سے نیچے پھینک دیں گے؟

3۔ ایک اور جگہ آپ نے فرمایا کہ "دین اسلام میں [illegible]
شکست کی صورت میں بھی (قیدیوں کو) آزاد کرنے کی شرائط موجود تھیں"۔

عام طور پر تو مسلمانوں کا رویہ یہ ہے کہ [illegible]
[illegible] مسلمانوں سے سیکھے۔ لیکن یہاں آپ اعتراف کر رہے ہیں کہ [illegible]
[illegible] کرتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کو نہیں، بلکہ [illegible]

تھا پڑھنا کیونکر صحابی بنتے تھے؟ اگر ایسا ہی ہے تو رسول اللہ کس مرض کی دوا تھے۔ ساری کائنات کے لیے جو علم اور دین لے کر آئے کیا وہ صحابہ بننے کے لیے کم پڑ گیا تھا کہ انہیں لکھنا پڑھنا سیکھنے کے لیے کافروں اور بت پرستوں کی مجلس میں بیٹھنا پڑا؟ اور یہ کیسے ممکن ہوا کہ کافروں نے صحابہ کو جو کچھ سکھایا وہ سب ٹھیک سکھایا؟ آپ انہیں کافر، مرتد، لادین، جھوٹے اور زانی بھی سمجھتے ہیں اور ان سے صحابہ کو علم بھی دلواتے ہیں۔ اس منطق کی سمجھ نہیں آئی۔

4 آپ نے ایک جگہ یہاں تک کہہ کہ "اگر کسی شخص کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑنے آئے اس کو بھی غلام یا لونڈی نہ بنایا جائے تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔ اتنے سیدھے نہیں ہیں مسلمان"۔

آپ یہ بتائیں کہ کیا بنو قریظہ کے لوگ خود رسول اللہ سے جنگ کرنے مدینے آئے تھے؟ یہ بالکل نہیں ہوا تھا بلکہ رسول اللہ خود اپنے لشکر سمیت مدینے سے بنو قریظہ کے پاس پہنچے تھے۔ اہل بنو قریظہ نے تو جنگ کا کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا تھا اور رسول اللہ سے وہ روزانہ جان بخشی کی التجائیں کی تھیں۔ وہ کسی طور جنگ کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ غزوہ بنو قریظہ عقیدے کی عینک آنکھ سے اتار کر پڑھا جائے تو میرے موقف کی تصدیق ہو جائے گی۔

"رسول اللہ نے اپنے لیے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے حضرت ریحانہ بنت عمرو بن خناقہ کو منتخب کیا تھا۔ یہ ابن اسحاق کے بقول آپ کی وفات تک آپ کی ملکیت میں رہیں"۔ (الرحیق المختوم صفحہ 432 بحوالہ ابن ہشام)

کیا ریحانہ رسول اللہ سے جنگ کرنے مدینے آئی تھی؟ جب اسے لونڈی بنایا گیا

پھر آپ نے کہا کہ "لونڈی کے ساتھ بغیر نکاح کے ہم بستری اس کی رضا اور مرضی کے لیے اجازت نہیں لی جاتی۔ بس حکم سنایا جاتا ہے"۔

دنیا کا کون سا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مرد اپنے طور پر عورت کو کسی

ثبت میں نے کہ اس کا سبب یہ ہے اور اس کی مثال علم ... [illegible] ... ہو چکی ہے
اس کے متعلق آپ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو حقوق دیے ہیں اور
اسلام ہی واحد دین ہے جو عورتوں کی عفت و عصمت کا سب سے بڑا محافظ ہے۔ اگر آپ کا
کوئی مذہبی حریف اپنے مذہب کے کسی ایسے ہی قانون کے مطابق آپ کی عورتوں سے بھی
ایسا ہی سلوک کرے تو آپ پر کیا گزرے گی؟

اپنی تحریر کے آخر میں آپ بہت بڑے جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں اور آپ
نے تاریخ کو بڑی شدت کے ساتھ مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ہی یہ فرمایا ہے
ہوئے نہیں ہیں مسلمان۔ آپ کی اس بات سے مجھے مسلمان واقعی بہت بیچارے معلوم
ہوئے ہیں، جنہیں سیدھی بات بھی کرنی نہیں آتی۔ آپ نے کہا: "ایک اور بات کی
وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ باوجود اس کے کہ قرآن میں لونڈی کے ساتھ ہمبستری کی
اجازت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری نہیں
کی۔ مخالفین کی طرف سے اس کا بہت پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ نبی کے پاس بہت سی
لونڈیاں تھیں مگر یہ محض خودساختہ الزامات ہیں جن کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔"

میں ثبوت دیتی ہوں نا میں کس لیے ہوں؟ اس قدر سفید جھوٹ میں نے آج
تک کسی مسلمان کو بولتے نہیں دیکھا۔ آج مجھے یقین ہو رہا ہے کہ مسلمان اپنے ہی رسول
کے سب سے بڑے گستاخ ہیں کہ خود ان کی سیرت و شخصیت کے کئی پہلوؤں کو مسخ کرنے پر تلے
ہیں۔ آپ تو ایک طرح سے قرآن کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"اے نبی! ہم نے تمہارے لیے تمہاری بیویاں حلال کر دیں جن کے مہر تم نے
دے دیئے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں
آگئیں۔" (سورۃ احزاب آیت نمبر 50)

مولانا صفی الرحمان مبارک پوری نے لکھا ہے کہ
"جہاں تک لونڈیوں کا معاملہ ہے تو مشہور یہ ہے کہ رسول اللہ نے دو لونڈیاں

پنے پاس رکھی۔ ایک ماریہ قبطیہ کو، جو مقوقس فرمانروائے مصر نے بطور ہدیہ (یعنی تحفے کے طور پر) بھیجی تھی۔ ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے"۔

"دوسری لونڈی ریحانہ تھی (جس کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے)۔ ابو عبیدہ نے ان دو لونڈیوں کے علاوہ مزید دو لونڈیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن میں سے ایک کا نام جمیلہ بتایا جاتا ہے۔ جو کسی جنگ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں۔ اور دوسری کوئی اور لونڈی تھی جسے حضرت زینب بنت جحش نے رسول اللہ کو ہبہ کیا تھا" (الرحیق المختوم صفحہ نمبر 237 اور زاد المعاد جلد 1 صفحہ نمبر 29)

عصر حاضر کے عظیم مفتی فضیلۃ الشیخ مولانا ابو الحسن مبشر احمد ربانی نے لکھا ہے کہ "ماریہ قبطیہ کے لیے کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ نے اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا ہو، بلکہ ملکیت ہی کی بنیاد پر اس سے ہم بستری کرتے رہے۔ ماریہ کے بطن سے آپ کا بیٹا ابراہیم پیدا ہوا"۔ (احکام و مسائل، جلد 2 صفحہ نمبر 1050، ناشر دارالاندلس، اشاعت ستمبر 2008)

اسی مسئلہ پر ابن ہشام کی صراحت بھی موجود ہے کہ "اور ابراہیم کی والدہ ماریہ قبطیہ تھیں کی لونڈی تھیں جن کو مقوقس نے آپ کے لیے ضلع انصناء کے مقام حفن سے بطور ہدیہ بھیجا تھا"۔ (سیرت النبی ابن ہشام جلد 1، صفحہ نمبر 21، ناشر مکتبہ رحمانیہ)

اب آپ اوپر بیان کیے گئے دلائل و حوالہ جات کو غلط ثابت کریں اور سیرت اور تاریخ اسلام کی کسی بھی کتاب سے یہ ثابت کر کے دکھا دیں کہ رسول اللہ نے ماریہ قبطیہ کے ساتھ نکاح کر کے ہی ہم بستری کی تھی۔ کیا مسلمان ماریہ کو رسول اللہ کی 11 ازواج میں شمار کرتے ہیں؟؟ اگر ایسا ہی ہے تو کوئی دلیل لے آئیں، جس سے ہمیں بھی پتہ چل سکے کہ ماریہ بھی آپ کی لونڈی نہیں، بیوی تھی۔ ہمیں امہات المومنین میں ماریہ کا نام کہیں بھی نہیں مل سکا۔ آپ کو ملا ہے تو بتا دیں، ہمیں انتظار رہے گا۔ آپ کے بیان سے تو یہ لگتا ہے کہ "رسول اللہ کے بیٹے ابراہیم کو بھی بتانے پر تلے ہیں جو آپ کے عقائد کے مطابق بغیر کسی م

جنگیں اور اسلام (سفینہ لاہوری کو جواب)

آپ نے کہا آپ کی بات اسلام اور دین کی عینک اتار کر پڑھی جائے۔ ہمارا دین ہماری آنکھیں ہیں عینک نہیں جس کو اتار دیا جائے۔ معذرت۔

آپ نے کہا آپ صرف سچ کا ساتھ دیتی ہیں مسلمانوں سے ملے یا ملحد سے۔ سچ صرف مسلمانوں کا ہی وطیرہ ہے۔ ملحد اور سچ بولے یہ ممکن ہی نہیں۔ جس کی بنیاد جھوٹ پہ پڑی ہو وہ سچ کی باتیں کرتے اچھے نہیں لگتے۔

آپ نے کہا کہ میں نے روایتی طرز عمل اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔

جی ہاں! کی ہے۔ آپ کے خیال میں اس سے بڑا بیوقوف کون ہوگا جس کو یقین ہو جائے کہ جس عقیدے پر وہ قائم ہے وہ جھوٹا ہے اور پھر بھی اسی سے چمٹا رہے اور دفاع کرتا رہے۔ جس دین کو سچا پایا اسے چھوڑ کر جھوٹے ملحدوں کی ترجمانی شروع کر دوں؟ میرا دین سچا ہے اور مجھے اس بات کا یقین ہے۔ آپ سے پہلے کتنے آئے اور کتنے گئے۔ کھلے چیلنج کیے ہم نے یہاں کہ آؤ ہمارے دین کو جھوٹا ثابت کرو۔ کس نے کیا؟ منہ کی کھا کر بیٹھے ہیں سارے کے سارے۔ آپ بھی بیٹھیں آپ کا بھی منہ دھو دیں گے۔ ساری حسرتیں پوری کر دیں گے۔

اب آپ جواب لیجیے۔

1۔ آپ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں اسلام قبول کرنے

۔۔۔ مدنی زندگی میں ۔۔۔ اسلام کی طرف چلی ۔۔۔
کی ۔۔۔ ہے؟

میں نے کہا: اس بات کا ۔۔۔ اسلام مدنی زندگی میں جب ۔۔۔ آنے سے بعد D.O.C سے پہلے؟ میں نے تو اپنے مضمون میں اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ ۔۔۔ اس میں اس بات کا اقرار ہوتا ہے کہ اسلام تلوار سے ۔۔۔ پھیلا؟ ۔۔۔ سفیان رضی اللہ عنہ جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔۔۔ تک اخلاق سے ۔۔۔ اسلام کی طرف بلاتے رہے، فتح مکہ کے ۔۔۔ کسی نے ان کی گردن پر تلوار رکھی تھی کہ ۔۔۔ اسلام قبول کرو ۔۔۔ نہیں۔ طاقت کا ۔۔۔ دیکھ ۔۔۔ تھا انہوں نے جو کسی میدان میں شکست نہیں کھا رہے۔ ۔۔۔ بھاری ۔۔۔ بچے ہیں۔ پڑھا الرحیق المختوم میں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ۔۔۔ اعلانات کیے تھے کہ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے گا اسے امان دی جائے گی؟ یہ ۔۔۔ پڑھا ہے؟ انسان کی نفسیات ہے یہ۔ امریکہ کو آج بڑی بڑی گالیاں دینے والے اسی کا طرز رہائش اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ پینٹ شرٹ پہن کر اسی کے خلاف احتجاج کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے۔ جس کو طاقت ور پاتا ہے اس کا طرز رہائش اس امید پر اپنانے کی کوشش کرتا ہے کہ جیسے طاقت کا راز اسی میں پنہاں ہو۔ بڑی گہری بات ہے یہ۔ اللہ کرے آپ کو سمجھ آ جائے۔ رہبانیت بھرا دین کوئی پسند نہیں کرتا کہ بس بیٹھ کر اللہ اللہ کرتے رہیں اور کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا آگے کر دیں۔ یہ دنیا بہادر لوگوں کی قدر کرتی ہے اور بزدلوں سے نفرت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے ازلی دشمنوں سے خلاف طاقت کا استعمال شروع کیا تو ان لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے مظالم دیکھ چکے تھے اور کسی کو اپنا ۔۔۔ پاتے تھے، اس میں تیرہ سال کم اور بہادری و شجاعت کا زیادہ وقت۔ امید ہے بات اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی۔

آپ نے کہا کہ مسلمانوں نے قریش کے قافلے لوٹے؟ جو مسلمان مکہ میں مظالم

سے تنگ آ کر اپنا گھر بار جوں کا توں چھوڑ کر آ گئے۔ وہ تو پڑھا ہے آپ نے؟ الرحیق المختوم
پڑھا آپ نے کام کا نہ تھا؟ الرحیق المختوم مجھے پڑھوائیں گی آپ؟ میں پڑھواتا ہوں آپ کو
جو آپ نے لاری کی عینک لگا کر پڑھا۔ پڑھیے الرحیق المختوم میں مکہ میں مسلمانوں پر کیے
جانے والے ہوش ربا مظالم کی داستان۔ باب "ظلم و جور" صفحہ 122

جو کچھ اعلان نبوت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا اسے چھوڑ دیجیے،
دوسروں کے ساتھ ہوا وہ سنیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا چچا انہیں کھجور کے پتوں کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے
سے آگ کا دھواں دیتا۔ جرم کیا تھا؟ قبول اسلام۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ ان کو امیہ گلے میں رسی
باندھ کر رسی کا سرا بچوں کو پکڑا دیتا اور وہ ان کو مکہ کی گلیوں میں گھسیٹتے۔ کئی کئی دن بھوکا رکھا
جاتا۔ ان کو تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جاتا۔ جرم کیا تھا؟ قبول اسلام۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے ان کی شرمگاہ
میں نیزہ گھونپ کر ہلاک کر ڈالا۔ جرم کیا تھا؟

عمار کے والد یاسر کو بھی تپتی ریت میں ننگا کر کے لٹایا جاتا جس کو وہ سہہ نہ سکے اور
شہید ہو گئے۔ ان کا جرم کیا تھا؟

عمار بن یاسر پر بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔ ان کا جرم کیا تھا؟

الرحیق المختوم میں صفحہ 122 سے لے کر صفحہ 130 تک مسلمانوں پر مکہ میں
ہونے والے ظلم و ستم کی داستان جو ابھی صرف مختصراً بیان کی گئی ہے، وہ کس نے پڑھی تھی۔
کون سی عینک اتار کر پڑھی آپ نے اور کون سے نبی کی پیروکار ہیں آپ؟

قریش کا مال لوٹنا تو بیان کر دیا آپ نے۔ جو اپنی جان، مال، عزت بچا کر نکلے
خالی ہاتھ۔ انصار کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہوئے وہ کس نے پڑھنا تھا؟

بنی قریظہ؟ کون سے بنی قریظہ؟ وہی جنہوں نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں

پنجہ میں پھر انگوٹھا تھا؟ آپ نے الرحیق المختوم میں بنی قریظہ کا واقعہ صفحہ نمبر 428 سے پڑھا
غزوہ خندق میں جو عہد شکنی بنی قریظہ نے کی وہ کس نے پڑھی تھی؟ عہد و پیمان محمد صلی اللہ
علیہ وسلم سے کئے اور عین جنگ کے دوران جب مسلمان دو طرف سے پھنس گئے اور وہ اپنی بقا
کی جنگ لڑ رہے تھے تو اپنا وزن مشرکین کے پلڑے میں ڈال دیا؟ اتنی سنگین عہد شکنی کے
بعد اور غداری کے بعد کیا امید لگا کر بیٹھے تھے مسلمانوں سے کہ مسلمان واپس آکر پیار کریں
گے؟ کاٹ ڈالنے جو گئے تھے تو کاٹ ڈالا۔ کون سا ظلم؟ بچوں کی شلواریں اتار کر ان کے
زیر ناف بال دیکھے تو ان کی جان بچانے کی خاطر۔ کیوں کہ ان کے ہاتھوں سے قتل کے
احکامات آسمان سے نازل ہو چکے تھے۔ نابالغ بچوں کو نہیں مارنا تھا اس لئے ان کے زیر
ناف بال دیکھے گئے۔ صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا بنی قریظہ کی۔ وہ بھی اس لئے کہ اس نے
ایک صحابی کا قتل کیا تھا۔ باقیوں کو لونڈیاں بنایا گیا اور میں اب بھی قائم ہوں اپنی بات پہ کہ
اسلام کے خلاف محاذ آرائی کی جائے تو سوچ سمجھ کر کی جائے۔ اپنی عورتوں کو لونڈیاں ہوتا
دیکھنا ہے تو آجاؤ میدان میں۔ تمہاری عورتوں سے بچے پیدا کریں گے اور تم سے ہی
کروائیں گے۔

اسلامی تاریخ کا پہلا قتل مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا تو آپ نے ایسے کہا
جیسے اسلامی تاریخ کا پہلا قتل فرشتوں یا جنات کے ہاتھوں ہونا چاہیے تھا۔ یا آپ اپنا الحادی
عینک لگا کر اس کو انسانی تاریخ کا پہلا قتل سمجھ رہی ہیں یا آپ یہ سمجھیں کہ قتل غارت گری کی
ابتدا مسلمانوں نے کی؟ ابھی پیچھے بیان کیا میں نے کہ اسلام کا پہلی شہیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا
کو ان کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کیا گیا۔ وہ پہلا قتل ہوا یا یہ؟ ان کے شوہر کو قتل کیا گیا وہ
پہلا [illegible] بھول گئے یہ؟ الحادی عینک لگا کر آپ پڑھ رہی ہیں یا ہم اسلامی عینک لگا کر؟ [illegible]
[illegible] انسان پڑھتے ہوئے تھوڑی عقل ہی استعمال کر لیتا ہے یا الحادی عینک ہی
[illegible] ہے۔

آپ [illegible] اسلام جنگ کے ذریعے نہیں پھیلا

[illegible] سے [illegible] معاشی اور اقتصادی طور پر دیوالیہ کرنے کی منصوبہ بندی [illegible]
[illegible] نہ کی تھی۔

کیا اس [illegible] ہجرت [illegible] کی تھی؟ ہجرت سے کون پہلے معاشی اور اقتصادی [illegible]
دیوالیہ [illegible] وقت [illegible] بینک چلا رہی تھی؟

مسلمانوں نے [illegible] کیسے [illegible] پڑھا؟

جواب نمبر 2۔ میں نے کہا کہ بادشاہ کو کہا جاتا کہ ہمارے [illegible]
کی اجازت دیں اور جو اسلام قبول کرے اس پر کوئی ظلم نہ کیا جائے۔

میری اس بات کا آپ نے یہ مطلب اخذ کیا کہ جو اسلام قبول نہ کرے اسے [illegible]
کیا جائے۔ سبحان اللہ۔ قربان جاؤں میں آپ کی عقل پر۔ ایسی تو [illegible]
[illegible]۔ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ عقل والوں پر چھوڑتے ہیں کہ [illegible]
اسلامی بینک کا ذکر [illegible] اور کس نے [illegible] بینک لگا کر میرے الفاظ پر اپنی تشریح کی۔

آپ نے تیسری شرط پر اعتراض کیا جس میں میں نے بادشاہ کو جزیہ [illegible]
[illegible] سے پہلے کی دو شرائط کی قباحت بھی تو بتائیں۔ ٹھیک ہی تو ہے [illegible]
اسلام قبول کرلے یا اسلام پھیلانے کی امن سے اجازت دے دے اور [illegible]
[illegible] نہیں کرتا تو پھر [illegible] احمقانہ اعتراض ہے آپ کا کہ [illegible]
[illegible] آپ تیسری شرط پر اعتراض کریں۔

جواب نمبر 3۔ اس میں آپ کو یہ کس نے بتایا کہ صحابہ کفار سے دین کی [illegible]
[illegible] تعلیمات لیتے تھے؟ [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے [illegible]
[illegible] ایسا شخص جس کو لکھنا پڑھنا نہ آتا ہو۔ [illegible] الفاظ
[illegible] مضمون [illegible] پڑھیں اور [illegible] بینک [illegible] کی بات کریں۔

جواب نمبر 4۔ آپ نے [illegible] آئے تھے [illegible]

تھے۔ بنی قریظہ کا معاملہ میں نے پہلے بھی بیان کیا۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف امن کا بلکہ جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دینے تک کا معاہدہ کر رکھا تھا اور جب مسلمان غزوہ خندق میں بری طرح پھنس گئے اور مدینہ کافی کمزور پڑ گیا تو بنو قریظہ نے رہ گئے تو انہوں نے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا اور یہ تب مسلمانوں کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اس سے بڑی غداری کی مثال اور کیا ہوگی۔ پہلے کی ہ غزوہ خندق سے پورا واقعہ پڑھیں اور ان کی جنگ تیار کر پڑھیں۔

پھر آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لونڈیاں منسوب کیں اور مجھے لگتا ہے کوشش کی اور اس کے لیے صفی الرحمن مبارکپوری کے الفاظ لیے کہ "مشہور ہے کہ نبی نے اپنے پاس لونڈیوں کو رکھا۔"

سبحان اللہ۔ "مشہور ہے" یہ کیا ہوتا ہے؟ یہ کس قسم کا ثبوت ہے؟ یہی تو میں بھی عرض کر رہی تھی کہ نبی کے بارے میں یہ باتیں مشہور کی گئیں جن کا کوئی ثبوت کسی نے بیان نہیں کیا۔ نہ الرحیق المختوم میں صفی الرحمن نے کوئی ثبوت دیا نہ ابن قیم نے۔ سب نے "مشہور ہے" کی ہی بات کی۔

کیا آپ جانتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لونڈی امیمہ بنت شرحبیل کے نام سے بھی لائی گئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا مگر جب اس کے پاس گئے تو اس نے کہا۔ میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ جس پر آپ نے فرمایا تمہیں پناہ دی جاتی ہے اور پھر صحابہ کرام کو باہر آ کر کہا کہ اسے اس کا سامان دے کر گھر بھجوا دو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہمارے قبیلے سے ہمارا کوئی تعلق استوار رکھا جا سکتا تو تو امیمہ بنت شرحبیل کی تو بطور لونڈی ہی آئی تھی۔ اس کو کیوں گھر بھجوا دیا؟ پھر ماریہ قبطیہ کی سودہ ان کے بعد بھی پندرہ سال تک حیات رہیں مگر دوبارہ کسی اور سے نکاح نہ کیا۔ اگر لونڈی ہوتیں تو نبی کے وصال کے بعد آزاد تھیں جس سے مرضی نکاح کر لیتیں۔

حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا بھی بطور لونڈی ہی لائی گئی تھیں۔ اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے پاس ان سے ہم بستری کی تو صحابہ نے آپس میں غور کیں کہ کیا نبی نے نکاح کیا ہے یا بطور لونڈی خلوت فرمائی ہے۔ جس پر کچھ صحابہ نے کہا کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ کو پردہ کروائیں گے تو اندازہ ہو جائے گا کہ نکاح کیا ہے یا نہیں۔ پھر جب آپ نے ان سے پردہ کروایا تو صحابہ کو علم ہوا کہ آپ نے نکاح فرمایا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جس خصوصیت پر صحابہ کرام نے صفیہ بنت حیی کو منکوحہ تسلیم کیا تھا وہ تو ماریہ قبطیہ میں بھی تھی۔ پھر وہ منکوحہ کیسے نہ ہوئیں؟ کیا یہی پیمانہ ہے کہ جس کے نکاح کی حدیث نہ ملے اسے لونڈی سمجھ لیا جائے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا جائزہ لینے کے لئے امیمہ بنت شراحیل کی حدیث کافی نہیں؟

امام ابن کثیر نے اگر بیس لونڈیوں کے نام بتائے ہیں تو یقیناً ان حدیثوں کا حوالہ بھی دیا ہوگا جہاں سے انہوں نے یہ معلومات اخذ کیں۔ ان حدیثوں کا حوالہ دے دیں تاکہ میں بھی پڑھ لوں۔

امید ہے تسلی ہو گئی ہوگی۔ نہ ہوئی ہو تو دوبارہ بتائیے گا اور تسلی کروا دوں گا۔

غلامی

سورہ البقرہ آیت نمبر 177

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

"نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰة دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں ۱۷۷"

سورہ النساء 24۔25

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۖ كِتَابَ اللَّهِ

عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ
مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً وَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٢٤﴾
وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ
مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ
مِنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ
بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ
الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾

"اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آ جائیں (یہ حکم) خدا نے تم کو لکھ دیا ہے اور ان (محرمات) کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ (نکاح سے) مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کر دو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۲۴ اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں میں ہی جو تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں (نکاح کر لے) اور خدا تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو بشرطیکہ عفیفہ ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں پھر اگر نکاح میں آ کر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) کے لئے ہے اس کی آدھی ان کو (دی جائے) یہ (لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے کی) اجازت اس شخص کو ہے

کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اور خدا بخشنے والا
مہربان ہے ۲۵"

سورہ النساء آیت نمبر 36

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي
الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ
مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿٣٦﴾

"اور خدا ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ
اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور
رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں
سب کے ساتھ احسان کرو کہ خدا (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے
والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا ۳۶"

سورہ نور آیت نمبر 32-33

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِنْ
يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾
وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ
يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ
وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ
أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ
بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٣﴾

"اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو
نیک ہوں (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل سے

غنی کر دے گا۔ اور خدا (بہت) وسعت والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے ۳۲ اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کیے رہیں یہاں تک کہ خدا ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔ اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرلو۔ اور خدا نے جو مال تم کو بخشا ہے اس میں سے ان کو بھی دو۔ اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا۔ اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاریوں) کے مجبور کئے جانے کے بعد خدا بخشنے والا مہربان ہے ۳۳"

قرآن میں جگہ جگہ غلاموں کے حقوق اور ان سے نیک سلوک کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس سے ملحدوں نے اس غلط فہمی کو جنم دیا کہ شاید غلامی کا آغاز ہی اسلام سے ہوا۔ جبکہ یہ بات صریحاً جھوٹ پر مبنی ہے۔

اسلام آنے سے پہلے غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت ایک عام معمول تھا۔ بعض لوگ غلام پیدا ہوتے اور غلام ہی مر جاتے۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا جس کی مثال بلال رضی اللہ عنہ جنہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کرایا۔

اسلام میں غلامی کا تصور وہ نہیں ہے جو دنیا میں پہلے رائج تھا۔ اسلام کسی آزاد شخص کو خرید کر غلام بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ اسلام میں غلام کا صرف ایک ہی تصور ہے اور وہ ہے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شکست کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا۔ دوسرے لفظوں میں آپ انہیں جنگی قیدی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس پر بھی ملحدوں کو اعتراضات ہیں کہ ایسا بھی آخر کیوں ہے۔

آیئے اس کی وجوہات پہ بات کرتے ہیں۔

جنگ میں جو قیدی پکڑے جاتے ہیں ان کے ساتھ آخر سلوک کیا کیا جائے؟

۱۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔

۲۔ انہیں غیر مشروط طور پر رہا کر دیا جائے۔

۳۔ ان کے بدلے میں اپنے وہ قیدی آزاد کروا لیے جائیں جو دشمن کی قید میں ہوں۔

۴۔ ان کے بدلے میں دشمن سے مال یعنی فدیہ حاصل کیا جائے۔

۵۔ انہیں غلام بنا کر رکھا جائے اور ان سے خدمت لی جائے۔

اب ان میں سے ہر ایک پر تھوڑی گفتگو کرتے ہیں۔

۱۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔

ان کو قتل کرنے کا حکم اسلام میں قصاص کے طور پر ہے یعنی وہ جنگ لڑنے آیا تو مسلمانوں کو قتل کرنے کے ارادے سے ہی آیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی آزاد شخص پر مسلمان کے قتل کا الزام ثابت ہو جائے تو کیا اسے چھوڑ دیا جاتا ہے؟ جی نہیں اسے بھی قصاص میں قتل ہی کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ قانون غلاموں کے لیے خاص نہیں بلکہ ایک معمول کا حکم ہے جو نہ صرف اسلام بلکہ پوری دنیا میں رائج ہے۔

۲۔ انہیں غیر مشروط طور پر آزاد کر دیا جائے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟ کیوں آزاد کر دیا جائے؟ تاکہ وہ دوبارہ قوت پکڑیں اور ایک بار پھر حملہ کریں مسلمانوں پر؟ وہ کرنے کیا آئے تھے؟ کیا ان کا مقصد جیتنے کی صورت میں مسلمان عورتوں کی عصمت دری اور مردوں اور بچوں کا قتل عام نہیں تھا؟ تو جنگی قیدیوں کو غیر مشروط طور پر آزاد کرنا ایک احمقانہ فعل ہے اور مسلمان احمق نہیں ہیں۔

۳۔ ان کے بدلے میں اپنے وہ قیدی آزاد کروا لیے جائیں جو دشمن کی قید میں ہوں۔

یہ وہ مسلمہ اصول ہے جو پوری دنیا میں رائج ہے۔ سادہ حساب کہ ایک ہاتھ سے دو دوسرے سے لو۔ یہ بندہ اپنا لے لو یہ بندہ ہمارا دے دو۔ اس میں کیا بات قابل

اعتراض ہے؟

۴۔ ان کے بدلے میں دشمن سے مالی یا کوئی بھی فائدہ حاصل کر لیا جائے۔

یہ وہ اصول ہے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا۔ جو قیدی دس صحابہ کو لکھنا پڑھنا سکھا دے گا وہ آزاد ہو گا۔ ملحدین، مسلمانوں پر ایک اعتراض یہ کرتے ہیں کہ کافروں سے اتنی نفرت ہے تو مسلمان ان سے علم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ ان کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کیوں حاصل کرتے ہیں؟ علماء کے بچے تعلیم حاصل کرنے کیوں جاتے ہیں؟ مسلمان علاج کی غرض سے کفار کی طبی سہولیات سے استفادہ کیوں حاصل کرتے ہیں؟ یہ غیر منطقی اعتراضات ہیں۔ جن کا نہ کوئی سر ہے نہ کوئی پیر۔ ان کے تعلیمی ادارے اور ہسپتال مسلمانوں کو بھی یہ سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ یہ بھی وہ کاروباری نکتہ ہے جس کی اسلام میں اجازت ہے۔ آپ کسی کافر کو وہ مال یا پیسے دیتے ہیں جو آپ کے پاس موجود ہے اور اس کے عوض اس سے وہ سہولت لے رہے ہیں جو ان کے پاس موجود ہو۔ چاہے وہ علمی ہو یا طبی۔

۵۔ انہیں غلام بنا کر رکھا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہ وہ آخری نکتہ ہے جس پر اعتراض ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر دشمن کے پاس ورثاء کی سہولیات میں سے دینے کو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کیا جائے؟ میں پہلے عرض کر چکا، مسلمان احمق نہیں ہوتے کہ غیر مشروط طور پر غلام آزاد کر دیا جائے۔ اگر دشمن کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو تو پھر قیدی کو غلام بنا کر انتظار کیا جائے گا کہ یا تو جس کے پاس ہے وہ فائدے کی کوئی چیز یا ہمارا کوئی مسلمان بھائی قید ہو کر چلا جائے تو اس کا اس سے بدلہ کیا جائے۔ ورنہ قرآن و حدیث میں ایسے اصول بھی موجود ہیں جن میں کئی گناہوں کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے بھی غلام اچھے سلوک اور مسلمانوں سے غداری نہ کرنے کے وعدے پر آزاد کر دیے جاتے ہیں۔

اب چلتے ہیں ملحدوں کے پسندیدہ موضوع کی طرف یعنی لونڈیوں سے نکاح۔

[illegible]

اس بات پر اعتراض [illegible]

[illegible] اعتراض [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] دونوں [illegible]

[illegible]

[illegible] اعتراض [illegible]

[illegible]

یہاں اس بات کو ملحوظ [illegible] اعتراض [illegible] [illegible] نہیں [illegible] منطقی لحاظ سے غلط ہے؟ یقیناً جہاں [illegible] [illegible] جواب دینا [illegible] اعتراض [illegible]

اس بات کا جواب میں پہلے [illegible] اللہ یا رسول [illegible] [illegible] اگر ہم آج اپنی [illegible] جب حرمت کا حکم [illegible] جب حکم نہیں تھا تو [illegible] گدھے کا گوشت [illegible] گدھے کی حرمت کا حکم [illegible] گدھے کا گوشت [illegible]

جب رسالت کا علم نہیں، وہ اوقات کے تقاضے [illegible]

گوشت کا گوشت جیسی بھی نہیں تھے۔ حالانکہ قرآن اور عقل اسلام سے [illegible]

ہوں رائج نہیں۔ صرف بدبرداری سے کام لیتا تھا [illegible] حکم [illegible] گیا۔ خاقیت [illegible]

کی بدولت۔ ورنہ جب اللہ کے حکم سے ان کی علاقیت؟ کہاں کی علاقیت؟

کی عورت سے ہمبستری سے پہلے نکاح کا حکم نہیں اللہ نے دیا ہے [illegible]

کرتے ہیں۔ اور جس سے بچی کی [illegible] شرعی حد نہیں تاکہ نکاح کے بعد [illegible]

ہو جائے تو بچے معذور پیدا ہوں گے جس اللہ نے حکم دیا نکاح کیا جائے [illegible]

لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری کی اجازت دے دی تو یہاں [illegible] یہ خلاقی [illegible]

ہی نہیں۔ اگر اللہ عام عورتوں سے نکاح کے بغیر ہمبستری کی اجازت دے دیتا تو [illegible]

نکاح کرتے؟ ہم مسلمان اللہ کے حکم پر چلتے ہیں اور کسی پرائی علاقیت کی [illegible]

کرتے ہیں اگر کسی عورت سے بغیر نکاح کے ہمبستری بد اخلاقی ہے تو یہ اخلاقیات کا

نہیں سمجھا جاتا، [illegible] لکھ رہا ہے۔ اگر اللہ کے حکم پر لونڈی سے بغیر نکاح کے ہمبستری [illegible]

تو یہ غلط کیسے ہو گئی؟ جب اللہ نے لونڈی سے ہمبستری میں کوئی بھی شہوت رانی [illegible]

نہیں دی ہوگی کہ جیسے ملحد اس غرض سے متعلق ضعیف احادیث دکھا دکھا کر ثابت کرتے ہیں۔

لونڈی بھی صرف اپنے مالک کے لیے حلال ہے۔ کہ سارے مسلمانوں کے لیے [illegible]

[illegible] کا ترجمہ پڑھ لیں تاکہ سارے اصول سمجھ جائیں۔ لونڈی کی آزادی ثبوت [illegible]

نکاح سے۔ جس طرح بیوی ایک مرد کے لیے مخصوص ہوتی ہے اسی طرح لونڈی بھی ایک مرد

کے لیے مخصوص ہوتی ہے اور یہی مقصد نکاح کا بھی ہے کہ عورت کسی ایک مرد کے لیے

مخصوص ہو جائے۔

[illegible] اللہ اس [illegible] بتاتا ہے۔

* لونڈی کی مرضی کے بغیر اس سے زبردستی ہمبستری کرنا۔

اس بات کی وضاحت بھی میں متعدد بار اپنی تحریروں میں کر چکا ہوں [illegible]

سے بغیر نکاح کے ہمبستری اس کی سزا ہے۔ کیا دنیا کی کوئی عدالت کسی مجرم کو سزا سنانے کے بعد اس سے اخلاقی طور پر بھی کبھی پوچھتی ہے کہ تمہیں یہ سزا منظور ہے یا نہیں؟ ایک چور کو دس سال قید باشقت کی سزا دینے کے بعد کیا جج کو مجرم سے یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمہیں یہ سزا منظور ہے یا نہیں؟ کہیں ہم تمہارے ساتھ کسی زبردستی کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ یا جنگ میں معاونت کے جرم میں پکڑی گئی ہے تبھی لونڈی بنی۔

پھر ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ جس ملک پہ مسلمان جنگ کے ذریعے قبضہ کرتے ہیں اس ملک کے تمام عوام غلام بنا لیئے جاتے ہیں۔ یہ محض غلط فہمی ہے جو پھیلائی جا رہی ہے ورنہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان دنیا کے ستر فیصد رقبے پر حکمرانی کر چکے ہیں۔ کیا ساری دنیا کو غلام بنایا گیا تھا؟ ہندوستان پہ محمد بن قاسم کی یلغار کے بعد کیا سب ہندوستانی غلام بن گئے تھے؟ جی نہیں۔ غلام صرف وہ بنایا جاتا ہے جس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں باقاعدہ حصہ لیا ہو یا کسی قسم کی مالی یا طبی معاونت کی ہو۔ یعنی جو شخص جنگ لڑا ہو۔ جس نے مال فراہم کیا ہو۔ یا جس خاتون نے زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور اپنی فوج کو طبی سہولت فراہم کی ہو۔ یا جن کا تعلق شاہی خاندان سے ہو ان کو غلام بنایا جاتا ہے۔ پوری عوام غلام نہیں بن جاتی۔

پھر طبقات الاسعد اور سیرت ابن ہشام سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث بیان کی جاتی ہیں کہ وہ لونڈی خریدنے سے پہلے ان کے جسم ٹٹولا کرتے تھے۔ یہاں پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ طبقات الاسعد اور سیرت ابن ہشام مسلمانوں میں کہاں رائج ہے؟ کیا مسلمان ان سے استفادہ کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں کرتے؟ طبقات الاسعد اور سیرت ابن ہشام مسلمانوں کے بے بھروسہ ذرائع ہیں جو صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی۔ تحقیق کون کرے گا کہ کیا صحیح ہے کیا غلط؟ صحیح احادیث کی کتابوں میں ایسی ایک بھی حدیث موجود نہیں جس میں یہ احادیث درج ہوں۔

○

ماضی، حال اور مستقبل

ذرا پلک جھپکیے۔ جھپک لی؟ اب یہ پلک جھپکنا آپ کا ماضی بن چکا۔

کیا آپ مجھے اپنی گھڑی میں دیکھ کر بالکل ٹھیک وقت، منٹ، سیکنڈ بتا سکتے ہیں، سیکنڈ کے ساتھ؟

میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ کوشش کر دیکھیے۔

فرض کریں جس وقت میں نے آپ سے وقت پوچھا اس وقت 3 بج کر 25 منٹ اور 45 سیکنڈز ہوئے تھے۔ جس وقت آپ نے میرا جملہ سن کر وقت دیکھا اس وقت 3 بج کر 25 منٹ اور 50 سیکنڈز ہو چکے تھے۔ پھر جب آپ نے مجھے وقت بتایا اس وقت 3 بج کر 25 منٹ اور 55 سیکنڈز ہو چکے تھے۔

تو کیا آپ نے مجھے ٹھیک وقت بتا دیا؟

جی نہیں۔

اگر آپ نے مجھے وہ وقت بتایا جس وقت میں نے وقت پوچھا تھا تو آپ مجھے ماضی کا وقت بتا رہے ہیں۔ اور اگر وہ وقت بتا رہے ہیں جو آپ نے گھڑی میں دیکھا تو جھوٹ بول رہے ہیں کیوں کہ بتاتے بتاتے وہ وقت بھی ماضی بن چکا۔ اور اگر اپنی طرف سے پانچ سیکنڈز بتانے کے شامل کر کے وقت بتا دیں گے تو وہ تو میں نے آپ سے پوچھا ہی نہیں تھا۔ آپ کہہ سکتے ہیں، دیکھیے وقت ماضی بن گیا اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔

وقت اصل میں ہے کیا؟

آپ کا ایک طویل ماضی۔

آپ کا متوقع طویل مستقبل۔

اور؟

اور بس۔

حال کا وجود کیا ہے؟

حال کو پکڑنا ممکن نہیں۔

اگر آپ نے اسے نوٹس کر لیا تو آپ کے نوٹس کرتے ہی وہ ماضی میں تبدیل ہو جائے گا۔ اور جو ماضی ہو چکا وہ حال کیسے ہو سکتا ہے۔ مستقبل کو ماضی بننے کے لئے صرف پلک جھپکنے کا وقفہ درکار ہے۔

آئن اسٹائن کے مطابق وقت دو چیزوں کی حرکت کے درمیانی وقفے کا نام ہے۔ جتنے عرصے میں زمین اپنے محور پر ایک چکر پورا کرتی ہے وہ دن کہلاتا ہے۔ جتنے عرصے میں چاند زمین کے گرد ایک چکر پورا کرتا ہے وہ ایک ماہ کہلاتا ہے۔ جتنے عرصے میں زمین سورج کے گرد اپنا ایک چکر پورا کرتی ہے وہ ایک سال کہلاتا ہے۔

وقت کا پیمانہ ہمیشہ چیزوں کی حرکات رہی ہیں۔

پہلے ہم مٹی کی گھڑی استعمال کرتے تھے۔ جتنے وقت میں گلاس کے ایک طرف سے مٹی نکل کر دوسری طرف چلی جائے وہ پیمانہ بن گیا۔ ہم نے گول گھڑی پتہ نہیں کب بنا لی مگر یہ کائنات گول گھڑیوں سے بھری پڑی ہے۔ سب کا وقت مختلف۔

قرآن بھی ایسی ہی تشبیہات دیتا ہے۔

اللہ کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسے ایک ہزار سال جو تم گنتے ہو۔ فرشتے اور "ان پر چڑھتے ہیں ایک ایسے دن جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

قرآن میں بھی وقت کا تعین حرکات سے ہے۔ اور حرکت ہر چیز کی مختلف۔

میں جب کالج میں تھا تو اس مستقبل کے متعلق خواب دیکھتا تھا جو میں اس وقت

گزر رہا ہوں۔ ہر انسان کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

آپ کا مستقبل کب آپ کا ماضی بن جائے گا آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا۔ یہ
کی سب سے تیز رفتار چیز جس کا کسی سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ کیا کل اور کیا روشنی۔ یہ
بھاگے جا رہا ہے۔ زندگی گزارتے جائیے۔

جیسن کہتے ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک صرف پلک جھپکنے کا ہی وقفہ
اسے اچھے کاموں میں گزاریں۔

انسان اور امتحان

کچھ طلبہ اور اساتذہ کے اعتراضات ہیں جن کے جواب آگے دیے گئے ہیں۔

1. کیا صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے؟
2. پھر مسلمانوں میں سے بھی صرف ایک ہی فرقہ جنت میں جائے گا؟
3. ہٹلر نے پچاس لاکھ لوگوں کو جنگ میں مروا اور قتل کروایا، کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟
4. مشرک کون ہیں اور کیا مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟
5. اللہ کسی کو گناہ کرنے سے زور طاقت کیوں نہیں روکتا تاکہ وہ جہنم سے بچ جائے؟
6. کیا کسی امتحان کا ایسا پیپر سیٹ کرنا منطقی ہے جس میں ننانوے فیصد لوگ فیل ہو جائیں؟
7. اللہ نے تمام انسانوں کی ارواح پیدا کیں اور ان سے عہد لیا۔ اب وہ عہد ہمیں یاد ہی نہیں تو پاسداری کیوں ضروری ہے؟
8. جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی کیا وہ بھی جہنمی ہیں؟

اب آتے ہیں جوابات کی طرف۔ سوالات چونکہ زیادہ ہیں لہٰذا اختصار کے ساتھ جواب دینے کی کوشش کروں گا۔

1. کیا صرف مسلمان ہی جنت میں جائیں گے؟

جواب۔ عموماً لوگ مسلمان سے مراد امت محمدی ﷺ لیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن تمام

انبیاء پر سچے اپنے دور میں ایمان لانے والے تمام لوگوں کو مسلمان قرار دیا گیا ہے۔ مسلمان سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو اپنی زندگی اللہ کی فرمانبرداری میں بسر کرے۔ مسلمان سے مراد صرف وہ لوگ نہیں جو قرآن کو مانتے ہیں بلکہ وہ تمام لوگ جو اپنے اپنے دور میں اپنی طرف بھیجے گئے انبیاء پر ایمان لائے وہ سب مسلمان تھے اور وہ سب جنت میں داخل ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہاں ایک اصول سمجھنا بھی ضروری ہے کہ حضور کے بعد حضور کی بعثت عام ہے۔ لہٰذا جو شخص اس دور میں پیدا ہوا کہ اس دور تک آنے والے تمام انبیاء پر ایمان لائے گا وہی مسلمان کہلائے گا۔

۴۔ کیا مسلمانوں میں سے بھی صرف ایک ہی فرقہ جنت میں جائے گا؟

جواب۔ یہ بات بھی غلط ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ جو بات حدیث میں بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک ہی گروہ جنت میں جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے وابستہ رہے گا۔

اب یہاں دو سوال ہیں۔

پہلا یہ کہ جو شخص کسی نبی کا امتی ہے، کسی کے طریقے پر نہیں تو وہ کس میں شمار ہوتا ہے؟

دوسرا یہ کہ جنت میں جانے کے لئے کسی خاص گروہ کا ہونا ضروری ہے۔ صرف یہی کافی ہے کہ جس طریقے پر آپ چل رہے ہیں وہ نبی کا بتایا ہوا طریقہ ہو۔

پہلے سوال کی وضاحت کی یہی شکل ہو سکتی ہے۔ [illegible]

حدیث نبوی پیش ڈال کر کسی فرقے سے منسوب ہے۔

اب یہاں بھی وہی بحث ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی بحث میں قرآن و حدیث کا پیچھا چھوڑ دے اس کے جنت میں جانے کا کیا جواز ہے؟

ہٹلر نے پانچ لاکھ افراد کو گیس چیمبر میں ڈال کر قتل کر دیا۔ کیا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا؟

جواب۔ جن صاحب نے یہ سوال پوچھا انہوں نے یہ بھی اعتراض کیا کہ ہٹلر کو ہمیشگی جہنم کا یہ جواز غلط ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ ہٹلر کو پانچ لاکھ مرتبہ اسی طرح قتل کی سزا دے دی جائے اور بس۔

اب یہاں سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ ہٹلر پانچ لاکھ افراد کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا یہ بات آپ نے کہاں سے اخذ کی؟

کیا یہ قرآن میں لکھا ہے یا حدیث میں؟

قرآن کے مطابق ہمیشگی کی جہنم صرف کافر اور مشرک کے لئے ہے (اس کی بھی وجہ آگے آئے گی)۔

حدیث میں تو واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے سو قتل کیے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال رحمت سے اسے معاف کر دیا۔ یہ واقعہ آپ کی ہٹلر والی مثال سے بالکل مختلف ہے۔

اللہ کسی کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دینے والا۔ ہٹلر اگر ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا ہے تو اس کی وجہ اس کا کفر اور شرک تو ہو سکتی ہے مگر پانچ لاکھ انسانوں کا قتل نہیں۔

قرآن کسی بھی مقام پر چوری، زنا، قتل اور دیگر برائیوں پر ہمیشگی کی سزا کی وعید نہیں سناتا۔ مگر وہی شخص قاتل ہونے کے ساتھ ساتھ کافر و مشرک بھی ہو تو اس جرم میں یقیناً ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔

جنتی شخص اور جہنمی شخص کا جو معیار آغاز میں بتا دیا گیا وہ آج بھی ایک ہی ہے۔

آغاز میں معیار کیا تھا؟

ابلیس کو کہا آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے نہیں کیا۔ اللہ کی نافرمانی کی۔ آدم علیہ السلام کو کہا اس درخت کا پھل مت کھانا۔ انہوں نے کھا لیا۔ اللہ کی نافرمانی کی۔

فرق کیا ہے؟ نافرمانی تو دونوں نے کی؟

فرق صرف یہ ہے کہ ابلیس نے نہ صرف غلطی کی بلکہ ہٹ دھرمی سے اس غلطی کی اصلاح کرنے اور شرمندہ ہونے سے انکار کر دیا۔ اسے بغاوت کہتے ہیں۔ جبکہ آدم علیہ السلام کو جیسے ہی غلطی کا احساس ہوا۔ انہوں نے فوراً توبہ کر لی۔

یہ سادہ سا کلیہ ہے۔ فیصلے آج بھی اسی کلیئے پر ہوتے ہیں اور آئندہ بھی اسی پر ہوں گے۔ ایک شخص جانتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ مگر وہ اصلاح نہیں کرتا۔ ضد پر اڑا رہتا ہے اور اسی حال میں مر جاتا ہے۔

اس کے جہنم میں جانے کا ذمے دار کون ہے؟ اللہ یا وہ خود؟

4۔ مشرک کون ہیں اور کیا مشرک ہمیشہ جہنم میں رہیں گے؟

جواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔

سورہ النساء آیت 48

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

"اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا ۴۸"

شرک وہ گناہ ہے جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا کہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا۔ اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی کہ جس نے شرک کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔

ہزاروں [illegible] شرک سے ہی پھوٹتے ہیں۔
دنیا حاصل کرنے کی خواہش انسان کو پیسہ [illegible] بنا دیتی ہے جس میں پاکیزگی کی جگہ غلاظت لے لیتی ہے۔ اپنے تیار کردہ بتوں کو خوش کرنے کے لئے زمین پر ایک فساد برپا کیا جاتا ہے۔ اپنی دنیاوی خواہش کے حصول کی خاطر دوسرے انسان کی قربانی دی جاتی ہے۔ یعنی ہر برائی کا آغاز اسی شرک سے ہوتا ہے۔

پھر جیسے کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ اصل جرم گناہ کا کرنا نہیں بلکہ اس پر ڈٹ جانا ہے۔ اس کو بغاوت کہتے ہیں۔ کفر و شرک بغاوت کے زمرے میں آتے ہیں کہ انسان جیسی صاحب شعور مخلوق محض کچھ وقتی فائدوں کے لئے جانتے بوجھتے حقیقی خدا کا انکار کر کے اپنے در پر بٹھا دے شے خود اس کی اپنی عقل تسلیم کرنے سے قاصر ہو۔ یہاں معاملہ لاعلمی کا نہیں بلکہ علم رکھنے کے باوجود کفر کا ہے۔ اسی لئے اس جرم کی معافی نہیں رکھی گئی۔

5۔ اللہ کسی کو گناہ کرنے سے بزور طاقت کیوں نہیں روکتا تاکہ وہ جہنم سے بچ جائیں؟

جواب۔ اللہ اگر چاہے تو اس دنیا سے گناہ کو مٹا دے اور عبادات کو بزور عام کر دے۔ پھر کسی کی مجال نہیں کہ دنیا میں کوئی فساد برپا کر سکے۔

مگر یہاں سوال یہ ہے کہ اس طرح کی غیر اختیاری مخلوق جو گناہ پر ہی قادر نہ ہو بلکہ صرف عبادات کرتی ہو کیا پہلے موجود نہ تھی؟ بالکل موجود تھی اور موجود ہے۔ اللہ کے فرشتے اللہ کے مکمل مطیع و فرمانبردار ہیں۔ ان کا کام اللہ کا حکم بجا لانا اور اللہ کی عبادات کرنا ہے۔ پھر دوبارہ انسان کے روپ میں ایک نئی مخلوق انہی خصوصیات کے ساتھ پیدا کر دی جاتی تو اس کا جواز کیا تھا؟ کیا فرق ہوتا فرشتے میں اور انسان میں؟

ایک شخص کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے سامنے سونے چاندی کا ڈھیر لگا دیجیے۔ پھر اپنے کام میں لگ جائیے۔ شام کو واپس آئیں گے تو وہ شخص بندھا ہوا ملے گا اور سونے

چاندی کے ڈھیر کو اس نے چھوا بھی نہیں ہوگا۔ کیا وہ شخص قابل تعریف ہے کہ اس نے چوری نہیں کی؟ اب آپ اسے انعام و اکرام سے نوازیں گے؟

معذرت کے ساتھ اس قسم کی بے ڈھنگی پلاننگ اور امتحان کوئی انسان ہی کر سکتا ہے۔ خدا کو یہ زیب نہیں دیتا۔ اللہ آپ کو علم عقل اور ہدایت کے ذریعے برائی سے بچا رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ طاقت صرف اس صورت میں استعمال کی جائے گی جب اس کی پلاننگ میں کسی بڑی تبدیلی کا اندیشہ پیدا ہو جائے۔ بصورت دیگر صرف انبیاء کے ذریعے ہدایت آپ کے سامنے رکھ دی جائے گی۔ آپ قبول کریں یا رد کریں آپ کی مرضی۔

اس پرچے دہرا ہے۔

6- کیا کسی امتحان کا ایسا پرچہ سیٹ کرنا منطقی ہے جس میں ننانوے فیصد لوگ فیل ہو جائیں؟

جواب۔ یہاں پہلا سوال تو یہ بنتا ہے کہ کیا واقعی امتحان اتنا مشکل ہے؟ جی نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس امتحان میں فیل صرف وہ ہو سکتا ہے جو سرے سے امتحان دینے سے ہی انکار کر دے۔

فرض کیجیے آپ کو ایک امتحان گاہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ آپ کے سامنے ایک پرچہ رکھا جاتا ہے کہ اسے حل کرو۔ آپ کے سامنے کتابیں کھول دی جاتی ہیں کہ ان سے نقل کر لو۔ پھر ہر چند منٹ بعد کسی کو آپ کی مدد کے لئے امتحان گاہ کے اندر بھیج دیا جاتا ہے جو آپ کی بھرپور مدد کرتا ہے۔ آپ غلطی کرتے ہیں تو محض اتنا تقاضہ کیا جاتا ہے کہ اسے چھوڑ کر معافی مانگ لو۔ پھر غلطی کرو پھر معافی مانگ لو۔ پھر غلطی کرو پھر معافی مانگ لو۔ کرو ہزار بار غلطی کرو ہزار بار معافی مانگو۔ تم پھر بھی پاس ہو جاؤ گے۔

پھر فیل ہونے کا جواز کیا بچتا ہے؟

آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ خود آپ امتحان دینے کو تیار نہیں مگر اسی امتحان گاہ میں

دوسرے لوگ موجود ہیں ان کے لیے مصیبت کھڑی کر رہے تھے۔ وہ جو
ان کو امتحان دینے سے روک رہے تھے۔ ان کے ... میں ہوتے
امتحان کا ایک جھوٹ ہے۔ یہ منطق بھی جھوٹا ہے۔ جو دھوکا کر رہے تھے
امتحان دینے بیٹھے ہیں وہ سب کے سب بے وقوف تھے۔
یقیناً جو شیطان کی سزا وہ آپ کی۔ کیوں کہ جو کام شیطان نے کیا ہے وہی آپ
ہیں۔ آپ کو لگتا ہے یہ امتحان غیر منطقی ہے؟ مجھے آپ کی تبلیغ غیر منطقی لگی ہے۔
... ہیں؟ ... کا"

جب آپ کو یقین ہے کہ خدا نہیں ہے تو ڈر کس بات کا؟ آپ خود بخود پیدا ہوئے۔ خود بخود مر جائیں گے۔ کہانی ختم۔ پھر اگر کوئی خدا ہوا تو وہ آپ کو خود ہی ... کرے گا۔ ... تو نہ کھڑا کرے گا۔

آپ کی تبلیغ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خالی ریڑھی لے کر سخت مشقت میں سارے بازار میں صبح سے شام تک گھوم رہا ہے۔ ہر تھوڑی دیر بعد آواز لگاتا ہے "پچاس روپے کلو پچاس روپے کلو"۔ جب کوئی پوچھتا ہے کہ تم کیا بیچتے ہو پچاس روپے کلو جبکہ ریڑھی پر تمہاری تو کچھ بھی نہیں۔ جواب میں آپ کہہ رہے ہو کہ میں پچاس روپے کلو میں کچھ بھی نہیں بیچ رہا۔

جب خدا نہیں ہے اور ہر ایک نے مر کر مٹی ہو جانا ہے تو خدا کے خلاف یہ تبلیغ کس لیے؟ اور اگر خدا ہے اور آپ لوگوں سے یہ جھوٹ بولیں کہ خدا نہیں ہے تو ہمیشہ کی جہنم کا خطرہ کیوں؟ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ کرتوت آپ کے خدا ہی ... جانتا؟

س: اللہ نے تمام انسانوں کی ارواح پیدا کیں اور ان سے عہد لیا۔ اب جبکہ ہم کو وہ عہد یاد ہی نہیں تو پاسداری کیوں ضروری ہے؟

جواب: یہ عہد آپ کو یاد نہ ہو مگر انسان میں اس کو سمجھنے کی صلاحیت ڈالی گئی

ہے۔ انسان کو اتنی عقل دی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص اس کائنات کو دیکھ کر، سمجھ کر، خدا کا انکار کر ہی نہیں سکتا۔

ایک چرواہا جانوروں کے معاملات دیکھ کر خدا کو پہچانتا ہے۔ ایک گھڑ سوار درختوں اور پودوں کو دیکھ کر خدا کو پہچانتا ہے۔ ایک کسان ایک بیج سے اگنے والے پودے کے معاملات دیکھ کر خدا کو شناخت کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر انسانی جسم میں نصب مشینری کو دیکھ کر پہچانتے یقین کرتا ہے۔ ایک سائنسدان کائنات کے راز سمجھ کر خالق کو پہچانتا ہے۔

انسان تو انسان کہلانے کے لائق ہی نہیں جب تک اپنے رب سے واقف نہ ہو۔ جتنی مرضی ضد لگا لے۔ جتنا مرضی ہٹ دھرم ہو۔ اس کا اپنا دل گواہی دے گا کہ یہ انکار محض ایک جھوٹ ہے۔ خدا کی دنیا میں جہاں قدم رکھیں گے صدا اٹھتے ہوئے اسے یاد دلائے گا۔

آپ کہتے ہیں آپ کو وہ عہد نامہ یاد نہیں؟ میں کہتا ہوں وہ عہد نامہ انسانوں کے دلوں پہ نقش کر دیا گیا ہے۔

5۔ جن لوگوں تک دعوت نہیں پہنچی کیا وہ بھی جہنمی ہیں؟

جواب۔ اگر کوئی شخص روز آخرت میں اللہ کے روبرو کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کرے کہ مجھ تک دعوت نہیں پہنچی۔ اور نہ ہی مجھے اتنی عقل دی گئی کہ میں خدا کے وجود کو سمجھ پاتا۔ پھر وہ اپنے اس دعوے کو ثابت بھی کر دے تو وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔

مگر یہاں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ آپ روز آخرت کی اللہ کی عدالت کو انسانوں کی عدالت پہ قیاس کر رہے ہیں کہ جہاں آپ اپنے آپ کو پاگل بے وقوف یا احمق قرار دے کر سزا سے بچ جائیں گے۔ یاد رکھیں آپ کی جس عدالت میں پیشی ہونی ہے وہ اس خدا کی عدالت ہے جس نے آپ کا انگ انگ بنایا ہے۔ آپ کو عقل اسی نے دی۔ آپ اسی کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پاگل ثابت کر سکیں تو ضرور کر دیکھیے گا۔ یہ ساری طرف سے آپ کی عقل جھوٹ ہے۔

اللہ نے ولی قوم [illegible] صرف [illegible]
[illegible] ہوتا تھا۔ [illegible] قوم پر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی [illegible]
کی [illegible] کتاب [illegible] اور [illegible] میں نہیں آیا۔ جس وقت انسان کا انسان سے رابطہ کم تھا اس وقت اس زمین پر ایک ایک وقت میں کئی کئی انبیاء مختلف خطوں میں پیغام پہنچانے کا کام کرتے تھے۔

اب جب کہ انسان کا انسان سے رابطہ اتنا آسان ہو گیا ہے تو اس بات کا انکار کیسے جا سکتا ہے کہ ہم تک خبر نہ پہنچی؟

۹. کیا جنت میں انسان بور نہیں ہو جائے گا؟

جواب: یہ سوال صرف اس دماغ میں پیدا ہو سکتا ہے جس کے لیے جنت کا تصور چند کاموں تک محدود ہو گی۔ بس انسان وہاں پھل فروٹ کھاتا رہے گا۔ اپنی بیویوں سے ہم بستری کرتا رہے گا اور آرام کرے گا۔

معذرت کے ساتھ میں اس کا قائل نہیں۔

ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی موجودہ زندگی پر قیاس کرتے اپنی آنے والی زندگی کے متعلق اندازے قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اللہ کا واضح اعلان ہے کہ جنت میں انسان کو وہ نعمتیں عنایت کی جائیں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا، نہ کسی کان نے کبھی سنا، نہ کسی دل میں ان کا خیال آیا۔ ملحدوں کے خیال میں سیکس دنیا کی سب سے بڑی عیاشی ہے۔ لہٰذا جنت کا ذکر کرتے وقت ان کی سب سے زیادہ توجہ سیکس پر ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ سیکس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں سنتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں اس کا خیال بھی موجود ہے۔

تو وہ کون سی نعمتیں ہوں گی۔ جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے؟

اگر اس دنیا میں ہمیں سیکس کی لذت سے روشناس نہ کروایا جاتا تو کیا ہم اس کی لذت کا تصور کرنے کے قابل تھے؟ کیا ہم اس کے بارے میں سوچ سکتے تھے؟ بالکل نہیں

ہے کہ کائنات کی وسعتوں کو دیکھنے کے باوجود انسان خدا کی طاقتوں اور اس کی قدرتوں کا اندازہ لگانے سے کیوں قاصر ہے؟

ایک کنویں کا مینڈک سمندر کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اس دنیا کو کنواں سمجھو اور جنت کو سمندر۔ تب بات سمجھ آئے گی۔

انسان کو عقل کے ساتھ پیدا کر کے اس کی فرماں برداری کا امتحان لینے کے بعد اللہ تعالیٰ انسان سے آگے کیا کام لینے والا ہے۔ یہ اندازہ ہم آج نہیں لگا سکتے۔

انسانی جبلت

الحاد میں کچھ سوال پوچھے جاتے ہیں کہ مغرب کے لوگ خواتین کے اتنے دلدادہ نہیں ہوتے۔ ان کے سامنے کوئی خاتون بے لباس بھی ہو جائے تو وہ نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔ ہم مومن ہی چسکورے ہوتے ہیں کہ ذرا عورتوں کی ٹانگیں نظر آئیں اور لٹو ہو گئے۔

یہ بات سو فیصد درست ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس کی وجوہات کیا ہیں۔

اگر آپ آج سے ہزاروں سال پیچھے چلے جائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس دور کا انسان کپڑوں کے جھنجٹ سے آزاد تھا۔ عورتیں مردوں کے سامنے بے حجاب گھومتی تھیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ یعنی یہ مسئلہ اس وقت تھا ہی نہیں۔ جس کا جب دل کرتا تھا کسی بھی عورت سے اپنی ہوس پوری کرتا تھا بعد میں حاملہ بن جاتا تھا۔ پورن انڈسٹری کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ ہر طرف پورن ہی پورن۔ کسی کا کسی سے کوئی پردہ نہیں تھا۔

شرافت میں وہ لوگ اہل مغرب سے کئی گنا آگے تھے۔ کیوں کہ جو معیار الحاد نے رکھا ہے اس کی رو سے مہذب قوم وہی ہوتی ہے جس کے سامنے عورت بغیر کپڑوں کے بھی آ جائے تو وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ دنیا کے آغاز کے جس انسان کی میں بات کر رہا ہوں ان کے سامنے تو عورتیں بغیر کپڑوں کے گھومتی تھیں اور وہ آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔

تو کیا وہ لوگ اہل مغرب سے زیادہ تہذیب یافتہ نہ تھے؟

بالکل تھے۔ کیوں کہ آج اگر مغرب میں بھی کوئی عورت سر تا پا برہنہ ہو کر سڑک پر آ جائے تو اہل مغرب بھی اسے ایسے ہی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے جس طرح اہل

ساتھ ہی زندگی کا حصہ بنتے تھے۔

اس کا یہ تو نیا بیان دنیا میں شوگر کی بیماری کا بہترین علاج دریافت ہو چکا ہے۔ اور یہ معلوم کیا ہے کہ جتنا تھوڑا سا مریض پر میٹھا کھانے کی پابندی عائد کرنا اس کی مٹھاس کی طلب بڑھاتی ہے۔

تو کیوں نہ اسے مٹھائی کی دکان میں بند کر دیا جائے جہاں جی بھر کر مٹھائی کھالی جاتی ہے؟

جب وہ کھا کھا کر سیر ہو جائے گا تو اسے خود ہی مٹھائی سے نفرت ہو جائے گی۔ دل کے مریض کو ڈاکٹر مرچوں سے پرہیز بتاتا ہے۔ اتنا ہی وہ مرچوں کے لئے ترستا ہے۔ کیوں نہ ایک ہی بار اس کے سامنے ایک کلو ہری مرچوں کا ڈھیر لگا دیا جائے؟ یہ ہو کر کھائے۔ بعد میں ٹھیک ہو جائے گا؟

یہ دونوں معاملات اپنی اپنی جگہ حقیقت ہیں۔ جس چیز پر پابندی ہو انسانی نفس اس چیز کی طرف جلدی مائل ہوتی ہے۔ اور جس چیز کی فراوانی ہو وہ چاہے جتنی بھی دلکش ہو۔ انسان اس سے اکتا جاتا ہے۔

شیر کا جب پیٹ بھرا ہو تو باقی جانور آزادانہ اس کے پاس سے گزر سکتے ہیں۔ وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ شریف ہو گیا ہے۔ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ جب دوبارہ بھوک لگے گی تو اس سے بڑا درندہ کوئی نہیں۔

اس اصول سے کیا اسلام واقف نہیں تھا؟

ذرا حدیث ملاحظہ فرمایئے میرے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

"حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہ جس کی نظر کسی اجنبی عورت پر پڑ جائے اور دل سے اس کی طرف ملتفت ہو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے قربت کرے کیونکہ اس کا یہ عمل اس کے دل کے وسوسوں کا ازالہ کر دے گا۔"

اس کا کوئی عمل فطرت سے متعلق نہیں، بلکہ صرف ایک جذبے تک محدود رہ جاتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ امریکہ میں 83% لڑکیاں جن کی عمریں 12 سے 16 سال کے درمیان ہوتی ہیں وہ اپنے اسکولوں میں ہی جنسی زیادتی کے تجربے سے گزر جاتی ہیں؟

امریکہ آج سے تین چار سال پہلے جنسی زیادتیوں کے معاملے میں دنیا میں نمبر 1 تھا، اب تیسرے نمبر پر آ گیا ہے۔ برطانیہ جیسے مہذب ملک میں ہر پانچ میں سے ایک عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ اس کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں۔ جس 59 سالہ خاتون کو ہمارے ہاں ماں جی کہہ کر پکارا جاتا ہے برطانوی اسے بھی نہیں چھوڑتے۔ برطانوی خاتون کی عمر چاہے 16 سال ہو یا 59 سال کی بڑھیا ہی کیوں نہ ہو۔ لوٹنے والے لوٹ لیتے ہیں۔

امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور کینیڈا۔ یہ دنیا کی وہ مہذب اقوام ہیں جنہیں عورتوں کی ٹانگوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ان کی دلچسپی کا معیار بہت "اعلیٰ" ہے۔

اس وقت کی تازہ رپورٹ کے مطابق جنسی جرائم کی ٹاپ ٹین لسٹ یہ ہے:

1۔ ساؤتھ افریقہ — 2۔ سویڈن
3۔ امریکہ — 4۔ برطانیہ
5۔ بھارت — 6۔ نیوزی لینڈ
7۔ کینیڈا — 8۔ آسٹریلیا
9۔ زمبابوے — 10۔ ڈنمارک

یہ وہ ممالک ہیں جہاں بلا مبالغہ ہر تیسری عورت جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ یہاں عورتوں کی ٹانگیں نہیں دیکھی جاتیں؟ انہیں ضرورت کیا ہے ٹانگیں دیکھنے کی؟

بن مانگے موتی ملیں۔۔۔

ایک بار ایک سوداگر شہر آیا جس کے پاس کچھ مال تھا۔ ایک تاجر نے اس سے پوچھا کہ "تمہارے پاس کیا مال ہے اور اس کی قیمت کیا ہے؟"

اس نے کہا۔ "میرے پاس دنیا کا بہترین مال ہے جس کی قیمت صرف سو روپے ہے مگر ایک شرط ہے۔"

"وہ شرط کیا ہے؟" تاجر نے پوچھا۔

"وہ شرط یہ ہے کہ سودا بغیر دیکھے ہوگا اور اگر دیکھنے پہ اصرار کیا یعنی مجھ پہ بھروسہ نہ کیا تو اس مال کی مکمل قیمت ادا کرنی پڑے گی۔" سوداگر نے جواب دیا۔

تاجر کو اس کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ مسلسل اصرار کرتا رہا کہ سے سودا دکھایا جائے ورنہ وہ بغیر دیکھے سودے کی قیمت سو روپے بھی ادا کرنے سے قاصر ہے۔

سوداگر نے اسے بہت سمجھایا کہ نادان بندے مجھ پہ بھروسہ کر لے۔ تو نقصان میں نہیں رہے گا۔ مگر تاجر نہ مانا۔ آخر تنگ آ کر سوداگر نے اپنے مال کے بورے کھولنے شروع کیے۔

کمرے سونے کی بڑی بڑی اینٹیں۔ لعل۔ یاقوت اور ہیرے جواہرات کا ایک ڈھیر لگ گیا۔ تاجر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اتنی بڑی مقدار میں، اتنا قیمتی مال اس نے کبھی دیکھا ہی نہ تھا اور یہ سب کچھ اسے صرف سو روپے میں مل سکتا تھا۔ مگر وہ بھروسہ نہ کر پایا اب شرط کے مطابق یا تو اسے اس مال کی مکمل قیمت ادا کرنی تھی یا سودا منسوخ کرنا تھا۔

جنت ادا کرنے کا سوال ہی بے اثر ہے، ہم تو اپنی ایک پل کا احسان نہیں چکا سکتے تو ان کے
ہر گزرے پل کی ایک ایک سانس کی قیمت ادا ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ وہ اس پل سے محروم ہو گیا۔

یہ سوال میں نے خصوصی طور پر اپنی ان ماؤں اور بہنوں کے لیے دیا ہے جو
شیطان کے بہکاوے میں آ کر اپنے رب کی منصف مزاجی پر سوال کھڑے کر دیتی ہیں۔

جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟

کیا عورتیں جنت میں بھی ایک مرد کے تصرف میں رہ کر جی پائیں گی؟

دنیا میں سوکن کی شراکت نہ سہنے والی عورت کیا جنت میں حوروں کو برداشت کر سکے گی؟

یہ وہ سوال ہیں جن کے پوچھنے سے جنت حرام ہو جاتی ہے کیا پتہ کہ ان کا جواب بتایا
جائے۔ اللہ کی رحمت ہے کہ اللہ اپنی رضا سے جنت کی کچھ چیزوں کے بارے میں ہمیں
قرآن میں بتا دیتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جو یہ سوال پوچھے کیا اس کو اپنے رب کی منصف
مزاجی پہ بھروسہ ہے؟

اور جس کو اپنے رب کی ہی منصف مزاجی پہ شک ہو کیا وہ جنت میں جائے گا؟

اعمال؟ کون سے اعمال؟

ایک مومن بندہ اپنی پہلی سانس سے لے کر آخری سانس تک ہر لمحہ عبادت میں
رہ کر ان نعمتوں کی قیمت ادا کرنے سے قاصر ہے جو دنیا میں اسے اللہ نے بن مانگے دے
رکھی ہیں۔ پھر جنت کا سوال کس بل بوتے پہ؟

جنت اللہ کی خاص رحمت سے ملے گی۔

جنت اللہ کی محبت میں پنہاں ہے۔

جنت اللہ کے خوف کا بدل ہے۔

اے میری ماؤں بہنو! خدارا جنت کی قیمت ادا کرنے کے بارے میں مت سوچو کہ
ہماری کوئی اوقات ہی نہیں۔ اپنے رب پہ بھروسہ کرو۔ ورنہ پچھتاوہ مقدر بن جائے گا۔

○

پنک کلر کی گڑیا

راحت علی ہاسپٹل کے زچہ بچہ وارڈ کے باہر بڑی بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ ان کی زندگی میں بہار آنے والی تھی اور انہیں اس بہار کا بے صبری سے انتظار تھا۔ الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے انہیں پہلے ہی پتا تھا کہ آنے والا ننھا فرشتہ نہیں بلکہ ننھی پری ہو گی۔ مگر وہ پھر بھی تھے۔ بہت خوش۔ اپنی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے میں مصروف تھے۔ معمولی نوکری تھی۔ جمع پونجی کچھ خاص نہیں تھی۔ جو بچی ابھی اس دنیا میں آئی نہیں تھی اس کے کپڑے خریدے جا چکے تھے۔ اس کے پنگھوڑے سے لے کر ہمہ رنگ ہر چیز خریدی جا چکی تھی۔ دوائیوں اور ہسپتال کے سارے اخراجات ملا کر اب تک قریباً پندرہ ہزار روپے خرچ ہو چکے تھے۔ انہوں نے دس ہزار تک کا تخمینہ لگایا ہوا تھا۔ مزید پیسے ایک دوست سے ادھار پکڑے تھے۔ کوئی بات نہیں خوشی کے موقعوں پر اتنا خرچہ تو ہو ہی جاتا ہے۔

پھر ایک خوش خبری اور ساتھ ہی نرسوں اور آیاؤں کی قطار۔ سب کی تھوڑی تھوڑی خدمت ضروری تھی۔ سب کو مٹھائی کے پیسے دیے تو ایک ننھی منی سی پری کو گود میں لینا نصیب ہوا۔ گود میں لیتے ہی کلیجے کو ٹھنڈ پڑ گئی۔ پیسے وارے ہو گئے۔

آج راحت علی صاحب کی بیٹی کی پہلی سالگرہ تھی۔ زیادہ خرچہ تو وہ نہیں کر سکتے تھے۔ آفس سے کچھ پیسے ایڈوانس پکڑ کر ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی تھی۔ کچھ اپنے رشتے دار کچھ محلے دار بس۔

اس وقت وہ [illegible]

یونس آفتاب [illegible] بھی خط [illegible]

تھے جو پسند کرتے تھے وہ عشق [illegible]

تھیں۔ میری بیٹی کو یہ بہت [illegible]

[illegible]

[illegible]

سارہ چار سال کی ہو چکی تھی۔ [illegible]

پر وہ بھی فرمائش کرنے لگی تھی۔

”بابا میرا [illegible]“

”آج ہی لا دوں گا بیٹا۔“

وہ اپنے دوست کی دکان پر موجود تھے۔ [illegible]

بھی بار نہیں کرتا تھا۔ بعد میں وہ تھوڑا تھوڑا کر کے چکا دیتے۔

اگلی صبح ان کی پیاری بیٹی کے [illegible]

سارہ بہت خوش تھی۔ راحت علی صاحب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔ [illegible]

[illegible] لائے تھے۔

ہر سال نئے اخراجات ہر سال کی [illegible] سارہ کی [illegible]

کرنے کے لیے اصلی اخراجات۔ گھر کے دیگر اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ [illegible]

علی صاحب اپنی بیٹی کی خوشی دیکھ کر اپنی ہر مجبوری و غربت بھول جاتے تھے۔ [illegible]

[illegible] سارہ آج کالج پہنچ چکی تھی۔

"آپ کی سارہ کو محبت ہو گئی ہے۔" بیگم کے جملے نے راحت علی صاحب کو ہلا دیا۔ بچیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔

"کون ہے وہ؟" انہوں نے پوچھا۔

"غلام مصطفیٰ کا بیٹا حسن۔ اس کے کالج میں ساتھ پڑھتا ہے۔" بیگم نے بتایا اور راحت علی صاحب کے قدموں تلے سے جیسے زمین نکل گئی۔ غلام مصطفیٰ ان کے علاقے کا سب سے بدنام شخص تھا۔ پرائز بونڈ کی پرچیوں کے حرام کاروبار سے پیسے والا جرم کی دنیا میں ایک مقام حاصل کر چکا تھا۔

"سارہ کو پیار سے سمجھا دو۔ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔" انہوں نے فیصلہ سنایا۔

"بابا! آپ کون ہوتے ہیں میری قسمت کا فیصلہ کرنے والے؟ حسن میری محبت ہے اور میں اپنی محبت پہ کمپرومائز کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میں نئے زمانے کی پڑھی لکھی لڑکی ہوں۔ کوئی بھیڑ بکری نہیں جسے آپ اپنی مرضی سے کسی بھی کھونٹے سے باندھ دیں گے۔ اگر آپ اپنی مرضی سے میری شادی احسن سے نہیں کریں گے تو میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی۔" سارہ کا جواب دوٹوک تھا۔

ایک پڑھی لکھی بیٹی کے آگے باپ لاجواب ہو چکا تھا۔ زبان گنگ تھی۔ سارہ اپنا فیصلہ سنا کر واپس اپنے کمرے میں جا چکی تھی اور راحت علی صاحب کو ہکا بکا چھوڑ گئی تھی۔

اگلے دن صبح لوگوں کو کمرے سے ایک باپ کی لاش ملی۔ جس کی زندگی کا سارا سرمایہ ڈوب چکا تھا۔ موت کا سبب دل کی دھڑکن کا بند ہو جانا تھا۔ لاش کے پاس ایک گڑیا پڑی تھی۔ پنک کلر کی گڑیا۔

○

جہنم کی سزا

یہ سوال آج کل طبقوں میں بڑا رائج ہے کہ جب خدا اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے تو انہیں جہنم میں کیوں ڈلوائے گا؟ وہ بھی ہمیشگی کی جہنم۔

پھر یہ خیال یہ بھی ہے کہ اصل کام انسانیت کی خدمت ہے نہ کہ خدا کو ماننا۔ تو اگر کوئی شخص خدا کو نہ مانتے ہوئے انسانیت کی خدمت میں مشغول ہے تو کیا وہ بھی جہنم میں جائے گا اور کیا یہ انصاف ہوگا؟

جواب: سب سے پہلے تو اس نکتے کو، جس طرح دل و دماغ میں بٹھا لیں کہ جو دنیا کی زندگی آپ کو ملی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ آپ بادشاہ ہوں یا فقیر۔ صاحب اولاد ہوں یا بے اولاد۔ صحت مند ہوں یا معذور۔ یہ فیصلہ اللہ کرتا ہے اور انسان اس فیصلے کو قبول کرتا ہے۔ مگر اس کے بعد آنے والی زندگی میں کون جنت میں جائے گا اور کون جہنم میں۔ یہ فیصلہ اللہ نہیں کرتا بلکہ انسان خود کرتا ہے۔ اپنے عمل کے ذریعے۔ اللہ انسان کے سامنے رکھے گئے اس فیصلے کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرواتا ہے۔ اب دیکھئے۔

اس مضمون کو ہمیں انسانیت کے آغاز سے سمجھنا پڑے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

سورۃ البقرہ 34 آیت 37

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ

وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ
الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ
﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ
﴿۳۷﴾

"اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا ۳۴ اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے ۳۵ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس میں تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں سے) چلے جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے ۳۶ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے ۳۷"

اب یہاں دو باتیں توجہ طلب ہیں۔

ابلیس کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ اس نے نہیں کیا۔ یہ اللہ کی حکم عدولی تھی۔

آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ایک درخت کا پھل نہیں کھانا۔ انہوں نے کھا لیا۔ یہ بھی حکم عدولی تھی۔

فرق کیا تھا؟

صرف توبہ اور تکبر کا۔

ہم نے تسلیم کیا کہ غلطی ہوئی ہے اور پھر اپنی غلطی کی معافی مانگ لی تو۔

۔۔۔دوسرے نے کہا غلطی میری نہیں خدا کی ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا تو میں یہ غلطی نہ کرتا۔ یعنی بجائے اس کے کہ اپنی غلطی تسلیم کرتا، الٹا الزام خدا پر ڈال دیا۔ اسے کہتے ہیں تکبر۔ یہ اصل ہے جو ملحدین میں پیدا ہو جاتا ہے۔

اس دن سے لے کر آج تک انسان کی اور شیطان کی ایک جنگ جاری ہے۔ شیطان انسان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس میں قصور وار تم نہیں بلکہ خدا خود ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو تم گناہ گار نہ ہوتے۔ مگر اللہ کے مومن بندے اس کے اس جال میں نہیں پھنستے اور توبہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے آدم کے بیٹے جب تک تم مجھ سے دعا کرتے رہو گے اور مجھ سے امید وابستہ رکھو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا جو گناہ بھی تم نے کیے ہوں گے اور مجھے کچھ پروا نہیں (تم نے کتنے گناہ کیے)۔ اے آدم کے بیٹے اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم مجھ سے معافی طلب کرو تو میں تمہیں معاف کر دوں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ اے آدم کے بیٹے، اگر تم زمین کے برابر گناہوں کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرو لیکن جب تم مجھ سے ملاقات ہو تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں تیرے پاس ان گناہوں کے برابر بخشش کے ساتھ آؤں گا۔ (ترمذی)"

پچھلی قرآنی آیت اور اس حدیث میں یہ بات واضح کی جا رہی ہے کہ جہنم میں جانے والوں کا اصل جرم گناہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس گناہ پر ڈھٹائی اختیار کر لینا ہے۔ اسی طرح جنتیوں کی اصل خصوصیت یہ نہیں کہ وہ گناہ نہیں کرتے۔ بلکہ ان کی اصل خصوصیت گناہ کے بعد توبہ کر لینا ہے۔

اب اس میں جنت کا حصول کتنا آسان ہے۔

انسان خطا کار ہے یہ بات اس کے خالق سے زیادہ کون جان سکتا ہے؟ اسی لئے

پھر وہ ذہن کے کونے میں [illegible] ہی تھی [illegible] سے محمد شہباز [illegible]
سے۔ پھر پوچھا [illegible] معنی کی [illegible]

آپ [illegible] ہیں۔

مگر کیوں؟

خدا کے وجود سے انکار کرنا [illegible] تھی۔

آپ اس بات کو مانتی ہیں کہ یہ خدا کا انکار خدا کے وجود کا بھی انکار ہے؟

جی نہیں۔

خدا کے وجود کا انکار کرنا سائنس کی بات ہی نہیں۔ آپ [illegible] شاہ محمد و دلچسپی سے جو خدا کے وجود کا انکار کرتی ہے تو یقین جانیے ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک دھوکہ ہے جو انسان اپنے آپ کو دیتا ہے۔ ملحد کا خدا کو نہ ماننا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بیٹا اپنے باپ کے انکار کی فرمائش کرے اور پوری [illegible] صورت میں [illegible] میرا باپ ہی نہیں۔ ملحد خدا کے منکر نہیں ہوتے بلکہ اپنی محرومیوں کی وجہ سے خدا سے نفرت کر بیٹھتے ہیں۔ بالکل شیطان کی طرح۔

جس انسان کو اللہ نے عقل دے کر اس دنیا میں بھیجا وہ [illegible] سکتا ہے کہ پوری کائنات کسی خدا کی کاریگری کے بغیر بننا ممکن ہی نہیں اور قیامت تک یہ بات ثابت [illegible] رہے گا [illegible] قیامت تک اس کی زندگی میں کوئی سائنس دان نہیں آنے والا جس کے پاس ایسی کوئی دلیل آ جائے جو ثابت کر سکے کہ خدا نہیں ہے۔ جس خدا نے بیشمار [illegible] چیزیں تخلیق کی ہوں ان کا انکار صاحب عقل انسان کیسے کر سکتا ہے؟ [illegible] سوائے خدا کے وجود کا انکار ناممکنات میں سے ہے۔ [illegible] کوئی [illegible] ذہن میں [illegible] بھٹکا [illegible] مگر جب اس کو [illegible] سوچنے کا [illegible] طرف [illegible] خدا کی طرف سے ہی [illegible] جاتا ہے۔

[illegible] شیطان [illegible]

ہے۔ پھر کئی لوگ اسے خدا کی ذات سے منسوب کر ڈالتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے
کہ کبھی ایسا نہیں ہوا جس نے شکست کھانے کے بعد خدا کا انکار کر دیا ہو۔ دنیا میں شکست کھا
جانے کے باوجود یہ بھاگتا تو ہے مگر سجدہ کر لیتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ یہ بڑی ہی بات کا سب
سے واضح ثبوت ہے کہ معاملہ عقل کا نہیں احساس کا ہے۔ زیادہ تر منکر خدا کا انکار کسی آزمائش میں
مبتلا ہو جانے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

یاز نظامی کا دس سالہ بچہ بم دھماکے میں مارا گیا تو وہ منکر ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ
جس خدا کو وہ کل تک مانتا تھا اس کو آج اچانک ماننا کس دلیل پر چھوڑا؟ بیٹے کے مرنے پر؟
کیا شیعہ مسلمان یہ معلوم نہیں تھا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا
ابراہیم بھی کم عمری میں وفات پا گیا تھا؟ اللہ نبیوں کو آزما سکتا ہے تو عام بندے کو کیوں نہیں؟

یعنی یہ بحث خدا کے وجود اور عدم وجود کی نہیں ہے بلکہ بدلے اور آگ کی ہے۔

ایک ابلیس تھا جس نے عہد کیا تھا کہ ایک آزمائش میں مبتلا کر کے مجھے بھٹکنے کا
الزام دیا گیا۔ لہٰذا میں ہر شخص کی آزمائش کو مشکل سے مشکل ترین بناتا چلا جاؤں گا۔

یاز نظامی کا عمل بھی وہی تھا۔ انہوں نے بھی اللہ کی طرف سے عائد کردہ آزمائش
کو اللہ کا ظلم سمجھا اور عہد کیا کہ اب وہ بھی باقیوں کو بھٹکائیں گے۔ یعنی ہم ڈوبے تو سب کو ڈبو
دیں گے۔ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم انسان خود کرتا ہے اپنے آپ پر۔

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

"اور اس درخت کے پاس مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔"

اس آیت میں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے سے مراد ہے اپنے آپ پر ظلم کرنے
والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ اللہ کا ہر ہر حکم انسان کی ذاتی، معاشرتی اور دینی زندگی کے
فائدے کے لئے ہوتا ہے اور اللہ کی ہر نافرمانی انسان کی ذاتی، معاشرتی یا دینی زندگی میں
بگاڑ پیدا کرتی ہے چاہے اس بگاڑ کی مقدار بہت معمولی سی ہو۔

کسی بھی گناہ کے بعد توبہ کر لینے پر اس کی اخروی سزا کو معاف کر دیتا اللہ تعالیٰ

چاہیں میں شامل ہے مگر اس گناہ سے دنیا میں جو بگاڑ پیدا ہوتا ہے اسے جوڑنا خدا کی
مرضی پر نہیں۔ مثلاً اگر کوئی بچہ سر زور سے دیوار پر دے مارے اور زخمی ہو جائے تو یہ گناہ
ہے۔ پھر وہ توبہ کرے تو توبہ بھی قبول ہو جائے گی۔ مگر زخم اپنے وقت پر ہی بھرے گا۔ یعنی
توبہ سے اخروی سزا معاف ہو سکتی ہے مگر دنیاوی سزا اس وقت نہیں ہوتی۔ کسی قاتل سے قتل ہو
جائے تو وہ اس پر توبہ کر سکتا ہے۔ اللہ اسے معاف بھی کر سکتا ہے مگر اس کی دنیاوی سزا اسے
بھی دی جائے گی۔ کیونکہ اس عمل میں جو ایک جان ضائع ہوئی توبہ سے وہ واپس نہیں آئی۔

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں
ہیں۔ ایک خیر پھیلانے والے اور دوسرے شر پھیلانے والے۔ اللہ جب یہ کہتا ہے کہ وہ
اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تو اس سے مراد خیر پھیلانے والے بندے
ہوتے ہیں نہ کہ شر پھیلانے والے۔

جن بدبختوں کو اللہ کے وجود کا ہی انکار ہے ان کے نزدیک جہنم کی حقیقت ہی کیا ہے۔ جب
خدا کا کوئی وجود ہی نہ ہو تو کونسی جنت اور کیسی جہنم؟ کیا مجھے کوئی سمجھائے گا کہ وہ شخص جو
جہنم کیوں ڈالا جانا چاہتا ہے کہ خدا نہیں ہے؟ اسے کون سی جنت ملی ہے اس تبلیغ سے۔ جو
جو ہم میں ڈال کر لوگوں کو یہ سمجھانا کہ خدا اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے تو
اسے جہنم میں کیوں ڈالے گا؟ اگر خدا کا وجود ہی نہ ہو تو ڈر کس بات کا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اللہ منصف مزاج ہے۔ اتنی زیادہ آسانیوں اور سہولتوں کے
باوجود کوئی شخص دنیاداری کی بنا پر شرک یا کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ظالم وہ خود ہے۔ جو
جہنم میں جانے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

چنانچہ ضروری یہ ہے کہ کوئی شخص کو محرومیوں یا آزمائشوں کی بنا پر برداشت کرنے کے لئے
اللہ نے جو دیا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جس سے محروم رکھا اس پر صبر کریں۔ یہی سب
سے بہترین راستہ ہے۔

اب آتے ہیں دوسرے موضوع پر۔

اگر کوئی شخص خدا کو نہ مانتے ہوئے انسانیت کی خدمت میں مشغول ہے تو وہ بھی جہنم میں جائے گا؟ اور کیا یہ انصاف ہوگا؟

یہ بات میں پہلے بیان کر چکا کہ اللہ تعالیٰ عین محبت قائم کیے ہوئے ہیں حشر میں بٹھائے گا۔ جس شخص کا جو جرم ہوگا اس کا اس سے اقرار کروایا جائے گا پھر اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس سے زیادہ انصاف اور کیا ہوگا؟

میں نے بتایا کہ اس دنیا میں صرف دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

ایک خیر کے نمائندے اور دوسرے شر کے نمائندے۔

ہم آج ایسے کئی کیسز عدالتوں میں دیکھتے ہیں جس میں انسانیت کی خدمت کرنے والے آج عدالتوں کو یہ جواب دینے سے قاصر ہیں کہ یہ دولت ان کے پاس کہاں سے آئی۔ اس کی نیکی کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کی حق تلفی کر کے ہزار روپے لوٹے اور پھر اس میں سے سو روپے کا کسی کو کھانا کھلا کر اخبار میں اشتہار چھپوا دیا۔ کیا یہ نیکی ہے؟ کسی شخص کا حق مارنے سے معاشرے میں جو بگاڑ پیدا ہوا اس کا تدارک کیا اس کا دس فیصد خیرات کرنے سے ہو جاتا ہے؟ جو اپنے پیدا کرنے والے کا حق پورا نہیں کر رہا اس سے یہ امید کہ وہ انسانیت کا علمبردار ہے؟ کیسے؟ جو اپنے پیدا کرنے والے کا احسان ماننے کو تیار نہیں اور پوری انسانیت پہ احسان کرنے نکلا ہے؟ سبحان اللہ۔

اللہ تعالیٰ دلوں کے حال جانتا ہے۔ کون نیکی کر رہا ہے اور کون لوگوں کو بے وقوف بنا رہا ہے یہ خالق سے بہتر کسے پتہ ہوگا۔ میرا ایمان ہے کہ جن کے دلوں میں خیر ہوتی ہے وہ بے شک پہلے اللہ کو نہ مانتے ہوں مگر مرنے سے پہلے وہ راہ راست پر آ جاتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ

اس سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ نافرمانوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔

دعا کی قبولیت

ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر وہ قبولیت کے درجے میں نہیں پہنچتی۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ پھر مزید اعتراضات یہ بھی ہیں کہ کیا دعا مقدر پہ غالب آ سکتی ہے؟

مقدر کے بارے میں بارہا لکھ چکا ہوں کہ مقدر یہ نہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ہے اس لیے وہ ہوتا ہے بلکہ مقدر یہ ہے کہ جو ہونا ہے وہ اللہ کو پہلے سے پتہ ہے لہٰذا اللہ نے پہلے علم غیب کی بنیاد پر اسے لکھا۔

اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کے مقدر میں بیماری لکھی تھی تو وہ بیمار پڑ گیا۔ پھر اس نے اللہ سے دعا مانگی اور اللہ نے اس کی دعا کے نتیجے میں اس کو صحت یاب کر دیا۔ کیا یہ دعا مقدر پہ غالب آ گئی؟ جی نہیں۔ یہ سارا کچھ اسی ترتیب میں اس شخص کے مقدر میں لکھا تھا۔ یعنی اس کا بیمار ہونا پھر اس کا دعا مانگنا پھر اس دعا کے نتیجے میں اللہ کا اس کو تندرستی دینا۔ یہ سب اس کے مقدر میں لکھا تھا۔ یعنی کوئی شخص یہ اعتراض نہیں اٹھا سکتا کہ جو میرے مقدر میں ہوگا وہ تو ہوگا تو میں دعا کیوں مانگوں۔ ایسی صورت میں آپ کے مقدر میں یہ بھی لکھا ہوگا کہ یہ شخص بیمار رہے گا اور دعا نہیں مانگے گا لہٰذا صحت یاب بھی نہیں ہوگا۔

اس کو یوں سمجھ لیں کہ مقدر ہمارے اس عمل کا نام ہے جو کرنا تو ہم نے ہے مگر لکھا اللہ نے ہے اور چونکہ اللہ عالم الغیب ہے لہٰذا وہ پہلے سے جانتا ہے کہ ہم نے کیا عمل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ دعا مانگنی نہیں چھوڑنی چاہیے چاہے اس کی قبولیت میں جتنا مرضی وقت لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(قرآن، سورۃ البقرۃ، آیت ۱۸۶)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

"اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ اس بات کا اظہار [illegible] اس کی دعا صرف سنتا ہے بلکہ قبول کرتا ہے۔ [illegible] ہے "وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔"

اب یہاں ایک سیدھا سادہ سا نکتہ بیان ہوا ہے [illegible] جس کی امید ہو اس کی ہی حضوری کرنی پڑتی ہے۔ [illegible] اس کی عزت کریں گے تو ہمیں فائدہ پہنچے گا۔ [illegible] فائدہ اس سے ہمیں بعد میں ملتا ہے۔ وہ بھی یقینی نہیں ہوتا۔ [illegible] کروانے والا خدمتیں کروا کر ہمیں دھتکار کر چلا جائے۔

مگر اللہ کے معاملے میں ہمارا رویہ الٹ ہوتا ہے۔ ہم [illegible] کہ اگر اللہ ہماری دعا قبول کرے گا تب ہی ہم اللہ کا حکم مانیں گے۔ [illegible] کیسی غیر منطقی بات ہے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ادْعُوا اللَّهَ وَأَنْتُمْ مُوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ

اللہ سے اس طرح دعا کیا کرو کہ تمہیں قبول ہونے کا یقین ہو، اور جان رکھو کہ

اللہ غفلت والے غیر متوجہ دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔ (سنن الترمذی، حدیث 3018 کتاب الدعوات باب 66، امام البانی رحمہ اللہ نے ""حسن"" قرار دیا)

اس حدیث میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر میں نے اللہ سے ہدایت کی دعا مانگی تو اللہ کیوں نہ مجھے ہدایت دے؟ ہم جانتے ہیں کہ مسلمانوں میں گمراہوں کی کوئی کمی نہیں۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو پانچ وقت کے نمازی ہوں گے۔ نماز کا آغاز ہی سورۃ الفاتحہ سے ہوتا ہے جو ہدایت کی دعا ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٦﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿٧﴾

"ہم کو سیدھے راستے چلا، ان لوگوں کے راستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا، نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔"

فجر کی نماز میں چار مرتبہ یہ دعا مانگ کر آمین کہہ رہا ہے۔ ظہر میں کم از کم چار بار۔ عصر میں چار بار۔ مغرب میں تین بار۔ عشاء میں چار بار۔ مگر ہدایت نہیں مل رہی۔ دعا قبول نہیں ہو رہی۔ کیوں؟ کیا وجہ ہے؟

کیوں کہ جو دعا مانگ رہا ہے اسے خود نہیں پتہ کہ وہ دعا مانگ رہا ہے۔ اسے تو یہ پتہ ہے کہ نماز میں فاتحہ نہ پڑھو تو نماز نہیں ہوتی اور بس۔ تو قبول کیسے ہو جائے۔ غفلت والا اور غیر متوجہ دل اس کو کہتے ہیں کہ جو مانگ رہے ہو آپ کی پوری نیت اسے حاصل کرنے کی نہیں۔

پھر اسی حدیث میں یقین کی بات کی گئی ہے۔ یعنی جو آپ مانگ رہے ہیں اس کے بارے میں آپ کو یقین ہونا چاہیے کہ اللہ آپ کو ضرور دے گا۔ وقت کی قید نہیں کر رہا۔ اور اگر یقین ہی نہ ہو تو؟ ذرا ڈاکٹر سے دوائی لیجیے اور اس سے کہیے کہ میں تم سے دوائی تو لے رہا ہوں مگر مجھے پتہ ہے کہ تمہاری دوا سے ٹھیک نہیں ہوں گا۔ وہ ڈاکٹر آپ سے دوائی واپس چھین لے گا کہ جب مجھ پر یقین ہی نہیں تو جس پر یقین ہو اس سے دوا لو جا کر۔

کیا کہیے گا اس شخص کو جو اللہ سے دعا مانگے اور یقین اس کا یہ ہو کہ اللہ سب پر قادر نہیں۔ یا اتنا غیر منصف مزاج ہے کہ دوسروں کو تو دے گا مگر مجھے نہیں دے گا حالانکہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار میں ہوں۔ سورۃ الفاتحہ میں اللہ کی تسبیح اور تحمید کے بعد دعا مانگنے کی تربیت کی جا رہی ہے اور بندہ اللہ کی قدرت اور منصف مزاجی جیسی صفات کا انکار کرتے ہوئے اس اللہ سے کچھ مانگے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ دعا قبول کروانے کے یہ آداب نہیں۔

مزید اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

يُسْتَجَابُ لأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ يَقُولُ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي

"تم میں سے کسی دعا کرنے والے کی دعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ جلد بازی نہیں کرتا اور ایسا نہیں کہتا (یا ایسا نہیں کہنے لگتا) کہ میں نے دعا کی اور میری دعا قبول نہیں کی گئی (صحیح البخاری/حدیث: 6340 کتاب الدعوات باب 22)"

لاَ يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ

"بندے کی دعا اس وقت تک قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ گناہ یا صلہ رحمی کے خلاف دعا نہ کرے، اور جب تک وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا، جلد بازی کرنا کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول۔"

تو ارشاد فرمایا۔ **يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ أَرَ يَسْتَجِيبُ لِي فَيَسْتَحْسِرُ عِنْدَ ذَلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ** (جلد بازی) یہ ہے کہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی، اور دعا کی لیکن مجھے (اپنی دعا کی) قبولیت ہوتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی، پس پھر وہ حسرت زدہ ہو جاتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے (صحیح مسلم/حدیث: 7112 کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ باب 25)

اس حدیث میں دعا کو مسلسل مانگتے رہنے کی تربیت کی جا رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ ادھر آپ دعا مانگیں ادھر اللہ اس کو قبول فرما لے۔ ہو سکتا ہے، بندہ ان دعاؤں کے بدلے

آپ کے درجات بلند کرنا چاہتا ہے۔ پھر جب بندہ یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ اللہ ...
قبول ہی نہیں کرے گا تو اللہ اس کے گمان پر پورا اتر جاتا ہے یعنی دعا قبول نہیں ہوتی۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قرآن۔ سورۃ الانبیاء۔ آیت نمبر 90

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ

"تو ہم نے ان (زکریا) کی پکار سن لی۔ اور ان کو یحییٰ بخشے اور ان کی بیوی کو (حسن معاشرت کے) قابل بنا دیا۔ یہ لوگ لپک لپک کر نیکیاں کرتے اور ہمیں امید سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے۔"

اب یہاں دعا کی قبولیت کے لئے مزید تربیت کی جا رہی ہے۔ لپک لپک کر نیکیاں کرتے۔ یعنی نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور نیکیوں میں جلدی کرتے۔ ہمیں کوئی نماز کی تلقین کر دے تو ہم کہتے ہیں کل سے شروع کریں گے۔ دعا ہمیں ہاتھ کے ہاتھ قبول کروانی ہوتی ہے۔

"اور ہمیں امید سے پکارتے" یعنی جو مانگ رہا ہے وہ اس امید سے مانگ رہا ہے کہ اللہ ہمیں یقینی طور پر دے گا۔ یہی بات حدیث میں بھی بیان کی گئی ہے۔

"اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے" یعنی جو مانگا جا رہا ہے اس کو اللہ ہی دے سکتا ہے ورنہ ہمارے پاس طاقت نہیں کہ اللہ سے چھین سکیں۔ اللہ کو قادر مطلق ماننے کا مطلب ہی یہی ہے۔

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا

"کوئی بھی مسلمان جب کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں گناہ نہ ہو اور نہ ہی قطع رحمی ہو تو اللہ اس کو (اس کی دعا کی قبولیت میں) تین میں سے کوئی ایک چیز عطا کرتا ہے، (1) یا تو اس کی دعا کو جلد ہی پورا کردیتا ہے، اور (2) یا اس کی دعا کو اس کی آخرت کے لیے ذخیرہ کردیتا ہے، اور (3) یا اس کی اس دعا کے بدلے اس پر آنے والی کوئی مشکل ٹال دیتا ہے۔ (مسند احمد/حدیث 11432/مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ میں سے حدیث 158، امام الالبانی رحمۃ اللہ نے کہا "حدیث حسن صحیح" ہے، صحیح الترغیب والترہیب/حدیث 1633.)"

اس حدیث میں دعا کی قبولیت کے تین مدارج بیان ہورہے ہیں کہ

یا تو دعا جلدی قبول ہوجاتی ہے

یا آخرت کے لیے سنبھال لی جاتی ہے

یا اس دعا کے بدلے میں کوئی مصیبت ٹال دی جاتی ہے

یعنی جو دعا جلدی قبول نہ ہو وہ روز آخرت میں اس کی نیکی بن کر اس کے جنت میں جانے کا سبب بن جاتی ہے۔

اسی سلسلے کی ایک حدیث ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

"ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی۔ یارسول اللہ! میں بہت بیمار ہوں۔ مجھ پر دورے آتے ہیں اور میں انتہائی تکلیف میں مبتلا ہوجاتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا نصیب فرمادے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اے عورت! میں اللہ سے دعا کردوں تو ضرور اللہ تجھے شفا دے دے گا۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس بیماری میں جو تکلیف تو جھیلتی ہے اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ نے تجھے بہت سے انعامات سے نوازنا ہے۔ وہ عورت یہ سن کر خوش ہوئی اور عرض کی۔ یارسول اللہ! اگر یہ میرے رب کی آزمائش ہے تو میں نے اس آزمائش پر صبر کیا۔"

اب ذرا اس حدیث میں اس عورت کی جگہ خود کو رکھ کر دیکھیے۔ فرض کریں کہ آپ

بہت بیمار ہیں اور رو رو کر اپنی شفا کے لیے دعا مانگ رہے ہیں مگر وہ دعا قبول نہیں ہو رہی
تو یہ کی وجہ ہو سکتا ہے وہی ہو جو عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بتائی گئی۔ مگر یہ
یہ بات کون بتائے گا؟ یعنی اگر میں یہ فرض کر لوں کہ آپ دنیا کے سب سے نیک اور پرہیز
گار انسان ہیں اور پھر بھی آپ کی دعا قبول نہیں ہو رہی تو یہ یقین کر لینے میں کیا قباحت ہے
کہ اس دعا کو مسلسل مانگنے سے میرے گناہ دھل رہے ہیں؟ میری نیکیاں بڑھ رہی ہیں
جنت میں میرے درجات بڑھائے جا رہے ہیں؟ اور اگر دعا کے قبول نہ ہونے کی صورت
میں آپ کے ذہن میں یہ خیال آ رہا ہے کہ خدا ہے ہی نہیں تو دعا مانگ کیوں رہے ہیں؟
تو یقین سے مانگی جاتی ہے۔ اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی کہ آپ ایک ایسی ہستی سے
مانگنے بیٹھ گئے ہیں جس کا وجود ہی آپ کی نظر میں مشکوک ہو؟

اپنے آپ کو پہلے ایک کشتی میں سوار کر لیں کہ یا تو خدا ہے یا پھر خدا نہیں ہے۔
اگر خدا ہے تو یہ جو کچھ بھی میں نے لکھا سو فیصد سچ ہے۔ اور اگر خدا نہیں ہے تو اس سے
مانگیں جس کے ہونے کا آپ کو یقین ہو۔

اوپر جو حدیث میں نے بیان کی اس کا تیسرا درجہ یہ تھا کہ دعا کے بدلے میں اللہ
آپ کی کوئی مصیبت ٹال دے یا جو مانگا جا رہا ہے اس کا کوئی متبادل عنایت کر دے۔

یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں ہمیں قطعیت کے ساتھ پتہ نہیں ہوتا۔ ہم روز
بھری بسوں میں گاڑیوں میں موٹر سائیکلوں پر سفر کرتے ہیں۔ کیا جانے ہمارا کوئی حادثہ کسی
کی بنا پر ٹال دیا جاتا ہو اور ہم اس زعم میں مبتلا ہوں کہ ہماری کمال مہارت کام آ گئی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جو مانگا گیا ہے وہ دینا اللہ کی مشیت میں نہ ہو مگر اللہ اس سے کئی
بہتر کوئی چیز ہمیں عنایت کر دے۔ میں اس کے لیے اکثر لوگوں کو کرسٹوفر کولمبس کی مثال دیا
کرتا ہوں۔ یہ وہ شخص تھا جس کے پاس مال و دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ مگر وہ دنیا میں کچھ
کرنا چاہتا تھا۔ وہ ہندوستان دریافت کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ہندوستان دریافت نہیں کیا۔
خدا کی مرضی نہیں تھی کہ وہ ہندوستان دریافت کرتا۔ مگر اس نے محنت کی تھی اور محنت

دعا کی ہو اسے اللہ صلہ ضرور دیتا ہے۔ اس نے ہندوستان دریافت نہیں کیا مگر جس
خاطر وہ ہندوستان دریافت کرنا چاہتا تھا وہ مقصد امریکہ کی دریافت سے پورا ہو
گیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شاید ہندوستان دریافت کرکے اسے وہ شہرت نہ ملتی جو اس کی
ذات کے شایانِ شان تھی۔

پھر دعا کے ساتھ ذاتی کاوش بھی ضروری ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ کشمیر،
فلسطین کے لوگوں کے لیے ساری دنیا کے مسلمان دعا مانگ رہے ہیں قبول نہیں ہو رہی۔
سوال یہ ہے کہ کیا اس معاملے میں محض اللہ سے دعا مانگنے کا حکم ہے؟ محمد بن قاسم کو جب
صرف ایک خاتون نے مدد کی درخواست بھیجی تھی تو کیا وہ مصلے پر بیٹھ گیا تھا؟ نہیں وہ
اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دعا اس نے بھی کی ہوگی مگر کوشش کے ساتھ۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ کسی کو مال۔ کسی کو نیک اولاد۔ کسی کو اچھی صحت۔ کسی کو
عزت و دولت۔ کسی کو حسن و صلاحیت۔ یہ سب کچھ بانٹ کر دینا اللہ کا دستور ہے۔ ضروری نہیں
کہ دنیا کی تمام چیزیں کسی ایک ہی شخص کی جھولی میں ڈال دی جائیں۔ یہ دنیا اللہ نے
آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ اس میں وہی ملے گا جو آپ کے نصیب میں اللہ نے لکھا ہے۔
مرنے کے بعد آنے والی زندگی میں ہم نے ہمیشہ جنت میں رہنا ہے یا جہنم میں یہ ہم نے
اپنے نصیب میں خود لکھنا ہے۔ اپنے اعمال کے ذریعے۔

○

دنیا کی تکلیف۔ آخرت کا کفارہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کی۔

"یا رسول اللہ! میں زنا کی مرتکب ہو گئی ہوں۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے عورت! کیا تو ہوش میں ہے؟"

اس عورت نے کہا۔ "میں اچھے پورے ہوش و حواس میں ہوں اور میں واقعی زنا کی مرتکب ہوئی ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔

"کیا تو شادی شدہ ہے؟"

اس عورت نے اس بات کا بھی اقرار کر لیا۔

پھر پوچھا کہ اس زنا کے نتیجے میں حمل بھی ٹھہرا ہے تو اس عورت نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تیرے اس گناہ میں بچے کا کوئی حصہ نہیں لہٰذا تو ابھی واپس چلی جا اور بچے کی پیدائش کے بعد آنا۔"

وہ عورت چلی گئی اور کچھ مہینوں بعد بچے کی پیدائش کے بعد واپس آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ ابھی اس بچے کا ایک حق اور باقی ہے کہ تو اسے دو سال تک دودھ پلائے۔ لہٰذا ابھی واپس چلی جا اور دو سال بعد آنا۔ وہ عورت پھر واپس چلی

گئی اور پھر دو سال بعد آئی۔ اس وقت اس بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا جو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بچے کو کھلا کر دکھایا کہ اب یہ بچہ کھانے کے قابل ہو گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے رجم کے احکامات جاری کیے۔
جب اس عورت کو پتھر مارے جا رہے تھے تو اس کے خون کے کچھ چھینٹے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کپڑوں پر گرے جس پر انہوں نے اس عورت کو برا بھلا کہہ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو فرمایا۔

"اے خالد بن ولید! ذرا سنبھل کر۔ جس قسم کی توبہ اس عورت نے کی ہے اگر اس توبہ کو مدینے کے ستر گناہ گاروں میں تقسیم کر دیا جائے تو اللہ اس سب کو بخش دے۔"

قارئین! یہ صحیح مسلم کتاب الحدود کی ایک حدیث ہے۔ ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے۔

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! میں بہت بیمار ہوں۔ مجھ پر دورے آتے ہیں اور میں انتہائی تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا نصیب فرما دے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا اے عورت! میں اللہ سے دعا کروں تو ضرور اللہ تجھے شفا دے دے گا۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس بیماری میں جو تکلیف تو جھیلتی ہے اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ نے تجھے جنت کے انعامات سے نوازنا ہے۔ وہ عورت یہ سن کر خوش ہوئی اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر یہ میرے رب کی آزمائش ہے تو میں نے اس آزمائش پر صبر کیا۔

محترم قارئین! یہ ہیں مومن کی اللہ سے محبتوں کے وہ قصے جس پر ملحدوں کو شدید ترین اعتراضات ہیں۔ کوئی اپنے رب سے اتنی محبت کیسے کر سکتا ہے؟ دنیا میں کوئی خطا کوئی گناہ ہو جانے کی صورت میں بیماری یا موت تک کی تکلیف برداشت کر لے۔ کسی کے گھر معذور اولاد پیدا ہو جانے کی صورت میں اللہ کی رحم دلی پر سوال اٹھائے جاتے تھے۔

ذرا سوچئے، یہ دنیا کی زندگی ہے کتنی مختصر۔

الحاد کا مقصد انسان کو محض اپنے رب کی محبتوں سے دور کرنا نہیں ہے۔ بلکہ ہر قسم کی محبت اور جذباتی تعلق جو اس دنیا کی بقا کے لئے ضروری ہے اس کا خاتمہ الحاد کا اصل ہدف ہے۔ فلموں میں جو زومبیز دکھائے جاتے ہیں اس قسم کی انسانی زندگی کا وسیع تر منصوبہ ہے جس کا ایک چھوٹا سا جز الحاد ہے۔

اگر منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلامی یا مذہبی تبلیغ اپنے اپنے خداؤں کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے۔ مگر الحاد کے فروغ کی کوششوں کے مقاصد سمجھ نہیں آتے۔ یہ کس خدا کو خوش کرنے چلے ہیں؟

میں آج یہ تحریر لکھ رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے اس پہ اجر دے گا۔ مگر اگر مجھے یہ گمان ہو کہ کوئی خدا ہے ہی نہیں تو پھر مجھے کیا لگے کوئی کسی خدا کو پوجتا ہے تو پوجتا رہے۔ مگر الحاد کی طرف سے خداؤں کی اور مقدس شخصیات کی مسلسل تضحیک کوئی اور کہانی سناتی ہے۔

اگر اوپر دی گئی دونوں احادیث پر غور کیا جائے تو پہلی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر اللہ کی طرف سے مطلع کیا جا چکا تھا کہ اس عورت کی توبہ قبول ہو گئی مگر اس کے باوجود اس عورت کی سزا رکوانے کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ دوسری حدیث میں بھی عورت کو دنیاوی تکلیف سے بچانے کے لئے دعا نہ فرمائی۔ ایک اور حدیث بھی سن لیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس دنیا کی وقعت اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہاں سے کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتا۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دنیاوی آسائشیں اللہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔ بلکہ اصل اہمیت آخرت کی ہے۔

یہ بھی ایک اعتراض ہے الحاد کی طرف سے بھولے بھالے اور کم علم مسلمانوں کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ برائی نہ ہو تو انسانوں کو روک کیوں نہیں دیتا؟ کفار کی پکڑ کیوں نہیں ہوتی۔ اللہ کی طرف سے رسی دراز کیے جانے پر بھی یہ

والوں کی جب پکڑ ہوئی تو پکار اٹھیں گے کہ کاش ہم جب مٹی کے ساتھ مٹی ہوئے تھے تو ہمیں
اٹھایا ہی نہ جاتا یا پھر ہم سرے سے پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ
﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ
﴿٤٥﴾

○

روح کا وجود

قارئین! کسی چیز کے وجود کو نہ ماننا اور کسی چیز کے وجود کا انکار کر ڈالنا یہ دو مختلف رویے ہیں۔ ان کے محرکات بھی مختلف ہیں اور نتائج بھی۔

کسی چیز کو نہ ماننا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ آپ کی کم علمی کی دلیل ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ چیز موجود ہو مگر آپ کے علم میں نہ ہو۔

مگر کسی چیز کا انکار کر ڈالنا کم علمی کی دلیل نہیں بلکہ باقاعدہ ایک دعویٰ ہے۔ اس دعوے کے لئے ثبوت درکار ہیں۔ علم درکار ہے۔ یہ دعویٰ اگر علم کے ساتھ کیا جائے تو قابل ستائش ہے اور اگر بغیر کسی علم کے کیا جائے تو اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں۔

اگر ہم دنیا کو دینی اور لادینی لوگوں میں تقسیم کریں تو لادینی لوگ مزید فرقوں میں تقسیم ہوتے نظر آئیں گے۔ جن میں قابل ذکر ہیں ملحد اور اگناسٹک۔

اگناسٹک وہ ہوتے ہیں جو خدا کو نہیں مانتے۔ مگر خدا کا انکار بھی نہیں کرتے۔ وہ صرف اپنی کم علمی اور کم فہمی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو خدا کے بارے میں مذہبیوں کے پاس موجود ہے وہ اگناسٹکس کے پاس موجود نہیں۔ جیسے ہی وہ علم جائے گا وہ بھی خدا کو مان جائیں گے۔

ملحد ان کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ خدا کا برملا انکار کرتے ہیں۔ جس کے لئے ثبوت درکار ہیں۔ یعنی ایک طرح سے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اس کائنات اور اس کے گرد و نواح کے چپے چپے کا علم رکھتے ہیں اور اس میں خدا کا ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہ دعویٰ اس وقت تک

ہو چکا ہے جب اس زمین پر موجود سمندر میں ایک نئی مچھلی دریافت ہوئی ہے۔ یعنی ابھی ہم پر ابھی دریافتوں کا سلسلہ جاری ہو اور کوئی اٹھ کر دعویٰ کر دے کہ اس پوری کائنات میں اس سے ماورا کہیں خدا کا وجود ممکن نہیں۔ سبحان اللہ۔

یہ ضروری نہیں ہوتا کہ کسی چیز کو ماننے کے لئے اس کا سائنسی اصولوں پر پورا اترنا ضروری ہے۔ سائنس انسانوں کے علم پر صرف دو طرح سے اثر انداز ہو سکتی ہے۔

پہلا یہ کہ وہ ثبوتوں اور مشاہدوں کی بنیاد پر کسی چیز کا وجود ثابت کرے۔

دوسرا یہ کہ وہ ثبوتوں اور مشاہدوں کی بنیاد پر کسی چیز کے عدم وجود کو ثابت کرے۔

نہ تو کسی چیز کو بغیر ثبوتوں کے تسلیم کرنا سائنس کا دائرہ کار ہے اور نہ ہی بغیر ثبوت کے کسی چیز کا انکار کر دینا سائنس کے لئے ممکن ہے۔

پہلا طریقہ آسان ہے۔

مثال کے طور پر میں نے مینار پاکستان دیکھا تو اب میرے لئے اس کا وجود ثابت کرنا بہت آسان ہے۔ میں اس کی تصاویر دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہوں۔ اس کی موجودگی کی جگہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے آس پاس موجود عمارات کو بطور ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ اس کے کئی طریقے ہیں۔ مگر اگر میں نے مینار پاکستان نہیں دیکھا تو بغیر ثبوتوں کے یہ دعویٰ بھی باطل ہی ہوگا کہ مینار پاکستان کا کوئی وجود ہی ممکن نہیں۔ ہوسکتا ہے موجود ہو مگر میرے علم میں نہ ہو۔ اس قسم کے دعوے کے لئے ایک اور دعویٰ بھی درکار ہے کہ میں نے ساری دنیا کی ہر چیز دیکھ رکھی ہے اور ان میں مینار پاکستان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ دعویٰ ثابت کرنا میرے لئے جو مشکل کام ہے۔

میری معلومات کے مطابق سائنس ابھی تک روح کے وجود کو تسلیم نہیں کرتی۔ مگر ثابت شدہ سائنس روح کا انکار کرنے جوگی بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ جس طرح سائنس کو روح ثابت کرنے کے لئے ثبوت درکار ہیں اسی طرح اس کا انکار کرنے کے لئے بھی ثبوت درکار ہیں۔ یہ دعویٰ بھی بے سود ہوگا کہ ہم نے پورا جسم تول لیا روح نہیں ملی۔ کیوں کہ روح کی

ہوتی ہے جو نظر آنے والے جسم کا ہے۔ یعنی جس طرح ثقل کو بغیر دیکھے تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح روح کو بھی مشاہدات کی بناء پر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک مثال کشش ثقل کی بھی ہے۔ جب تک دریافت نہ ہوگئی سائنس نے اس کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر اگر سائنس اس کا انکار کر ڈالتی تو جس دن نیوٹن نے قانون کشش ثقل پیش کیا سائنس کو پچھتانا پڑ جاتا۔ بہر حال ابھی بھی ایسے وجود جس کے ہونے یا نہ ہونے کا سائنس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو اس پر سائنس کی خاموشی بہتر ہے۔ نہ اقرار نہ انکار۔ جب تک مشاہدات سامنے نہیں آجاتے۔

اب مشاہدات کیا ہیں اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

سائنس ابھی تک اس بات کا تسلی بخش جواب دینے سے قاصر ہے کہ انسانی جسم کا وہ کون سا عضو ہے جس کے پیدا ہونے سے زندگی شروع ہوتی ہے اور جس کے ختم ہونے سے زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر میرے پاس ایک کمپیوٹر ہے۔ میں اس کا پلگ آن کرتا ہوں تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور جیسے ہی میں پلگ آف کرتا ہوں تو زندگی دم توڑ دیتی ہے۔ اس کا ماخذ کرنٹ ہے جو اس میں زندگی کی لہر دوڑا رہا ہے۔

ماں کے پیٹ میں بچے کے تمام اعضاء شروع کے چار مہینوں میں باری باری بنتے ہیں۔ دوسرے مہینے میں دل اور دماغ کی تشکیل شروع ہو جاتی ہے۔ ہر وہ عضو جس کے نہ ہونے سے جان جا سکتی ہے وہ بن جانے کے باوجود زندگی کی لہر نہیں دوڑ رہی؟

کس کا انتظار ہے؟ کون سا کرنٹ دوڑے گا جو زندگی کا آغاز ہوگا؟

پھر چوتھے مہینے میں بچے کی حرکت شروع ہو جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ کونسا عضو ہے جس کی تشکیل چوتھے مہینے میں ہوئی اور جس کی وجہ سے انسان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی؟

تو جواب ہے، یہ کوئی عضو نہیں ہے۔ چوتھے مہینے میں کوئی اضافی عضو شامل نہیں ہوتا۔ جو ہیں وہ سارے کے سارے بے جان۔ بال، ناخن اور دانت۔ ان میں سے کسی کا بھی تعلق زندگی سے نہیں۔

تو وہ کیا چیز تھی جو چوتھے مہینے میں شامل ہوئی اور جسم میں حرکت دوڑ گئی؟

سائنس اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہے۔

موت کے معاملے میں بھی یہی امر در پیش ہے۔

ایسا ممکن ہے کہ کچھ عضو کا تباہ ہو جانا فوری موت کا سبب بن جائے۔ جیسے دل، دماغ۔ مگر پھر ان کی موجودگی کے باوجود موت کا واقع ہونا سمجھ نہیں آتا۔ یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دماغ کی موت پورے جسم کی موت کا سبب بن جاتی ہے کیونکہ دماغ ہی وہ عضو ہے جو زندگی کی لہر دوڑاتا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ تندرست دماغ ہونے کے باوجود کیوں مر جاتے ہیں؟

یہی معاملہ باقی اعضاء کے ساتھ بھی ہے۔ سائنس اب تک موت کی حتمی وجہ کا تعین کرنے سے قاصر ہے۔

اسلام کے مطابق موت جسم سے روح نکل جانے کا نام ہے۔ یہ قلیل مدتی بھی ہو سکتی ہے اور طویل مدتی بھی۔

قرآن۔ سورہ الانعام۔ آیت نمبر 60

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۶۰﴾

"اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس سے خبر رکھتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ (یہی سلسلہ جاری رکھ کر زندگی کی) معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم (سب) کو اسی کی طرف

لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو (ایک ایک کرکے) بتائے گا۔ ۲۰"

سورۃ الزمر۔ آیت 42

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِهَا ۚ فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰى عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

"خدا لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے) پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں ۴۲"

پھر جب تمام ارواح تخلیق کی گئیں تو ان سے توحید کا وعدہ دیا گیا۔

سورۃ الاعراف۔ آیت نمبر 172

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ۙ

"اور (یاد کیجئے!) جب آپ کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی نسل نکالی اور ان کو انہی کی جانوں پر گواہ بنایا (اور فرمایا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ (سب) بول اٹھے: کیوں نہیں؟ (تو ہی ہمارا رب ہے،) ہم گواہی دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن یہ (نہ) کہو کہ ہم اس عہد سے بے خبر تھے۔"

جس طرح روح کا انکار ممکن نہیں اس طرح روح کی صحیح توجیہ بھی ایک مشکل ہے۔ منطقی کر رہے ہیں۔

سورہ بنی اسرائیل ۔ آیت نمبر 85

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۵﴾

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔"

انسان کی سمجھ بوجھ کا ماخذ سائنس ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بے شمار علوم سے واقف ہے۔ سائنس ان میں سے صرف ایک چھوٹا سا علم ہے جو انسان کو دیا گیا ہے۔ اس آیت سے پتا لگتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ روح کے علم کا تعلق انسان کی محدود عقل سے بالاتر ہے۔

○

امراؤ القیس اور تین سال وحی بند رہنے کا جواب

ملحدوں نے قرآن پر ایک اعتراض کیا ہے جس کے مطابق قرآن کی کچھ آیتیں (شاید چار یا پانچ) عرب کے ایک "مشہور" شاعر امراؤ القیس کی شاعری سے لی گئی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ قرآن چار یا پانچ آیتوں پر تو کتاب نہیں ہے بلکہ یہ چھ ہزار سے زائد آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی اگر اس کو مکمل کرنے والے نے شاعری ہی ادھر ادھر سے چرائی تھی تو کم از کم ہزار شاعروں کی شاعری سے پانچ پانچ مصرعے لیے جاتے تو قرآن مکمل ہوتا۔ مگر پھر ایک مسئلہ اور ہے۔ شاعری کی سمجھ رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہر شاعر کا رنگِ کلام مختلف ہوتا ہے۔ مگر قرآن کا رنگِ کلام شروع سے آخر تک ایک جیسا ہی ہے۔ کسی بھی مقام پر اس کے پڑھنے والے کو یہ شائبہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک سے زیادہ مصنفین کا کلام ہے۔ ملحدین کے لیے سب سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کے نزول کے وقت کی کوئی ایک بھی ایسی شخصیت نہیں ہے جس پر مکمل قرآن کو لکھنے کا سہرا باندھا جا سکے۔ ورقہ بن نوفل کو قرآن کا مصنف کہا جاتا ہے تو مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کی زندگی میں صرف سورہ علق کی چند ابتدائی آیات اور سورہ مدثر کی ابتدائی آیت نازل ہوئیں پھر وہ انتقال کر گئے۔ اب ایک اور نام میں پہلی بار سن رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی بننے سے شاید تیس سال پہلے ایک شاعر ہوا کرتا تھا جس نے کچھ ایسے شعر لکھ رکھے تھے جو ہو بہو قرآن کی کچھ آیتوں میں موجود ہیں۔

مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے اس شاعر کا نام پہلی بار سنا

ہے اس پر تحقیق کی تو پتہ چلا موصوف کے کچھ اشعار میں اور قرآن کی کچھ آیات میں
بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ ان آیات پر بھی بات ہوگی۔

امراؤالقیس کے بارے میں جو بھی معلومات ہم تک پہنچی ہیں ان کے مطابق وہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے کچھ سال پہلے انتقال کر گیا۔ کتنے سال پہلے؟ اس میں
اختلاف آراء ہیں۔ کچھ کے مطابق تیس سال پہلے کچھ کے مطابق چالیس سال پہلے۔ امراؤالقیس
پیدا کب ہوا اس پر بھی کوئی بات یقین سے نہیں کی جا سکتی۔ اس بارے میں بھی اختلاف آراء
ہیں۔ امراؤالقیس کا مذہب کیا تھا اس بارے میں بھی دو آراء ہیں۔ ایک کے مطابق وہ بت
پرست تھا دوسری کے مطابق عیسائی۔ جو واحد بات یقین سے طور پر کی جاتی ہے وہ یہ
کہ مذکورہ شاعری اسی کی ہے اور مکمل محفوظ ہے۔ کہاں محفوظ ہے؟ آگے کو چھوڑیں یہ تو حضرات
ہی نالکھے ہیں۔ میں تو آپ کو بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ جس مذہب سے امراؤالقیس کا تعلق
تھا وہ ہے اس کی الہامی کتاب بائبل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جیسے
مخبری کر کے صلیب پر پھانسی دی گئی تھی۔ اور یہ بات بائبل میں حضرت عیسیٰ سے دو
ہزار سال سے لکھی ہوئی ہے جب کہ کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ بائبل کے بہت سے ایڈیشن
موجود ہیں سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر رب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ
حضرت سے دو ہزار سال پہلے نازل کیے گئے۔ حیرت کی بات ہے کہ جو رب تعالیٰ کی
طرف سے نازل کردہ کتاب کو محفوظ نہ رکھ سکے انہوں نے ایک عام شاعر کی شاعری کو دو
ہزار سال سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔

جن آیات کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں
قرآن (سورۃ القمر آیت ۱):

اقتربت الساعۃ وانشق القمر

ترجمہ: "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔"

قرآن (سورہ القمر آیہ 29)

"فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ."

ترجمہ: "تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔"

قرآن (سورہ القمر آیہ 31)

"فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ."

ترجمہ: "تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔"

(اس آیت کا مکمل ترجمہ: اور ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی باڑ۔)

قرآن (سورہ الضحیٰ آیہ 2،1)

وَالضُّحَىٰ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ.

ترجمہ: "سورج کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی تاریکی کی جب وہ چھا جائے۔"

قرآن (سورہ الصافات آیہ 61):

لمثل هذا فليعمل العاملون.

ترجمہ: "ایسی ہی نعمتوں کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔"

قرآن (سورہ عبس آیہ ۱۷):

قتل الانسان ما اكفره

ترجمہ: "انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔"

قرآن (سورہ الزلزال آیہ ۲،۱):

اذا زلزلت الارض زلزالها و اخرجت الارض اثقالها

ترجمہ: "جب زمین پوری شدت سے ہلا دی جائے گی۔"

اور زمین اپنے (سب) بوجھ نکال باہر پھینکے گی۔

اب ذرا تھوڑی سی بات اس شاعر کے کردار کے حوالے سے بھی ہو جائے۔ وکی
پیڈیا اور دوسری ویب سائٹس پر مذکورہ شاعر کے متعلق جو معلومات دی گئی ہیں ان میں ایک
قدر مشترک پائی جاتی ہے کہ اس شاعر کو اس کے باپ نے گھر سے نکال دیا تھا۔

کیوں نکال دیا تھا؟

تمام ویب سائٹس پر اس کو گھر سے نکالے کی تین وجوہات بتائی گئی ہیں۔

1۔ شراب نوشی

2۔ لڑکیوں میں دلچسپی

3۔ شہوت انگیز شاعری (Erotic poetry)

زیادہ تر ویب سائٹس کے مطابق تیسری وجہ نے اس کو گھر سے نکلوانے میں
بنیادی اہم کردار ادا کیا۔

اب آ جاتے ہیں اس کی شاعری کی طرف جس کے بارے میں ملحدین کا دعویٰ
ہے کہ وہ اس شاعر کا کلام تھا جو قرآن نے چوری کر لیا۔

"قیامت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔
تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا اور اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔
اور ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے باڑ والے کی سوکھی اور ٹوٹی
ہوئی باڑ۔ سورج کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی تاریکی کی جب وہ چھا جائے۔ ایسی ہی
نعمتوں کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔
انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔
جب زمین بڑے زور سے ہلا دی جائے گی،
اور زمین اپنے (سب) بوجھ نکال باہر پھینکے گی۔"

اس شاعری کو غور سے بار بار پڑھیں۔ کیا آپ کو یہ کسی ایسے شخص کا کلام لگتا ہے
"جسے اس کے باپ نے شراب نوشی اور شہوت انگیز شاعری کی بناء پر گھر سے نکال دیا تھا"

بلکہ مجھے یہ پوچھنا ہے کہ کیا آپ کو یہ شاعری کسی بھی انسان کی لگتی ہے؟

کوئی شرم ہوتی ہے۔ کوئی حیا ہوتی ہے۔ ملحدوں نے کیا عقل بیچ کر چنے کھا لیے؟ افسوس اس چنے والے پر جس نے ان کو ان کی عقل کے بدلے چنے بھی عنایت کر دیے۔ دنیا چاند پر پہنچ گئی ملحد چولوں میں ترقی کر رہے ہیں؟ پہلے چھوٹی چھوٹی چولیں مارتے تھے اب اتنی بڑی چول؟ کیا چولوں میں ارتقاء ہو رہا ہے؟ مرزا قادیانی کو بھی مشورہ دے آئیں کہ وہ بھی دیوانِ غالب چوری کرے اور دعویٰ کر دے کہ یہ خدائی کلام مجھ پر نازل ہوا ہے۔ ملحدوں نے اس پر بھی یقین کر لینا ہے۔

لیتا۔ نہ اگر دل تمہیں دیتا۔ کوئی دم چین
کرتا۔ جو نہ مرتا۔ کوئی دن آہ و فغاں اور

غالب نے تو اسی قسم کی شاعری کی ہے۔ کسی شاعر کا اتنا دماغ خراب نہیں ہوتا کہ اپنی شاعری میں دعویٰ کرے کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں میں نے کاٹیں یا ان پر جو چیخ کا عذاب آیا وہ میں نے کروایا۔ کم از کم مرزا غالب نے تو ایسا ایک بھی شعر نہیں کہا۔

انشاء جی سے مدد لیجیے۔

دل سی چیز کے گاہک ہوں گے دو یا ایک ہزار کے بیچ
انشاء جی کیا مال لیے بیٹھے ہو تم بازار کے بیچ؟

انشاء جی نے بھی ایسا کوئی شعر نہیں کہا جس میں لکھا ہو کہ ہلاک ہو وہ شخص جس نے انکار کیا۔

ابھی تو سو ڈیڑھ سو سے شاعر اور ڈھونڈنے ہیں۔ اقبال کی شاعری تو خود قرآن سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے۔

ٹھیک کہا ہے کسی نے کہ گدھے پر کتابیں لاد دینے سے گدھا عالم نہیں بن جاتا۔ اگر ملحداں آیت کا ترجمہ پڑھ لیتے تو شاید ان کو سمجھ آ جاتی کہ یہ کسی انسان کا کلام ہو کیسے سکتا ہے۔

○

قرآن پر ایک اعتراض (النضر بن الحارث)

ملحدین نے ایک عرصے سے قرآن پر اعتراضات کیے ہیں۔ اعتراضات یہ ہیں کہ ایک شخص جس کا نام النضر بن الحارث تھا وہ پچھلے ادیان یا بقول ملحدین کے پچھلی روایات سے متعلق بہت زیادہ علم رکھتا تھا اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب ان کی محفل میں تو لوگوں کو قرآن اور پچھلی باتوں کی مماثلت بتا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب پچھلی کتابوں سے گھڑا گیا ہے۔

مزید ملحدین نے اس طرح میں یہ بھی دعویٰ کیا کہ جو تین سوالات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے گئے کہ ذوالقرنین کون تھے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ اور روح کی حقیقت کیا ہے؟ یہ تینوں سوالات بھی درحقیقت اسی شخص نے یہودیوں کو بتائے تھے جو وہ دوسرے ملک کے عالموں سے سیکھ کر آیا تھا۔ پھر یہ بھی ملحدین نے دعویٰ کیا کہ النضر کے قتل کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں کو قرآن کی حقیقت کھول کھول کر بتاتا تھا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع ملنے پر اس راز کو چھپانے کے لیے اسے قتل کروا دیا۔

ملحدین نے اس پورے معاملے کے لیے جو حوالہ دیا ہے وہ تاریخ طبری اور سیرت ابن ہشام کا ہے۔

جواب

سب سے پہلے تو ہم تاریخ، تاریخ اسلام اور سیرت ابن ہشام سے متعلق کچھ ضروری باتیں بتا دیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ یہ کوئی حدیث نہیں بلکہ تاریخ ہے

س کا جواب منطق سے ہی دیا جائے گا۔

سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھیں کہ تاریخ دان کون ہوتا ہے اور وہ کس طریقے کار سے تاریخ رقم کرتا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ تاریخ کے نام سے عموماً لوگ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ کوئی قدرتی طریقہ ہے واقعات کو محفوظ کرنے کا جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تاریخ لکھنے والے انسان ہی ہوتے ہیں اور انسان کسی بھی شخصیت کے متعلق کبھی بھی غیر جانبدار نہیں ہوتا۔ یہ ممکن نہیں کہ آپ کسی شخص کو جانتے ہوں اور اس کے متعلق کوئی اچھی یا بری رائے نہ رکھتے ہوں۔

کسی بھی شخصیت کے متعلق رائے قائم کرنے والے عموماً تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

ایک وہ جو اس شخص کے حامی ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ جو اس شخص کے مخالف ہوتے ہیں۔

اور تیسرے وہ جو اس کو جانتے ہی نہیں۔

دنیا میں بس یہی تین اقسام پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ تاریخ دان غیر جانبدار ہوتا ہے یہ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تیسری قسم کے لوگوں کو تو آپ خارج از بحث سمجھیں کہ جو جانتا ہی نہیں وہ تاریخ لکھنے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ اب جو جانتے ہیں وہ دو گروہ یا تو حامی ہوں گے یا مخالف۔ تو غیر جانبدار ہرگز نہیں ہوں گے۔ آپ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تاریخ مسلمانوں کی پڑھ لیجیے اور انگریزوں کی بھی پڑھ لیجیے۔ صرف وہ بنیاد ایک ہوگی جس کو بدلا نہیں جا سکتا۔ جہاں جہاں بھی انگریز کو موقع ملے گا وہ ڈنڈی ضرور مارے گا۔ کس پر یقین کریں یہ بات میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا کہ منطقی حوالوں پر کسی بات پر یقین کرنا کیسے کیا جاتا ہے۔ پہلے ہم ابن ہشام کی بات کر لیتے ہیں۔

کہ شاید ابن ہشام کی مسلمانوں میں اس سے زیادہ کوئی وقعت نہیں کہ وہ ...

یہ ہے دوسری زندگی پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب کی نقل ہے۔

اب آپ پوچھیں گے نقل سے کیا مراد ہے؟

نقل سے میری مراد یہ ہے کہ اس سے پہلے سیرت کی ایک کتاب ابن اسحاق نے لکھی تھی۔ وہ کتاب کسی وجہ ضائع ہو گئی تو ابن اسحاق کے ایک شاگرد ابن ہشام نے یادداشت کے سہارے اس کتاب کی نقل لکھی۔

اب ذرا اس بات کو اپنے ذہن میں رکھ کر سوچیے کہ آپ نے ایک کتاب پڑھی۔ کئی برسوں بعد آپ یادداشت کے سہارے اسے لکھیں تو وہ کتنی مستند ہوگی؟ یقیناً آپ اس میں بہت ساری غلطیاں کریں گے۔ واقعات کے تانے بانے توڑ جاتے ہیں۔ کیسے مان لیں [illegible] کہ سیرت ابن ہشام من و عن ویسی ہی ہو جیسی سیرت ابن اسحاق تھی۔

مگر بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی۔

ابھی ہمیں یہ بھی پرکھنا ہے کہ جس سیرت ابن اسحاق کی یہ نقل تھی وہ خود کتنی مستند تھی۔

سیرت ابن اسحاق پر بھی اس دور کے علماء نے اچھی خاصی تنقید کر رکھی ہے جس میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پیش پیش تھے۔ کئی واقعات ابن اسحاق نے ایسے لوگوں سے منسوب کر دیے جن سے وہ کبھی ملے ہی نہیں۔ امام مالک یہ بھی فرماتے تھے کہ اس کے زیادہ واقعات ان لوگوں سے لیے گئے ہیں جنہوں نے مجبوری میں یہودیت سے اسلام قبول کیا ہے۔

اسلام کے اوائل میں مسلمانوں کے علاقوں میں اس وجہ کی دو شرائط تھیں کہ یا تو اسلام قبول کر لیا جائے یا جزیہ دیا جائے۔ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جن میں یہودیوں نے جزیہ سے بچنے کے لیے کلمہ پڑھا اور مسلمانوں کی صفوں میں دراڑیں ڈالنے [illegible] اس کی بہترین مثال ہے۔

تو [illegible] کے بارے میں بس اتنا کہنا بہت ہوگا کہ یہ سیرت ابن ہشام سے

متاثر ہو کر لکھی گئی۔

اس لحاظ سے اسناد کے اعتبار سے ان تینوں کتابوں کی دین اسلام میں کوئی حیثیت اور وقعت نہیں۔ سوائے اس کے کہ سیرت لکھنے والے اور تفاسیر لکھنے والے علماء واقعات کے تانے بانے ملانے کے لیے اس سیرت سے بے ضرر سی مدد لے لیتے ہیں۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ ملحدین اور مستشرقین کے جتنے بھی اعتراضات ہیں تقریباً تمام انہی کتابوں سے لیے جاتے ہیں۔

اب اس بات کو سمجھ لیجئے کہ کسی کی تاریخ لکھنے کے لیے وہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے جو کسی کے لیے بھی قابل اعتراض نہ ہو؟

• اس کا بڑا آسان سا طریقہ ہے جو آج دنیا بھر کی عدالتوں میں رائج ہے۔ آپ جس معاملے پر گواہی دے رہے ہیں اس میں آپ کی اپنی پوزیشن کیا ہے؟ کیا آپ اس واقعے کے وقت وہاں موجود تھے؟ یا آپ نے یہ واقعہ کسی ایسے شخص سے سنا جو وہاں موجود تھا؟ یا پھر کسی ایسے شخص سے جس نے کسی ایسے شخص سے سنا جو وہاں موجود تھا؟

اس کو روایات کی کڑی کہتے ہیں۔

اس میں اس جیسے کی کوئی گنجائش ہی نہیں کہ جو بات میں آپ کو بتا رہا ہوں وہ میں نے کسی سے سنی ہے جس کا نام میں نہیں جانتا۔ آپ پر اسی وقت جھوٹا ہونے کی مہر لگ جائے گی۔ پھر اس پورے معاملے کو اس نظر سے بھی پرکھا جائے گا کہ جتنے بھی راوی ہیں ان کی شہرت کیسی ہے؟ ان میں سے کوئی جھوٹ کی وجہ سے مشہور تو نہیں؟ کوئی مشکوک تو نہیں؟ کوئی ایسا تو نہیں جو مذکورہ شخص سے کوئی ذاتی عناد رکھتا ہو یا ذاتی فائدہ مطلوب ہو؟

یہ طریقہ احادیث میں سب سے پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رائج کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تمام دنیا کے مسلمانوں میں قرآن کے بعد جس کتاب کو سب سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے وہ صحیح بخاری ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جاتا بنانے سے پہلے والے ماموں میں کسی بنیاد پر فضیلت نہیں رکھتے۔ مگر اس طریقے نے انہیں سب سے ممتاز

کر دیا۔

اس سے پہلے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مسلمانوں میں اجتہادی اعلیٰ درجہ کے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند شافعی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی موطا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند احمد

ان تمام کتابوں پر بعد میں لکھی جانے والی صحیح بخاری کو اسی بنیاد پر جس سے کہ اس میں کو ایمان اور شاہدین کو خصوصی درجے پر رکھا گیا۔

اب آتے ہیں ملحدین کی تحریر کے بنیادی متن کی طرف کہ یہودیوں نے یہ سوال بتائے کہ اصحاب کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کا مسئلہ کیا تھا اور روح کی کیا حقیقت ہے؟

یہاں دو سوال تک تو بات ٹھیک ہے مگر تیسرے سوال میں گڑبڑ ہے۔

روح سے متعلق سوال اس وقت پوچھا ہی نہیں گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روح سے متعلق سوال کا جواب سورۃ الکہف میں نہیں بلکہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جو سورۃ کہف کے کئی سال بعد نازل ہوئی۔

سورۃ بنی اسرائیل۔ آیت 85

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (85)

"اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔"

اب یہاں پر تحقیق طلب بات یہ ہے کہ دو سوالوں کے جواب [illegible] میں دے دیے اور تیسرے سوال کا جواب کئی سال بعد دیا۔

اس بات کی تصدیق صحیح بخاری کتاب [illegible]
ہے۔ جس کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ [illegible]
کے ساتھ کھیتوں سے گزر رہا تھا کہ راستے میں چند یہودیوں [illegible]
آپس میں مشورہ کیا کہ ان سے روح کے متعلق پوچھو اور جب انہوں نے [illegible]
وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی جو اوپر آیت میں بیان ہوئی۔

یعنی یہاں پندرہ دن تو کیا پندرہ منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہے [illegible]
گیا اسی وقت جواب دے دیا گیا اور یہ وہی جواب ہے جو یہودیوں میں بھی [illegible]
روح سے متعلق اس سے زیادہ علم رکھنے کا دعویٰ خود یہودیوں کا بھی نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ یہودیوں کا تیسرا سوال کیا تھا؟

تو اس کی وضاحت سورہ کہف سے ہی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان سوالوں کے
جواب میں یہی سورہ نازل ہوئی تھی اور اس میں تین متواتر قصے بیان کیے گئے تھے۔

۱۔ اصحاب کہف کا واقعہ

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ

۳۔ ذوالقرنین علیہ السلام کا واقعہ

لہٰذہ تیسرے سوال کے بارے میں زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ موسیٰ و
خضر علیہ السلام کے واقعے سے متعلق ہوگا۔

اب مزید اعتراضات ملحدین نے یہ کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ
دن لگا دیے جواب دینے میں، جو جوابات دیے وہ بھی معیاری نہیں تھے۔

ذرا اس کا بھی منطقی جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن و احادیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان شاء اللہ کہنا بھول گئے
تھے [illegible] کہ اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی بابت وحی دیر میں نازل کی۔ ملحدین کہتے
[illegible] ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سوالات کے جوابات [illegible]

ضروری نہیں تھا۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
وہ علم کہاں سے آیا؟

اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیے کہ آپ دونوں [illegible]
انسان کی بات کر رہے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور اسے ایک [illegible]
کسی بھی قسم کا علم حاصل کرنے کے لیے جانے اور واپس لوٹنے کے لیے [illegible]
ان پورے پندرہ دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible]
جوابات کس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے؟ فرشتے نے؟ [illegible]
نہ کہ فرشتے نے ہی پہنچائے۔

پھر آپ کہتے ہیں جوابات غیر معیاری تھے یا غلط تھے؟

چلیں میں ایک کام کرتا ہوں۔ میں تینوں سوال میں [illegible]
[illegible]۔

۱۔ اصحاب کہف کا واقعہ

۲۔ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ

۳۔ ذوالقرنین علیہ السلام کا واقعہ

دوسرے سوال میں آپ آزاد ہیں۔ چاہے تو اسی کا [illegible]
[illegible] تحقیق کر دیں۔

کمپیوٹر آپ کے پاس

انٹرنیٹ آپ کے پاس

آپ کا خدا گوگل آپ کے پاس

تاریخ کی کتابیں آپ کے پاس

[illegible]

تالمود سے جوابات نکالیں یا اسرائیلیات میں سے

جہاں سے مرضی لائیں۔

بس دو شرائط ہیں۔

جواب صحیح اور معیاری ہونے چاہیے۔

میں دیکھنا چاہوں گا کہ آپ کے پاس یا یہودیوں کے پاس وہ کون سے ٹھوس واضح دو ٹوک صحیح جوابات ہیں جن کی بنیاد پر آپ ان جوابات کو غلط قرار دے سکتے ہیں۔

آپ کو کتنے دن لگیں گے یہ ہم بھی دیکھتے ہیں۔

O

ملحدین کا قرآن پر ایک اعتراض
(عبداللہ بن ابی السرح)

ملحدین کے دماغ بھی عجیب ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ان کی اپنی ایک بات دوسری بات سے ٹکراتی ہے۔

کل کی تحریر میں میں نے النضر بن الحارث والے معاملے کا جواب دیا تھا۔ اس میں ملحدین نے دو مدے ایک ساتھ اٹھائے تھے اور دونوں مدے ایک دوسرے سے الٹ تھے۔

ایک اعتراض یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی تھی وہ پچھلے ادیان کی کتابوں میں موجود قصوں سے ماخوذ ہوتی تھی۔ جس کا ثبوت النضر بن الحارث تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی محفل سے اٹھ جانے کے بعد وہی قصہ تفصیل کے ساتھ لوگوں کو سناتا تھا۔

پھر دوسرا اعتراض اسی تحریر میں یہ بھی کر دیا کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین والا قصہ پوری طرح پچھلے ادیان کے قصوں سے ماخوذ نہیں ہے۔

یعنی ایک ہی تحریر میں دو اعتراضات اور دونوں ایک دوسرے کا الٹ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہی ہوئی بات پچھلی کتابوں سے ماخوذ ہو تب بھی اعتراض ہے، ماخوذ نہ ہو تب بھی اعتراض ہے۔

میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن انبیاء پر نازل ہونے والے ایک طویل ترین

سلسلے کی آخری کڑی ہے۔ اور یہ ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے
نے نازل فرمائیں۔ اصولاً قرآن کے بتائے گئے قصوں میں اور پچھلے ادیان میں بتائے
گئے قصوں میں فرق ہونا ہی نہیں چاہیے۔ مگر چونکہ پچھلی کتابیں وقت کا ستم سہتے سہتے تبدیل
ہوتی چلی گئیں لہٰذا اب ان میں اور قرآن میں کچھ اختلاف دکھتا ہے۔ لہٰذا اب ذی شعور
انسان کے لئے اس زمین پر کوئی معتبر ترین کتاب ہے تو وہ قرآن ہی ہے اور اسی سے پچھلی
کی تاریخ کو پرکھا جائے گا۔ ورنہ ملحدین کو گوگل کی تحریر میں چیلنج کیا جا چکا ہے۔ اگر ہمت ہو
تو جو سوال انہوں نے اٹھائے تھے ان کے صحیح جوابات کے ساتھ اپنے گروپ میں یہ
تحریر ڈال دیں۔ آخر گوگل کو خدا مانتے ہیں جس کے پاس بقول ان کے ہر سوال کا جواب
ہوتا ہے۔ اپنے اس گوگل بابا سے جا کر پوچھیں کہ اصحاب کہف کا قصہ اگر ایسا نہیں تو جیسے
قرآن بیان کرتا ہے تو پھر کیسا تھا؟ ذوالقرنین کا قصہ کیا تھا؟ روح کی حقیقت کیا ہے؟

گوگل کے پاس ان سوالوں کا یقیناً جواب ہوگا۔ آپ کو صرف کاپی پیسٹ ہی
کرنا ہے۔ کر دیں۔

پھر ایک اعتراض اور تاریخ طبری سے لیا گیا ہے جو عبداللہ بن ابی السرح سے
متعلق ہے وہ بھی ملاحظہ فرما لیجیے:

"عبداللہ بن ابی السرح مسلمان ہو کر مہاجرین کے ساتھ یثرب آ گیا
جہاں اسے وحی کی کتابت کا عہدہ دیا گیا۔ ابن سید الناس اپنی کتاب "عیون الاثر فی
المغازی والسیر" میں کہتا ہے کہ عبداللہ بن ابی السرح قریش میں سے سب سے پہلا
تھا جس نے وحی لکھی تھی جبکہ انصار میں سے سب سے پہلے وحی کی کتابت کعب بن ابی
کی تھی۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں وحی لکھنے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بیٹھ جاتا
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے کچھ آیات لکھواتے تھے جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا
یہ جبرئیل کے ذریعے بھیجی جانے والی اللہ کی وحی ہے۔ ایک دن جب محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) عبداللہ بن ابی السرح کو سورۃ المومنون کی کچھ آیات لکھوا رہے تھے تو

زل ہوا، آیات یہ تھیں:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿12﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿13﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۔ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ﴿14﴾

سیرت کی کتابوں کے مطابق جن میں الطبری، القرطبی اور البیضاوی شامل ہیں، عبداللہ بن ابی السرح نے حیران ہو کر کہا: "تبارک اللہ احسن الخالقین۔" یہ فقرہ محمد کو بہت پسند آیا، چنانچہ محمد نے عبداللہ بن ابی السرح کو حکم دیا "اکتبہا، ہکذا نزلت (اسے لکھ دو یہ ایسے ہی اتری ہے)۔" عبداللہ بن ابی السرح نے اسے لکھ دیا اور آیت یوں ہو گئی:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ۔ ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿14﴾

یہ ہے جناب نیا اعتراض۔

سیرت ابن ہشام اور تاریخ طبری کتنی مستند ہیں یہ میں آپ کو کل ہی بتا چکا ہوں لہٰذا بغیر وقت ضائع کیے اس اعتراض کی طرف آتے ہیں۔

پہلے تو میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کمال حکمت سے اللہ تعالیٰ نے ملحدوں اور کافروں کو ایسا رنج کر رکھا ہے کہ یہ اپنے تمام گھوڑے کھول لیں مگر قرآن پر کیے گئے کسی بھی اعتراض کو عقل اور منطق کے میدان میں ثابت ہی نہیں کر سکتے۔

میں حیران ہوتا تھا کہ اللہ کے سب سے آخری رسول ہوں۔ اللہ کے سب سے عظیم انسان ہوں۔ اور اللہ انہیں "امی" رکھے؟ یعنی نہ لکھ سکیں نہ ہی کسی کا لکھا پڑھ سکیں؟ مگر آج جب ملحدوں کے سوالوں کے جواب دیتا ہوں تو اللہ کی حکمت پہ شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ نے اس ایک حکمت سے قرآن پر متعدد اعتراض کے دروازوں کو ایسا بند کر

[illegible] کوئی لفظ [illegible]

اللہ نے [illegible]
لکھا تھا محمد رسول اللہ۔ [illegible]
کو رسول اللہ کی [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ [illegible] رسول اللہ [illegible] حضرت علی
فطری غیرت سے [illegible]
رسول نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے [illegible] جب
حضرت علی رضی [illegible] تو آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے خود اس لفظ کو [illegible] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] پڑھ سکتے
تھے

اب سوچنے کی بات یہ ہے

ایک وحی نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو آپ [illegible]
[illegible] کس کے لئے؟ [illegible] پڑھ سکتے [illegible]
دوسرے مسلمانوں کی ہدایت کے لئے [illegible] جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کوئی فائدہ نہیں [illegible] نازل ہوئی [illegible] دن نماز میں
تلاوت فرماتے [illegible] پڑھ سکتے ہی نہیں۔ صرف سننے کے
ذریعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی [illegible] کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم پر کوئی سورۃ نازل ہوئی ہو [illegible] کے بعد اگلے دن رسول اللہ نے کسی
[illegible] مجھے [illegible] پڑھ کر سناؤ [illegible] تھوڑی سی
گیا۔

[illegible] ہے

میں نے جو خوبصورت نظم لکھی تھی اس کا ہر ہر لفظ میرا اپنا سوچا ہوا تھا۔ مگر آج آپ مجھ سے کہیں کہ میں وہ نظم آپ کو زبانی سناؤں تو میں نہیں سنا سکتا۔ یعنی یہ میرے لیے اس حالت میں بھی ناممکن ہے کہ الفاظ میرے اپنے ہوں۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں نے مجھ پر وحی کرنے لگے سب؟ اب یہ ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہو جائے گا۔ اور یہ اس صورت میں کہ میں اپنی تحریر کو جتنی بار چاہوں پڑھ بھی سکتا ہوں اور پڑھتا ہوں۔ مگر پھر بھی یاد نہیں رہتی۔

اور جو پڑھ بھی نہ سکتا ہو؟

سبحان اللہ۔

والحمد میرے رب کی شانیں ہیں۔

آپ حفاظ سے پوچھیں کہ قرآن کو حفظ کر لینا کیا بچوں کا کھیل ہے؟

ایک ایک سورت کئی کئی دن بار بار پڑھنی پڑتی ہے تب جا کر کہیں یاد ہونا شروع ہوتی ہے۔ وہ بھی چھوٹی عمر کے بچوں کو حفظ کروایا جاتا ہے۔ بالغ بندے کے لئے تو اور مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ہم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہیں کہ جس پر کل وحی نازل ہوئی اور آج وہ اسے نمازوں میں محض یادداشت کے سہارے پڑھنا شروع کر دے۔ سبحان اللہ

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾

"اور (اے محمد ﷺ) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کرو تاکہ اس کو جلد یاد کر لو ﴿١٦﴾ اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمے ہے ﴿١٧﴾ جب ہم وحی پڑھا کریں تو (تم اس کو سنا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو ﴿١٨﴾"

وحی نازل کرنے والے کی ضمانت کہ آپ کو یاد ہو جانے اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جو نازل کر رہا ہے وہ یاد کروانا بھی جانتا ہے۔

اس قسم کی مثال دنیا میں کوئی ادنیٰ سی [illegible]
ہوں۔ ایسی لکھی کتاب دکھا سکتا ہیں۔ [illegible]
دیں کس شکل میں؟

کتنی احمقانہ بات ہے کہ [illegible] قرآن میں [illegible]
اور معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ ہوئی تھی [illegible]
کہ جو سورہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھتے تھے [illegible]
موجود ہے اس میں فرق ہے؟

اس قسم کے بے تکے کتنے الزامات کا جواب دے سکیں گے۔

پہلے کہتے تھے قرآن ورقہ بن نوفل لکھ کر دیتے تھے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل کا پہلی وحی کے بعد ہی انتقال ہو گیا مگر قرآن اس کے بعد بھی 23 سال تک نازل ہوتا رہا۔

پھر ایک شاعر پکڑ لائے کہ امرؤ القیس کے کلام سے چوری شدہ ہے۔ [illegible] میں جواب لکھ چکا۔ قرآن کا جو کلام انسانی لگتا ہی نہیں اور یہ بھی نہیں [illegible] کہنا نے یہ دعویٰ کر دیا کہ یہ امرؤ القیس کا کلام ہے۔

ان کا ایک یہ کہنا تھا کہ موجودہ کعبہ جو مکہ میں ہے وہ ایک فراڈ ہے۔ [illegible] پھر اصل ہوا کرتا تھا۔ یہ مکہ کیسے آ گیا؟

بعض اعتراض ایسا احمقانہ ہے کہ اعتراض کرنے والے کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگتا ہے۔ اس اعتراض کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ مینار پاکستان تو [illegible] لوگ لاہور کیسے لے آئے؟ [illegible] لوگوں سے کوئی [illegible] امریکہ والے سارے کے سارے [illegible] مینار پاکستان [illegible] دوسرے نے دوسری طرف سے۔ اس طرح [illegible]

آئے۔ اور لاہور لا کر کیلیں ٹھوک کر فٹ کر دیا۔ جاؤ تم لوگوں سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔

جب اعتراض ہی اتنا احمقانہ ہو تو بندہ اس کا کیا علمی جواب دے؟ میرے پاس تو پھر اسی قسم کا جواب ہے۔

پھر کہتے ہیں اس قرآن میں جو سائنسی علوم ہیں وہ قدیم یونانیوں سے کاپی شدہ ہیں۔ اس میں بھی منہ کی کھائی کہ قدیم یونانیوں کے سائنسی عقائد اور قرآن کی سائنس میں فرق ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ بچارے کافر کریں کیا۔

دنیا کا کوئی بھی انسان ہو وہ کسی ایک علم پر مکمل عبور رکھتا ہوگا۔

امرؤ القیس سے آپ شاعری کروا لیجئے مگر اس کو سائنس کا نہیں پتہ ہوگا۔

آئن اسٹائن سے فلکیات کی سائنس کا پوچھ لیجئے مگر اسے طبی سائنس کا نہیں پتہ ہوگا۔

کسی طبیب کو انجینئرنگ سے متعلق معلومات نہیں ہوں گی۔

یعنی دنیا کا ہر شخص کسی ایک علم میں عبور رکھتا ہے تو دوسرے علم میں مار کھا جاتا ہے۔

مگر قرآن؟

یک ایسی کتاب جو اپنے حسنِ کلام سے بڑے بڑے کلام لکھنے والوں کو شرما دے، طبی سائنس پر بات کرے تو اچھے بھلے پڑھے لکھے ڈاکٹرز حیران رہ جائیں۔ پھر ٹیکنیکل سائنس، فلسفہ، قدیم واقعات، غیب کی خبریں غرض قرآن جس موضوع پر بات کرتا ہے اس موضوع پر علم رکھنے والے بڑے سے بڑا عالم اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اس سا علم اور مثال ہی نہیں ملتی۔

تو کیا یہ سب کچھ ایک انسان نے اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا؟ وہ بھی ایک ایسے شخص نے جو لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتا؟ بس ادھر ادھر سے سن کر؟ ایسے کسی دوسرے انسان

کی مثال تاریخ میں ہمیں ملتی ہے جو ایک وقت اتنے [illegible]
آئن اسٹائن شاعرانہ کلام لکھنے پر بھی عبور رکھتا تھا؟

سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سارا علم کب اور کہاں سے حاصل کیا؟

غار حرا میں چند دن کا توشہ لے کر جاتے تھے۔ توشہ ختم ہوتا تھا تو واپس آ جاتے تھے۔ یعنی یہ غیر حاضری اتنی طویل نہیں ہوتی تھی جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ملک سے باہر علم حاصل کرنے چلے گئے۔ اونٹوں کا دور تھا کون سے ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے تھے۔

یہ کافروں کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔

قرآن جتنے علوم کی بات کرتا ہے ان تمام علوم کو کسی انسان سے منسوب کرنا ایک سپر نیچرل شخص تسلیم کرنے کے مترادف ہے جس کی کوئی دوسری نظیر ہمیں آج تک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ [illegible] کا امکان ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ اسے اللہ کا رسول تسلیم کر لیا جائے۔

o

طلاق کا اختیار

ملحدین اعتراض کرتے ہیں کہ نکاح بیوی اور مرد کے رضا سے ہوتا ہے تو طلاق کا
اختیار صرف شوہر کو کیوں؟؟؟؟

جواب۔ یہ سچ ہے کہ اسلام عورت کو براہ راست طلاق کا اختیار نہیں دیتا۔ مگر
خلع کی راہ دکھاتا ہے۔ جس کے مطابق عورت اگر اپنے شوہر کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو
عدالت سے رجوع کرکے علیحدگی کی درخواست دے سکتی ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی یہ بھی پائی
جاتی ہے کہ عدالت کے فیصلے کے باوجود اگر مرد طلاق نہ دینے پر اڑ جائے تو طلاق واقع
نہیں ہوتی یا عدالت مرد کو مجبور کرے گی کہ وہ طلاق دے۔ عدالت کی ایسی کوئی مجبوری نہیں
ہوتی۔ عدالت کے فیصلے کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے طلاق واقع ہو جائے گی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ نکاح عورت اور مرد کے درمیان جنسی تسکین حاصل کرنے
[illegible] پیدا کرنے کے لیے کیے جانے والے ایک شرعی معاہدے کا نام ہے۔ اس
[illegible] کیے جائیں گے تاکہ معاشرے میں نہیں یہ قانونی حیثیت حاصل
[illegible] معاشرے ہی کی عدالت اس رشتے کو باطل قرار دے تو وہ باطل ہو
جائے گا۔

[illegible] جنسی تسکین [illegible] میں جنسی جذبہ ہے چونکہ خود خدا کے ہی پیدا کردہ ہیں [illegible] جنسی آزادی [illegible] جانوروں کی طرح انسانوں [illegible] جنسی تعلق قائم رہے اور پھر [illegible] ایک رات کیسے [illegible]

کے حال پر بے یار و مددگار چھوڑ کر اگلی رات دوسری خاتون کا انتخاب کر لینا اسلام میں جائز نہیں۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی وجہ صرف باپ کا تعین ہے۔ لہٰذا آج کے کم علم ڈی این اے کی دریافت کو نکاح کا متبادل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ معاملہ صرف باپ کی شناخت تک محدود نہیں بلکہ تاحیات اس تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے اور اس کی ماں کے تمام حقوق تک جاتا ہے۔

جو خاتون اپنی ایک رات کی قیمت خود مقرر کرتی ہے وہ ایک لحاظ سے اپنے آپ کو بہت سستا بیچنے پر مجبور ہوتی ہے۔ کیوں کہ جو بھی قیمت وہ وصول کرے گی وہ اس کے پیدا ہونے والے بچے کی اور اس کی تاعمر کفالت کے لیے کافی نہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ پیدا ہونے والے بچے کے پیدا ہونے سے پہلے قتل کی صورت میں ہی نکلے گا۔

اسلام نکاح کے قانون کی صورت میں اس شیطانی قتل و غارت گری کا خاتمہ کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تعلق کو ختم کرنے کا اختیار براہ راست عورت کے پاس کیوں نہیں؟ اسے کیوں عدالت میں جانا پڑے؟

اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی تو یہ کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔ عورتوں کی یہ فطرت مشرقی معاشرے سے خاص نہیں بلکہ دنیا کے ہر معاشرے کی عورت کی یہ فطرت ہے۔ بہت کم خواتین ہوتی ہیں جو اپنی اس خامی پر قابو پاتی ہیں ورنہ اکثریت کی قوت فیصلہ [illegible] تک ساز گار نہیں ہوتی۔ کاروبار کوئی نہیں۔ نوکری کر نہیں سکتیں۔ [illegible] سے طلاق لے لی ہے۔ تو اس کے بعد کیا ہو گا؟ یہاں معاملہ یہ بھی نہیں کہ [illegible] کیونکہ خواتین کا مستقبل محض محبت کی [illegible] پر ہوتا ہے۔

[illegible]

ے جذبات کے تحت محبت کرنے والی عورت مرد سے بھی اسی قسم کی محبت کی امید رکھتی ہے۔
مرد میں محبت کا یہ انداز فطری طور پر موجود ہی نہیں ہوتا۔ مرد کی محبت کا انداز صرف یہ ہے
کہ وہ کفالت کرتا ہے۔ فطرتاً کمزور عورت کو معاش کی مشقت سے بچاتا ہے۔ اکیلا کماتا
ہے، سارے کنبے کو کھلاتا ہے۔ ان کے کپڑے، تعلیم و تربیت اور بہتر آسائش زندگی کا خیال
رکھتا ہے۔ اس کی جان کی حفاظت عزت کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک دینے سے گریز
نہیں کرتا۔ یہ تمام سہولیات عورت کو صرف نکاح کے سائبان تلے ہی ملتی ہیں۔ ایک رات
کے تعلق میں یہ سہولیات میسر نہیں۔

پھر یہ بھی معاملہ ہے کہ مرد پر صرف اپنے بیوی بچوں کی کفالت فرض نہیں بلکہ اس
کے ماں باپ، بہن بھائی اور معاشرے کے کچھ دیگر افراد کی بابت بھی اس پر کچھ ذمہ داریاں
عائد ہوتی ہیں، جو بطور بیوی خواتین کے لئے کبھی قابل قبول نہیں ہوتیں۔

مغربی معاشروں میں تو ماں باپ کے جھنجٹ سے جان چھڑا لی جاتی ہے۔ مگر
اسلامی معاشروں میں ماں باپ کو جھنجٹ نہیں سمجھا جاتا بلکہ تقدیس کی جاتی ہے۔ لہذا ان
تمام ذمہ داریوں کے ساتھ میاں بیوی کے رشتے کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے یہ
ضروری ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کے پاس ہو۔

پھر طلاق کے اختیار کا تعلق طاقت سے بھی ہے۔ بغیر طاقت کے اختیار کی بات
محض ایک مذاق ہے۔ مجھ سے ایک خاتون نے پوچھا تھا کہ اسلام شوہر کو بیوی کی
[illegible] پٹائی کا اختیار دیتا ہے۔ یہی اختیار بیوی کے پاس کیوں نہیں؟ میں نے جواب دیا
[illegible] میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ کا جب دل چاہے اپنے شوہر کی
[illegible] کر لیں تو کہنے لگیں کہ اس کو ماروں گی تو وہ مجھے چھوڑ دے گا؟

[illegible] سوال کا حل تو میرے پاس نہیں کہ مرد کے پاس اگر اختیار ہے تو اس اختیار پر
[illegible] سے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جبکہ خاتون کو اختیار دینے کے بعد وہ
[illegible] بیٹے پڑیں کہ آپ کا جب دل کرے اپنے شوہر کی پٹائی لگوائے تو [illegible]

[illegible] نے جنسی خواہشات کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔

[illegible] جہاں طلاق دینے کا اختیار عورت سے [illegible]
[illegible] کا مالک ہونے کے باوجود عورت کا حال [illegible]
[illegible] ہوگا۔

[illegible] کہا ہے۔

مرد اپنی مرضی سے طلاق دے گا تو تمام ازدواجی تعلقات ترک کردے گا۔ [illegible] ازدواجی تعلق قائم نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر عورت [illegible] اپنے شوہر کو طلاق دے دے اور اس کے فوراً بعد مرد اس سے ازدواجی تعلق قائم رکھنے [illegible] اس عمل کو عزت تمنا کہتے ہیں۔

[illegible] سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ [illegible] کے حامل ہونے [illegible] ان کا۔ [illegible] کے ہزاروں سالوں کے [illegible] اپنی [illegible] بات غیر منطقی۔

[illegible] پر بات ہوگی تو پولیس جنگ [illegible] سب ان سے [illegible]۔ میں نے کہا [illegible] بہت ضروری ہے۔ آپ اپنی تعلیمات [illegible] کروڑوں لوگوں کو [illegible] بنا دیں۔ پھر ان کی ایک [illegible] ان میں آپ کی اس [illegible] ایک کروڑ [illegible] کی جگہ خود [illegible]

○

طویل ترین روزے

روزے سے متعلق کچھ سوالات پوچھے گئے ہیں۔

ا۔ جن ممالک میں چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن رہتا ہے وہاں کے لوگ روزہ کیسے رکھیں؟ کیا افطار [illegible] نہیں توڑ کر [illegible] ایک [illegible] پڑ جاتے ہیں؟

۲۔ دوسرے [illegible] میں 22 گھنٹے کا روزہ ہے۔ [illegible] وقت صرف دو گھنٹے کا ہے اسی میں افطار، مغرب کی نماز، عشاء کی نماز، تراویح [illegible] اور [illegible] ان ملکوں میں کیا حکم ہے؟

جواب:

ان ملکوں میں جہاں چھ مہینے سورج غروب ہی نہیں ہوتا وہاں کے لوگ روزہ کیسے رکھیں [illegible] چھ مہینے تک [illegible] نہیں رہ سکتے۔

[illegible]

[illegible]

سوال ہمیشہ ممکن صورت حال پر بنتا ہے۔ جو صورت ہی ممکن نہیں اس پر سوال کا کیا مطلب ہے؟

اللہ کو علم ہے کہ دنیا میں کون سے خطے کا سورج کب ڈوبتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں شریعت کے عمومی احکامات واضح کر دیئے ہیں۔ بعض خصوصی معاملات کے لئے اجماع کی سہولت موجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اتنے طویل دن اور رات خط استوا پر ہوتے ہیں جہاں انسان کی رسائی ہی نہیں ہے۔ پھر وہاں زندگی کا وجود بھی ممکن نہیں۔ اگر کوئی کسی تحقیقی غرض سے وہاں گیا ہے تو اس پر تو ویسے بھی سفری احکامات کا اطلاق ہوگا۔ اور اگر وہاں چند لوگ کسی طریقے سے رہائش پذیر ہو بھی جائیں تو ان پر خصوصی احکامات کا اطلاق ہوگا کہ جس کے لئے اجماع کا راستہ موجود ہے۔

دوسرا سوال ناروے کے 22 گھنٹے طویل روزے کے متعلق ہے۔ وہاں کے لوگ اتنا طویل روزہ کیسے رکھیں گے؟ مغرب کی نماز پھر عشاء کی نماز پھر تراویح؟ یہ سب معاملات کیسے طے ہوں گے؟

سوال کرنے والا شاید واقف نہیں کہ پچھلی امتوں پر جو روزہ فرض تھا وہ 24 گھنٹے کا ہی ہوتا تھا۔ بیچ میں صرف ایک کھانے پینے کا وقفہ ہوتا تھا اس کے بعد اگلا روزہ شروع۔ لوگ وہ روزہ بھی رکھتے تھے۔ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ امت مسلمہ کے لئے اس نے نماز بھی پچاس سے گھٹا کر پانچ کر دی ہیں اور روزہ کا دورانیہ بھی کم کر دیا۔ لہٰذا 22 گھنٹے کا روزہ ناقابل عمل تو نہیں ہے۔ زیادہ مشقت پر اعتراض کیا جا سکتا ہے تو اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ روزہ مشقت والی عبادت ہے۔

آگے چلیے۔

نماز تراویح کیسے پڑھیں؟

[illegible] کی وجہ سے اب رائج ہے کہ رمضان میں جس طرح روزہ [illegible]

ہے اس طرح شاید تراویح بھی فرض ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف
تین دن تراویح پڑھی اس کے بعد جماعت کو چھوڑ دیا۔ ایک صبح کو فرمایا کہ مجھے
معلوم ہے کہ تم لوگ رات نماز پڑھنے کے شوق میں مسجد میں موجود ہو گئے مگر میں اس خیال
سے باہر نہ آیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے۔

جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کریں اور کبھی چھوڑ دیں اس کو سنت غیر
مؤکدہ کہا جاتا ہے۔ آپ اسے پڑھ بھی لیتے تھے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ رمضان میں ختم قرآن
ختم کرنا ضروری ہے نہ کہ اسے پورے تیس دن پڑھتے رہنا ضروری اس میں کمی
زیادتی نہیں ہے۔ یہ تو ثواب ہے جو جتنا کرے کما لے۔ معلوم رہے کہ رمضان میں
عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے لہذا صحابہ کرام نے اس کے لیے خصوصی اہتمام
فرمایا تھا۔

بعض علاقوں میں جن کے پاس افطار کا وقت صرف دو گھنٹے کا ہوتا ہے وہ اس
میں صرف افطار کریں گے اور مغرب کی نماز پڑھیں گے۔ پھر جب دن بڑا ہو جائے تو
جتنی قضا ادا کر لی جائے اور آگے روزے کی تیاری۔ اگر افطار و سحر میں کل دو ہی گھنٹے
ہوں تو ان میں سے صرف ایک ہی کی ضرورت پیش آئے گی۔ یعنی یہ کوئی اتنا مشکل مسئلہ نہیں
جو حل نہ ہو سکے۔

قرآن و حدیث میں جو احکامات دیے جاتے تھے وہ عمومی طور پر اکثریت کے
لئے ہوتے تھے۔ اگر کوئی اقلیت اس میں اپنی بات عرض پائے تو اس کے لیے اجتہاد
ضروری ہوتا ہے۔

○

کیا اسلام اللہ کا دین ہے؟

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور جہنم نفسانی خواہشات سے ڈھکی ہوئی ہے۔" (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ [illegible])

اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے کے لیے جو کام کرنا ضروری ہے وہ انسانی نفس پر بھاری ہوتا ہے اور جہنم میں جانے کے لیے نفس کی [illegible] کافی ہے۔

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام کوئی آسمانی مذہب نہیں بلکہ [illegible] جس نے ایک [illegible] کو اور پھر پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ [illegible] عقل و شعور کے [illegible] ہیں۔

سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام اپنے متعلق کیا [illegible] ہے۔

[illegible] حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کہ اس کو [illegible]

"آج سے 1400 سال پہلے [illegible]"

گھر میں تین دن چولہا نہیں جلتا تھا۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
کوئی سال ایسا نہیں گزرا جب آپ کو زکوٰۃ ادا کرنی پڑی ہو۔ بلکہ [illegible]
آپ کا تو رات گزارنی بھاری ہو جاتی جب تک اس مال کو تقسیم نہ کر دیتے۔ [illegible]
اس کا حل نہ تھی جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ تو وہ مال جمع کرنے کے لئے [illegible]
تخلیق کیا گیا۔

اب آجائیے جسمانی فوائد پر۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں گیارہ نکاح فرمائے۔ [illegible]
پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسے فائدہ تصور کیا جائے تو کیا اس فائدے کے حصول کی [illegible]
صورت تھی ہی نہیں۔ عرب معاشرے میں کثرت ازدواج اور لونڈیوں سے [illegible]
حصول تو پہلے سے موجود تھا۔ اور اس کے لئے کسی قسم کی پابندی بھی نہ تھی۔ دین تو [illegible]
بیوی کی حاجات اور ضروریات پوری کرنے کا پابند بناتا ہے جبکہ [illegible] میں جو [illegible] پہلے
موجود تھے ان میں بغیر کسی پابندی کے اس سے کہیں زیادہ خواتین سے تعلق [illegible]
سکتا تھا۔ تو پھر کسی دین کی تخلیق کیوں ضروری تھی؟ یہ بات عقل و شعور کے معیار پر کسی
پوری نہیں اترتی۔

○

معاشرتی زاویہ

معاشرتی زاویے سے اگر دیکھیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے سب سے معزز قبیلے قریش کے معزز خاندان بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ جو پوری دنیا کے مذہب کی عبادت کا مرکز تھا کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ لہٰذا اگر اس مناسبت سے بھی جائزہ لیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت سے کوئی ایسا دنیاوی فائدہ حاصل نہیں ہوا جس کو ان کے اعلانِ نبوت کا سبب قرار دیا جا سکے۔ بلکہ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ان کی سیدھی سادی اور آسان زندگی ایک مشکل ترین زندگی میں تبدیل ہو گئی۔

اب ہم سارے معاملے کا ایک دوسرے پہلو سے جائزہ لیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کوئی نیا عقیدہ یا کوئی نیا دین دنیا میں متعارف کرواتا ہے اور اس کی خواہش ہو کہ اس کے بتائے ہوئے دین کو زیادہ سے زیادہ لوگ اپنائیں تو اسے کن باتوں کو دیکھنا چاہیئے؟

1۔ اس دین میں امراء کو شامل کرنا چاہیئے اور غرباء کے لئے بھی کچھ سہولت ہونا چاہیئے۔

مگر دینِ اسلام کو شروع میں اپنانے والوں میں غرباء کی کثرت تھی۔

ایک حدیث کے مطابق ایک صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ [illegible]
کس سے شدید محبت ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب فرمایا۔ [illegible]

کہاں سے لائے گئی تھی؟

(۲) اور جن لوگوں نے [illegible] انہوں نے بغاوت کی شروعات [illegible] پھر [illegible]

یہ لوگ 313 مسلمان تھے جو ساری دنیا پر [illegible] 313 [illegible]

[illegible] ہتھیار یعنی تلواریں صرف 10 افراد کے پاس تھیں۔ [illegible]

[illegible] اور کچھ ایسے تھے جو بالکل خالی ہاتھ تھے۔ اور جن لوگوں سے مقابلہ تھا وہ ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس تھے۔

اگر میں یہ فرض کروں کہ ان تمام لوگوں کو [illegible] میں لایا گیا تھا تو اس بات کی ضمانت کس طرح دی گئی کہ [illegible] ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس تھے [illegible] کیا کوئی ایک بھی [illegible] اور پھر بعد میں جو [illegible] کے چار خلفائے راشدین میں ایک ہی [illegible] حضرت [illegible] ان کے دور خلافت میں [illegible]

ظلم و ستم کی انتہا۔ وہ اہل اسلام [illegible] جس نے [illegible] ظلم کے پہاڑ توڑ دیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا [illegible] قبول اسلام۔ حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ [illegible]

[illegible] رضی اللہ عنہ [illegible] کیا جرم تھا؟

ہمارے اللہ کے رسول کی تیرہ سالہ تبلیغ میں کتنے صحابہ اور صحابیات شہید ہو گئے۔ ان کا جرم کیا تھا؟

عمار بن یاسرؓ کی ظلم و ستم کی انتہا کر دی تھی۔

یہ تھے وہ انعام و اکرام جو اسلام قبول کرنے سے فوراً ملا کرتے۔ کیا خاصیت تھی اس پیغام میں کہ جو اسے قبول کرتا وہ جل مرنے کو تو راضی ہو جاتا مگر دین چھوڑنے پہ کسی طور راضی نہ ہوتا؟

ہدایات کیا تھیں؟

صبح صبح سخت سردی میں اپنی نیند خراب کر کے اٹھو اور ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے (غسل یا) وضو کر کے نماز پڑھو۔ پھر یہاں بات ختم نہیں ہوتی۔ دوپہر ہو تو دوبارہ ظہر کی نماز ادا کرو۔ سہ پہر کو، پھر شام کو اور رات کو جب نیند اپنے عروج پہ ہو تو نماز ادا کر کے سو جاؤ۔ پھر آدھی رات گزرنے پر دوبارہ اٹھ کر تہجد کی چھٹی ہے۔ رمضان میں فجر سے لے کر مغرب تک نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے۔ حج کرتا ہے۔ پرائی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ اپنے کمائے ہوئے مال سے غریبوں کا حصہ زکات یا صدقات کی صورت میں نکالتا ہے۔ شراب جیسی نشہ آور چیز جس میں عرب گھٹنوں گھٹنوں ڈوبے ہوئے تھے اسے یکسر چھوڑ دیتا ہے۔ غرض ہر وہ کام جو انسان کی خواہش ہوتا ہے۔ جس میں اس کی تمام تر دلچسپیوں کا سامان ہوتا ہے۔ اسے چھوڑنا ہے اور ہر وہ کام جو تکلیف دہ ہے۔ نفس کے خلاف ہے اسے اپنانا ہے۔ بدلے میں ملے گا کیا؟ جنت۔ کب؟ مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تب۔ اور اس زندگی میں؟ صرف تکالیف اور مصائب۔

کیا کوئی جادو تھا جس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا جا سکتا تھا؟ کیا آج کوئی ایک بھی کاروباری شخص مجھے اس قسم کے جادو پہ اپنی کوئی پروڈکٹ مارکیٹ میں متعارف کروا سکتا ہے؟ ہم سے تو روح و دماغ بھی نہیں بکتی جب تک اس میں ایک دو خوبصورت لڑکی نہ دکھائیں۔ تو یہ کیسا دین تھا جس نے عورت کو ... ہے

علامت دورِ حاضر کی دنیا کا کامیاب ترین انسان؟

اور اگر اب بھی کسی کو شک ہے کہ یہ خالق حقیقی کی بجائے کسی انسان کا ہے تو وہ سورۃ دوبارہ کر دکھا دے۔ یعنی اشارہ کا وہ علم کہ جس وقت اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد مٹھی بھر کے برابر بھی نہ تھی اس وقت یہ بات ثبت کر دے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۳)

"یعنی پہلے سے پیش گوئی کر دی گئی کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں گے"

یہ کتاب دنیا کے سامنے رکھی اس کا ہر حرف [illegible] یعنی سب سے زیادہ ثابت ہونے والا۔ کیسا پتہ تھا نزول قرآن کے وقت کہ یہ کتاب دنیا کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب بن جائے گی؟ قرآن کا خالق پہلے سے پیش گوئی کر دیتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہو گی۔ کیسے؟ کوئی سائنس ہے جس سے پتہ چلے۔ [illegible] ہے اور قرآن خدا کی جانب ہے کسی انسان کی طرف سے [illegible] ہے۔

○

متقین اور فاسقین

سورۃ البقرہ آیت نمبر 1 اور 2

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
الم یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ کلامِ خدا ہے۔ خدا سے)
ڈرنے والوں کی رہنما ہے۔"

سورۃ البقرہ آیت نمبر 26

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا
الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

"خدا اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی
مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔ جو مومن ہیں، وہ یقین کرتے ہیں وہ اس کے
پروردگار کی طرف سے سچ ہے۔ جو فاسق ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کی مراد ہی کیا
ہے۔ اس مثال سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور گمراہ بھی کرتا تو
نافرمانوں ہی کو (۲۶)"

ملحدین نے قرآن میں ایک تضاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن مجید سورۃ نحل آیت نمبر 66 اور 67 کے مطابق شراب کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت قرار دے رہا ہے جبکہ بعد میں اسے ام الخبائث قرار دے دیا گیا۔ کیا خدا کو پتہ نہیں تھا کہ بعد میں شراب کو حرام کرنا ہوتا ہے؟ (معاذ اللہ)۔

پہلے آیت پڑھ لیں۔

سورۃ نحل آیت نمبر 66-67

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾

"اور تمہارے لیے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت (و غور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے (۶۶) اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو کہ ان سے) شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کے لیے ان (چیزوں) میں (قدرت خدا کی) نشانی ہے (۶۷)"

ان آیات کی بابت ملحدین کا اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنے بندوں کو [illegible] ان کے لیے چوپائے دودھ، انگور، کھجور [illegible] جس سے وہ شراب بناتے [illegible] بناتے ہیں۔ یعنی گویا اس میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے۔

[illegible] سا جواب [illegible] ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن [illegible] میں عقلمندوں کے لیے نشانی ہے تو [illegible] آیت [illegible] میں پہلے بھی [illegible] کر چکا ہوں کہ [illegible] ہوتا ہے۔

اس آیت کی تشریح اتنی مشکل نہیں ہے مگر لوگوں نے اسے ...

تنازعہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو گنوایا ہے ...

تھے۔

دودھ کی نعمت

چوپایوں کی نعمت

شراب کی نعمت

کھجور اور انگور کی نعمت

رزق کی نعمت

اور بس؟

مگر سید ابو حسن صاحب دو چیزیں بھول گئے جن کا آیت میں تذکرہ ہے۔

گوبر اور لہو۔

ان کو کیوں نہ ڈالا نعمتوں میں جناب؟

جب شراب کو نعمتوں میں زبردستی فٹ کر دیا تو گوبر اور لہو کو بھی فٹ کر دیا جاتا۔
کوئی بات نہیں۔ شرم آ گئی ہوگی۔ یا پھر اعتراض کا مدعا بگڑتا ہوگا۔

شرم آنے کے امکانات تو کم ہیں۔ اعتراض کا مدعا ہی اصل وجہ ہوگی۔

بہر حال پہلے آیات پڑھ لیں۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا نہیں بلکہ اپنی قدرت کے اس کمال کا ذکر کر رہا ہے کہ جس میں ناخوشگوار چیزوں سے خوشگوار چیز وجود میں آ رہی ہے۔ اور ناخوشگوار چیزوں سے خوشگوار چیز۔ اسی لیے اسے عقلمندوں کے لیے نشانی کہا گیا ہے۔

گوبر اور لہو جیسی ناخوشگوار چیزوں سے دودھ الگ کر کے وجود میں آ رہا ہے ... جیسی پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ جبکہ اس کے برعکس کھجور اور انگور ... یا ...

ذکر رہا ہو میں آ رہی ہے جو شراب جیسی حرام اور ناپاک ہے۔

اس طرح کی مثالیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ دے رکھی ہیں۔

سورہ یونس آیت نمبر 31 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (۳۱)

"(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے۔ جھٹ کہہ دیں گے کہ خدا۔ تو کہو کہ پھر تم (خدا سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ ۳۱"

اب یہاں بے جان سے جاندار کو نکالنا اور جاندار سے بے جان کو نکالنے کی مثال دی جا رہی ہے۔ یہ مثالیں اس لیے دی جاتی ہیں کہ سائنس والے انسان اس کو سمجھ سکیں۔

اس آیت میں کوئی تضاد نہیں بس لفظوں کے ہیر پھیر سے تضاد پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر جو ایک اہم اعتراض ملحدوں نے کیا اس کی وضاحت سب سے ضروری ہے۔

"اعتراض یہ ہے کہ کیا خدا کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے کلام کو ایسے طریقے سے نازل کرتا کہ سب اس کو ایک جیسا سمجھ پاتے اور کوئی تنازعہ نہ ہوتا"

قرآن کو سمجھنے کے لیے انتہائی آسان اتارا گیا ہے۔ خالی ذہن سے اسے پڑھنا چاہیے۔

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا

"ان کے دلوں میں بیماری ہے اور اللہ نے ان کی بیماری کو اور زیادہ کر دیا"

زبردستی کسی کے حلق سے قرآن اتارنا اللہ کی حکمت نہیں ہے۔ آپ کو عقل دی گئی ہے اور آپ کے سامنے حق رکھ دیا گیا ہے۔ باقی کام آپ کا اپنا ہے۔ عقل والی مخلوق بھی اگر اس قسم کے سوالات شروع کر دے کہ ہم سے زبردستی نیک کام کروا لیے جاتے اور اللہ تعالیٰ بزور طاقت ہمیں برے کاموں سے روک دیتا تاکہ دنیا میں برائی نہ ہوتی بلکہ اچھائی ہی اچھائی ہوتی اور سب جہنم سے بچ جاتے اور جنت میں چلے جاتے۔ تو یقیناً ایسا ہو سکتا تھا مگر پھر اس کے لیے صاحب عقل انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ جتنے انسان ہیں ان کی جگہ اتنے ہی گدھے پیدا کر دیے جاتے؟ ان کو باگیں ڈال کر چلایا جاتا؟

انسان کو صاحب عقل، صاحب اختیار اور صاحب شعور پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسے بتایا ہے اس کی ہدایت کا سامان پیدا کیا گیا ہے۔ اس عقل کے بعد آخری فیصلہ اور اختیار اس کو دیا گیا ہے۔ اب جو فیصلہ وہ کرے گا اس کا تعلق اس کی عقل کی خرابی سے نہیں نیت کی خرابی سے ہوگا۔

آپ قرآن میں ہدایت ڈھونڈیے قرآن آپ کے لیے موجب ہدایت ہوگا۔ کوئی قرآن میں خامیاں تلاش کرے۔ قرآن اپنی خوبیوں کو خامیوں کے روپ میں پیش کر کے اس کے سامنے بھی پیش کر دے گا۔ مگر جب وہ اس کو خامی سمجھ کر دنیا کے سامنے پیش کرے گا تو اندازہ ہوگا کہ درحاصل اس میں ذلت اور بھٹکنے کا سامان تھا اور گمراہی تھی۔

یہی وہ بات ہے جو میں نے تحریر کے بالکل آغاز میں وہ قرآنی آیت کی صورت میں بیان کی۔ جس کی ابتدا میں ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ کی بات کی گئی کہ یہ متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ مگر وَمَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ کہہ کر یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ گمراہ صرف فاسقوں کو کرتا ہے۔

ن

مچھر کی مثال

القرآن - سورۃ البقرہ، آیت نمبر 26

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا
الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ
مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا
الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

"اللہ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ مچھر یا اس سے بڑھ کر کسی چیز کی مثال بیان فرمائے۔ جو مومن ہیں، وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے پروردگار کی طرف سے سچ ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کی مراد ہی کیا ہے۔ اس سے (خدا) بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا تو نافرمانوں ہی کو۔"

[illegible]

* [illegible]

مچھر اس کے لیے ہمارے جسم کی گرماہٹ کا سہارا لیتا ہے۔ [illegible] سے سانس
سے خارج ہونے والی کاربن ڈائی آکسائیڈ سے بھی مدد لیتا ہے۔ مچھر کا [illegible]
ہوتا بلکہ اس کا بھی ایک معیار مقرر ہے۔ [illegible] جسم جو گرماہٹ [illegible]
علامات خارج کرتا ہے اس میں مچھر کی مرضی کی وہ تمام معلومات ہوتی ہیں جن کی مدد سے وہ
فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے کسے کاٹنا ہے اور کسے نہیں۔ انسان مرد ہے یا عورت۔ اس نے
رات کو کیا کھایا ہے۔ اس کا وزن کیا ہے۔ مچھر کو سب کاٹنے سے پہلے پتہ ہے

اس کے کاٹنے کی تکنیک بھی عجیب ترین ہے۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کا ایک ڈنک ہوتا ہے جسے وہ انسانی جسم میں
پیوست کرکے خون چوس لیتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے پاس چھ سوئیاں ہوتی ہیں
جن میں سے ہر ایک کو اس کا کام پتہ ہے۔ پہلی دو سوئیاں جو جسم میں پیوست ہوتی ہیں ان کے
آخری سرے پر دندانے بنے ہوتے ہیں جو جسم میں [illegible]
سوئیاں قینچی کی طرز پر کام کرتی ہیں جو کام ہو جانے تک کھال کو دونوں اطراف ہٹانے سے
روکے رکھتی ہیں اگلی دو سوئیاں کو کھلا [illegible] کام کرنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ اگلی دو سوئیوں
میں سے ایک سوئی کیمیکل جسم میں داخل کرتی ہے۔ ان کیمیکل کا کام اس جگہ کو سن کرنا
[illegible] ہے۔ خون کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ہوا سے معمولی سا رابطہ اس کو جما
دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ یعنی جس رگ میں سوئی داخل ہوتی ہے اس رگ میں خون کا
جانے سے روک دیا جاتا ہے۔ مچھر اس کا بھی خیال رکھتا ہے وہ اس کے لیے بھی کیمیکل
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] میں [illegible] داخل کرتا ہے جو اس کی ہلاکت کا سبب بن سکے ہیں۔ اس طرح [illegible] جس کے جراثیم جسم میں داخل ہونے سے [illegible] انسانی [illegible] کرنے میں صرف چند منٹ لیتے ہیں۔ ایک خطرناک بیماری ڈینگی [illegible] مچھر کے کاٹنے سے ہو سکتی ہے۔

اس چھوٹی مخلوق کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جس سائنس نے اس قدیم کیڑے کے متعلق یہ سارے انکشافات کیے ہیں وہی سائنس اس مچھر کی پیدائش کو حادثاتی قرار دیتی ہے۔

کیا ان تمام خصوصیات کا ایک کیڑے میں بغیر کسی خدا کے خود بخود تخلیق ہو جانا ممکن ہے؟

○

بغیر ماں باپ کے معجزاتی پیدائش پر اعتراض

ملحدوں نے کچھ اعتراضات کیے ہیں۔

1۔ حضرت آدم کس سائنسی اصول یا قانون کے تحت مٹی کے پتلے [illegible] سے زندہ ہو گیا؟

جواب۔ سادہ سا جواب ہے۔ کسی سائنسی اصول کے تحت نہیں۔ [illegible] مٹی میں جان ڈالنے کے لیے سائنس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ [illegible] حکم سے ہو جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اعتراض کر کون رہا ہے؟ سائنس [illegible] کے پاس اس قسم کے سوال کرنے کا [illegible]۔

[illegible]

سیلز کے ملاپ سے یک خلوی جرثومہ زندہ ہو گیا اسی سائنسی اصول پر حضرت آدم علیہ السلام بھی زندہ ہو گئے۔

آگے چلیئے۔ اگلا سوال ہے۔

2۔ بی بی حوا کس سائنسی اصول یا قانون کے تحت ایک مرد یعنی حضرت آدم کے پہلی سے پیدا ہو کر دنیا میں نمودار ہوئی تھی؟

جواب۔ پچھلے جواب کی روشنی میں اس کا جواب بھی وہی ہو گا۔ اللہ نے ہر جاندار جوڑوں میں بنایا ہے۔ لہذا جس سائنسی اصول پر آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی سائنسی اصول پر حوا علیہ السلام بھی پیدا ہوئیں۔

اب چلتے ہیں اگلے سوال پر جس پر سب سے زیادہ بحث ہے۔

3۔ سبکو پتہ ہے کہ مردوں میں XY کروموسوم ہوتے ہیں اور خواتین میں XX سوال یہ ہے کہ کنواری بی بی مریم کو جو حمل ٹھہرا اس سے بعد میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یعنی ایک ایسا انسان جو کہ XY کروموسوم کے ملاپ سے وجود میں آیا۔ مجھے وہ سائنسی اصول یا قانون بتائیں جس کے تحت کسی انسانی خاتون میں بغیر کسی Y کروموسوم کے کوئی male بچہ پیدا ہو سکتا ہے؟

جواب۔ ارتقاء کی تاریخ اگر ہم پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ارتقاء کا آغاز یک خلوی جرثومے سے ہوا۔ یک خلوی جرثومے کی افزائش نسل کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو تقسیم کرتا تھا۔ اسے قطعاً قطعاً قطعاً جنسی اختلاط کا علم نہیں تھا۔ نہ اس نے کبھی اسے استعمال کیا۔ پھر وہ یک خلوی جرثومہ ترقی کر کے پودہ بن گیا۔ اب اس نے افزائش نسل کا ایک نیا طریقہ سیکھ لیا جس کا نام جنسی تولید۔ کہاں سے سیکھا؟ سائنس کی پتہ " اس پودے کو بھی قطعاً قطعاً جنسی اختلاط کا علم نہیں تھا۔ نہ اس نے کسی پر طریقہ استعمال کیا۔ یک دم سے آ کر جاندار کا تقسیم والا طریقہ بھی بدل گیا۔ پھر یہ پودا ترقی کر کے آبی جاندار میں تبدیل ہوا۔ یہاں سے جنسی اختلاط سے پہلی بار روشناس ہوا۔ یعنی زندہ مادہ میں جنسی اختلاط۔ یاد رہے پہلے آپ کو بتا

سے پہلے اس کرۂ ارض پر کبھی کسی نے جنسی اختلاط نہیں کیا تھا۔

اب میرا سوال بڑا سادہ سا ہے۔

جس پہلے جاندار نے پہلی بار جنسی اختلاط کا طریقہ استعمال کیا اس کی اپنی پیدائش میں Y کروموزوم استعمال ہوئے یا نہیں؟

جواب بھی بڑا سادہ ہے۔

جی نہیں۔

اس کے ماں باپ پودے تھے جو جنسی اختلاط نہیں بلکہ جنسی تولید کا طریقہ استعمال کیا کرتے تھے۔

بغیر Y کروموزوم کے استعمال کے بغیر ایک جاندار وجود میں آچکا تھا۔ اور یہ میں نہیں کہہ رہا۔ یہ ارتقائی نظریہ کہتا ہے۔ یعنی یہ سائنس ہے کوئی معجزہ نہیں۔ تو اگر سائنس کے مطابق ارتقائی نظریے میں بغیر Y کروموزوم کے ایک نر جاندار وجود میں آسکتا ہے تو حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر اعتراض کیسا؟

○

ہیلی اور ہپناٹزم لیجنڈ

ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش انسان میں ہمیشہ رہی ہے۔ بچپن میں ہم نے چھوٹی چھوٹی کہانیاں پڑھتے تھے کہ کسی نے آب حیات پی لیا اور وہ ہمیشہ زندہ رہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی عمر میں لاکھوں سال کا اضافہ کرلے تو اس دوران کسی بھی دن وہ موت سے ضرور دوچار ہو جائے گا۔

آج سائنس بھی اس ضمن میں تحقیق کر رہی ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بنا پر موت واقع ہوتی ہے۔ کیا ان پر قابو پا کر موت سے نجات ممکن ہے؟ سائنس چونکہ روح کا تصور نہیں رکھتی اس لیے اس تحقیق کا سارا دارومدار ان اعضاء کی شناخت پر مرکوز ہے جو موت کا سبب بنتے ہیں۔

طبی سائنس میں لکھا ہے اس کے مطابق جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس کو زندگی کا ماخذ قرار دیا جا سکے۔ جس کا دماغ صحت مند ہو وہ دل کے دورے سے بھی مر جائے گا۔ جس کا دل صحت مند ہو وہ دماغ کی شریان پھٹنے سے مر جائے گا۔ جس کے دل و دماغ دونوں صحت مند ہوں تو گردے فیل ہونے سے بھی موت واقع ہو سکتی ہے۔ پھیپھڑے خراب ہو جائیں تو سانس لینے کے عمل سے محروم ہو جاتے ہیں۔

خون کی کمی۔

جسم میں پانی کی کمی۔

اپنڈکس کا پھٹ جانا۔

شعور کا مجروح ہونا۔

اور پھر جسم کے تمام اعضاء صحت مند ہوں اور انسان کا بغیر کسی وجہ کے اچانک مر جانا۔ موت برحق ہے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق موت کا ایک دن مقرر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا دن متعین کر رکھا ہے۔ مائیکل جیکسن ڈیڑھ سو سال زندہ رہنا چاہتا تھا۔ مگر اللہ نے اس کی زندگی پچاس سال لکھی تھی۔ سو وہ کثیر مقدار میں رقم خرچ کرنے کے باوجود مر گیا۔

محمدوں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں پراجیکٹ بلو برین کی ایجادات بیان کی گئی تھیں۔ پراجیکٹ بلو برین کیا ہے؟

ایک ایسے دماغ کی ایجاد جو انسانی دماغ کے متبادل کے طور پر کام کرے گا۔ یعنی جتنی بھی معلومات ایک انسانی دماغ میں موجود ہیں انہیں ایک سپر کمپیوٹر میں اپ لوڈ کر دیا جائے گا جسے آپ بیک اپ کر سکتے ہیں۔

اب یہاں تک بات بالکل معمولی نوعیت کی ہے۔ کیوں کہ انسان کے پاس جو بھی علم موجود ہوتا ہے اس کو پہلے بھی کسی نہ کسی طور مرنے سے پہلے مختلف کتابیں لکھ کر یا نسل در نسل چلا کر محفوظ کیا جاتا رہا ہے۔ مگر اس پراجیکٹ میں اس بات پر بھی تحقیق کی جا رہی ہے کہ کسی طرح اس دماغ کو چلایا بھی جا سکے۔ یعنی وہ اسی طرح کام بھی کرے جس طرح اصل دماغ کام کرتا ہے۔

اس بات پر بھی تحقیق کی جا رہی ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں جو موت کا سبب بنتے ہیں۔ ان کا سد باب کر کے انسان کو ہمیشگی بخشی جا سکے۔

سید احمد حسنین کی تحریر کے مطابق انسان اس صدی کے آخر تک ہمیشہ زندہ رہنے کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔ اس کی مثال انہوں نے یوں پیش کی کہ ابتدائی زمانے میں انسان کی اوسط عمر 18 سے 20 سال ہوا کرتی تھی۔ بعد میں رفتہ رفتہ بڑھ کر پہلے 35 سے 40 ہوئی پھر 60 تک پہنچ گئی۔ اس دور میں انسان کی اوسط عمر 70 سال ہے۔ امید کی جا رہی ہے

[illegible] اور اس صدی کے اختتام تک انسان ہمیشگی پا لے گا۔

واضح رہے کہ یہ معلومات دین کے دیے ہوئے علم سے قطعاً مختلف ہے۔ دین اسلام اور دیگر تمام مذاہب کے مطابق پہلے زمانے میں انسان کی اوسط عمر زیادہ تھی۔ جو [illegible] 100 سے نیچے آ گئی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام بھی ایک طویل عرصے تک اس دنیا میں رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر قرآن کے مطابق ساڑھے نو سو سال تھی۔ اسی طرح احادیث کے مطابق پہلے وقتوں کی عمریں کافی طویل ہوا کرتی تھیں۔ پھر جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھا عمریں [illegible]

لوگ مذہب کے مقابلے میں سائنس کو اس لیے اہمیت دے بیٹھتے ہیں کہ [illegible] سائنس کی جدید ترین مشین میں کسی مردے کی ہڈی ڈالی جائے تو دوسری طرف سے پرچہ باہر آتا ہے جس میں اس شخص کی تاریخ پیدائش تاریخ وفات [illegible] لکھا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ یہ صرف اندازے اور مشاہدے ہوتے ہیں [illegible] غلطی کا امکان موجود رہتا ہے۔

سائنس کا دعویٰ یہ ہے کہ انسان نے علم طب میں بہت ترقی کر لی ہے اور انسانی [illegible] کی پلاسٹک کاپی تیار کر لی ہے جو اصل کا بہترین متبادل ہیں۔ اب [illegible] پیچیدہ و مخفی ہونے کی وجہ سے انسان اب تک بنا نہیں پایا۔ [illegible] ہے وہ آپس میں ایک مخصوص ترتیب سے جڑے [illegible] کہ معمولی سی تبدیلی نہ صرف دماغی نظام درہم برہم کر سکتی [illegible] ہے۔ [illegible] کے مطابق دماغ پر ریسرچ کر رہا [illegible] تک۔

[illegible]

اس میں جذبات اور احساسات ڈالنا۔ مزید اس بات کو بھی سمجھنا کہ انسان بوڑھا کیوں ہوتا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ انسان کے خلیات ایک مخصوص عمر گزر جانے کے بعد تباہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں؟ اگر انسان یہ معلومات حاصل کرے تو ان عوامل کا سدباب کر کے انسان کو ہمیشہ زندہ رکھا جا سکتا ہے۔

بعض سائنسدانوں کے مطابق انسان زیادہ سے زیادہ 125 یا 135 سال تک زندہ رہ سکتا ہے اور ہمیشگی کا خواب محض خواب ہی ہے جس کی کوئی تعبیر نہیں۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جنہیں ہم انٹرنیٹ پر پڑھتے ہیں۔ نیوز میں سنتے ہیں۔ اخبار میں پڑھتے ہیں کہ آج یہ کامیابی مل گئی اور بس انسان ہمیشگی پانے کے قریب ہے۔ مگر حقائق وہ ہیں جو ہمارے اطراف میں نظر آتے ہیں۔ انسان کے پاس ابھی تک ایسا کوئی کمپیوٹر موجود نہیں جو انسان کی زندگی کے صرف پہلے سال کی تمام معلومات کو اپنے اندر سمو سکے۔ مزید یہ کہ سائنس آج تک کمپیوٹرز کو سوچ فراہم نہیں کر پائی۔ جو پروگرام اس میں ڈالا جائے گا، بس وہی کام کرے گا۔ خود سے سوچنا اور فیصلہ لینا فی الوقت کمپیوٹرز کے بس کی بات نہیں۔ پلاسٹک کے گردے، پلاسٹک کے پھیپھڑے آپ نے خبروں میں سنے ہوں گے۔ مگر ان کی عملی شکل کسی ترقی یافتہ ملک میں بھی دیکھنے کو نہیں ملی۔ آج بھی جس کے گردے خراب ہو جائیں اس کو کسی دوسرے انسان کا ایک گردہ نکال کر لگایا جاتا ہے۔ اس میں بھی [illegible] کرنے کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ [illegible] مریض اس [illegible] جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

یہ وہ حقائق ہیں جو ایک عام آدمی کے روز مرہ مشاہدے میں ہیں۔ اس کے علاوہ [illegible]

ائنس ایک مچھر کا پر بنانے سے قاصر ہے مگر وہ پلاسٹک کے گردے بنا رہی
بنا جب معلوم نہ کر پائی مگر مردے زندہ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کینسر اور ایڈز کا
یان کرنے سے قاصر ہے مگر ہمیشہ زندہ رہنے کی بات کرتی ہے۔ دماغ کا پانچ
ے زیادہ حصہ استعمال کرنے سے قاصر ہے مگر دماغ تخلیق کرنے کی بات کرتی ہے۔

سبحان اللہ۔

○

مچھر کا پر

پچھلے دنوں ایک تحریر لکھی تھی "بجلی اور بلو برین" کے نام سے۔ اس کے کچھ حصوں پر لوگوں کو اعتراضات ہیں۔ میرے الفاظ یہ تھے:

"سائنس ایک مچھر کا پر بنانے سے قاصر ہے مگر وہ پلاسٹک کے گردے بناتی ہے۔ موت کا سبب معلوم نہ کر پائی مگر مردے زندہ کرنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ کینسر اور ایڈز کا علاج دریافت کرنے سے قاصر ہے مگر ہمیشہ زندہ رہنے کی بات کرتی ہے۔ دماغ کا پانچ فیصد سے زیادہ حصہ استعمال کرنے سے قاصر ہے مگر دماغ تخلیق کرنے کی بات کرتی ہے۔"

اس تحریر پر [illegible] جمع ہو کر اپنی قابلیت کا رعب جھاڑنے لگے۔ بعض احباب کا کہنا تھا کہ مچھر کا پر تو کچھ بھی نہیں سائنس نے پوری بھیڑ ایجاد کر لی تھی۔ یہ دعویٰ شاید کلوننگ سے تیار کردہ ڈولی کے بارے میں تھا۔ یہ کلوننگ کا طریقہ جس سائنس دان نے [illegible] اس نے بھی ڈولی کو [illegible] قرار نہیں دیا۔ کیوں کہ وہ اتنا بے وقوف نہیں جتنے یہ [illegible] ڈولی نامی بھیڑ کو [illegible] بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی بے وقوف [illegible] آدمی [illegible] کی بات بڑی [illegible] ہے۔

* [illegible] 1997 میں جس ڈولی کو [illegible]
[illegible]
[illegible] ڈولی چھ سال کی عمر میں [illegible]

جب یہ سائنسدانوں کو دستیں رلی [illegible]
نہیں۔ ڈولی کے بعد بھی کلوننگ سے [illegible]
حرے اسی طرح رہا۔ آخر 2007 میں ڈولی [illegible]
کیا کہ کلوننگ کا یہ طریقہ کار انسانوں میں [illegible]
[illegible]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سائنسدانوں میں [illegible]
ہے مگر ملحد بڑے بے غیرت ہوتے ہیں۔

کچھ سائنسدان یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم سب [illegible]
ہے؟ جب قدرتی طریقے سے نارمل بچہ پیدا ہو سکتا ہے [illegible]
نارمل بچہ پیدا کرنا ہے؟ سبحان اللہ۔

ان ملحدوں کی ان حرکتوں سے ان کے ملحد ہو جانے کی وجوہات [illegible]
آسانی کیا جا سکتا ہے۔ جتنا دماغ ہوتا ہے اتنا ہی کام کرے گا۔

پھر ایک اور صاحب نے دعویٰ کر دیا کہ کون کہتا ہے معجزات نہیں ہوتے۔ یہ
ستارے تو روز کینسر کا علاج کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ ان سے [illegible]
گئے جیسے [illegible] سائنسدان ہوتے ہیں جو مردے کی زندہ کر لیتے ہیں۔ معجزہ تو کسی
کی سولی ہی نہیں ہے۔ لوگوں نے خوامخواہ کینسر اور ایڈز کو ہوا بنایا ہوا ہے۔ ان صاحب کو
کون جا کر بولے کہ تم کینسر چھوڑو اپنے قابل ستارے سے [illegible] کا علاج کروا دو۔

پھر کہتے ہیں کہ سائنس ہی تو زندگیاں بچاتی ہے ورنہ اللہ میاں نے [illegible]
[illegible] کہاں؟

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ڈرون بنا ڈالا ہے جو اللہ میاں کے مچھر سے زیادہ پاورفل ہے۔ سبحان اللہ۔

اسے کہتے ہیں مرعوبیت۔ موصوف نے ساتھ اس مچھر ڈرون کی تصویر بھی دی ہے جو کم و بیش پانچ سال سے انٹرنیٹ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ تصویر محض ایک [illegible] خواب کا ڈیزائن ہے جو کافی عرصے سے in production ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو in production اور produced کا فرق پتہ ہوگا۔ انسان یقیناً مچھر کی طرح کا ڈرون بنانا چاہتا ہے اور اس پر کام بھی جاری ہے مگر ابھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا۔

کیوں نہیں پہنچا؟

اس کی کافی تکنیکی وجوہات ہیں جن میں سے میں صرف دو کا تجزیہ یہاں کرتا ہوں۔

پہلی یہ کہ اس میں ان سائیڈ بیٹری کا کوئی سسٹم نہیں بن رہا۔ outer power سے وہ پانچ منٹ سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔

دوسری وجہ مچھر کا پر ہے۔ جی ہاں آپ نے ٹھیک پڑھا۔ مچھر کا پر۔

انسان نے جتنی بھی فلائنگ مشین آج تک ایجاد کی ہیں ان میں جو پر لگائے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک آپ ہوائی جہاز میں دیکھتے ہیں جو ہوا کے پریشر سے اڑتے ہیں اور دوسرا اینگل کا پریشر کے پر۔

اس insect drone سے انہوں نے جاسوسی کروائی ہے وہ بھی [illegible] یہ انتہائی ضروری ہے کہ اس کا پورا ڈیزائن مچھر جیسا ہو۔ طالبان لاکھ پسماندہ سہی مگر اتنے بے وقوف نہیں کہ ان کے کمرے میں کوئی ایسا مچھر داخل ہو جس کی پیٹھ پر بیٹری کا ڈبہ [illegible] ہوا ہو اور وہ سمجھیں کہ شاید ہم نے مچھر کی کوئی نئی نسل دریافت کر لی ہے۔ [illegible] قوی امکانات موجود ہیں کہ امریکہ کا یہ بہانہ پکڑا طالبان نے [illegible] ہاتھ ہو بیٹھے۔

[illegible] اصل مسئلہ مچھر تیار ہے۔ بس پر بننے باقی ہیں۔ [illegible]
[illegible] مچھر [illegible] ڈرون [illegible] ہے مگر [illegible]

پھر ان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ [illegible]

ایک اور طرح نے دعویٰ کیا ہے کہ سائنس clinically dead شخص کو دوبارہ زندہ کر کے گھر بھیج دیتی ہے اور اسے موت کا سبب کہی ہے۔

کسی کو مردہ قرار دے کر اسے زندہ کرنا اور بات ہے اور حقیقی مرے کو زندہ کرنا اور بات۔ اور اگر سائنس کو موت کا سبب پتہ ہے تو ہمیں بتائے کہ موت کیوں آتی ہے؟

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اگر سائنس مردے زندہ کرنے کے قابل ہو گئی ہے تو کیا قوت ہے کہ نیوٹن، آئن اسٹائن اور اپنے محسن کے مردے دوبارہ زندہ کر لے گی؟

جب کر لیں تو مجھے ضرور بتانا۔

○

شیطان اور خدا

ایک ملحدہ سے بحث

ہونے تک کا حکم ہے وہ ثواب۔ یعنی جب آدمی نو عمر بچے بچی کی عمر میں شادی
کرنے کا حکم دیا گیا اس وقت یہ کارِ ثواب تھا اور جب اس کام سے روک دیا تو یہی کام
گناہ ہے۔

بہرحال جیسے شیطان کی کچھ پرواہ نہیں۔ جس وقت اللہ کا حکم آیا کہ آدم کو سجدہ
کرو اس وقت اس کام کو ترک کرنا اور تکبر کرنا، اس سے زیادہ ثواب کا کام کوئی نہ تھا۔ اگر اللہ مومن
کو حکم دے کہ بتوں کو سجدہ کرو تو آج جو مومن بت کو سجدہ نہ کرتا وہ کافر ہوتا۔ یا اخلاقیات ہم
کیسے کرتے ہیں یہ خالق طے کرے گا۔ جس نے دنیا بنائی وہی قانون بنانے کا بھی حق رکھتا
ہے جب آپ کسی کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں تو کمپنی کے مالک کے بنائے ہوئے قوانین کی
پاسداری کے وعدے پر ہی آپ کو ملازمت ملتی ہے جس کو قوانین پر اعتراض ہے وہ
نوکری نہ کرے۔ دین اسلام میں داخلہ کوئی سافٹ ویئر ایگریمنٹ نہیں جو بغیر پڑھے
اوکے پر کلک کر دیا۔ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد معمولی نوعیت کے اختلاف کی
گنجائش ہے نہ سب جائز۔ ایگریمنٹ سوچ سمجھ کر کیا جائے تو بہتر ہے۔

"شیطان خدا کو چیلنج کرتا ہے اور اللہ اسے چپ کروانے کے بجائے اس کا چیلنج
قبول کرتا ہے۔ کیا مخلوق بھی خدا کو چیلنج کر سکتی ہے؟"

جواب: باطل کر سکتی ہے۔ آپ نے تسلیم کیا کیا؟ علماء نے تسلیم کیا کیا؟ وہ
آپ سے تسلیم کروا سکا کیا؟ چیلنج قبول ہی وہ کرتا ہے جو حق پر ہو اور کسی سے نہ ڈرے۔
اللہ تعالیٰ سب کی سنت پر ہی قائم ہے۔ آج بھی حق کی نشاندہی کرتی ہے اور اس بات
کا ذکر خود قرآن میں بھی ہے کیا کہ شیطان بہت سے لوگوں کو بہکانے میں کامیاب
ہو گا۔ اگر وہ قوت کسی کو گناہ سے روکتا اور بچاتا ہی مقصد ہوتا تو پھر انسان کی
ضرورت ہی نہیں تھی، وہ فرشتے ہی نہ پیدا کر دیتا؟ اللہ جو چاہے کرے اللہ کے ہر حکم
پر عمل ضروری ہے۔ آدم کو سجدہ کرو۔ سب فرشتے سجدے میں چلے گئے سوائے ابلیس۔

[illegible] اخلاقیات [illegible]

"پھر آپ کا اعتراض یہ ہے کہ شیطان کو قربانی کا بکرا بنایا گیا حالانکہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا؟"

جواب: اس بات کو اپنے گمان سے نکال دیجیے کہ اللہ منصف مزاج نہیں۔ وہ ہر شخص کو راہ راست پر آنے کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے جس کی وجہ سے یہ غلط فہمی جنم لیتی ہے کہ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ تھا۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہوتا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہوتا ہے مگر بات اس سے الٹ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقدیر میں لکھا وہ جاتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ اللہ کے پاس علم غیب ہے اور اللہ جانتا ہے جو اعمال ہم کرنے والے ہیں لہٰذا وہ انہیں لکھ لیتا ہے۔ اس کو خدا کیوں کر کے گا جیسے انسان کے عمل کرنے کے بعد پتہ چلے کہ انسان نے یہ عمل کیا ہے؟ آپ کو کیا لگتا ہے آپ کی تقدیر میں ملحد ہونا لکھا تھا اس لیے آپ ملحد ہو گئیں۔ جی نہیں۔ چونکہ آپ نے ملحد ہونا تھا اس لیے آپ کی تقدیر میں ایسا لکھا گیا۔ شیطان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

انسان کی پیدائش پر فرشتوں نے بھی اپنے تحفظات کا اظہار کیا تھا کہ آپ اسے پیدا فرمائیں گے جو زمین میں فساد و خون برپا کرے گا۔ اللہ کا جواب تھا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ کیا فرشتوں کے تحفظات غلط ثابت ہو گئے؟ جی نہیں۔ تو پھر وہ کیا علم تھا جو فرشتوں کو نہیں؟ اس کا ایک جواب تو سیدھا ہے کہ انسان اللہ کی ایک ایسی مخلوق ہے جو اللہ کی عبادت بھی کر سکتی ہے سرکش بھی ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات علم شعور ہے۔ جس میں بغیر کسی مجبوری اور دباؤ کے اللہ کی عبادت کرنے والی مخلوق۔ یہاں یہ بات قابل غور نہیں ہو سکتی۔ جنت کا لالچ یا جہنم سے بچنے کا دباؤ۔ آپ پر کیوں نہیں ہے؟ یا آپ کو یہ نہیں لالچ جنت کا؟ ہر انسان یہاں اپنی مرضی سے جیتا ہے۔ [illegible] جو بات طے شدہ کرے جو چاہے عمل رہے۔ اپنی اپنی مرضی ہے۔

۱ یہ سارا جواب سورہ بقرہ میں موجود ہے۔

۲ جب [illegible] میں زندہ گاڑی جانے والی بچی سے پوچھا جائے گا [illegible]

کس جرم میں قتل کیا گیا؟"

کیوں؟ قاتل سے کیوں نہ پوچھا جائے گا؟ کیا بچی کو پتہ تھا کہ کس جرم میں قتل کیا جا رہا ہے؟

اس ایک سوال سے اللہ نے ساری حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔ ساری نفسیات کو قتل کروانے والے اللہ نہیں روکے گا مگر پھر ایک دن کہے گا۔ "تم"۔ اور سب کچھ کھول دے گا کہ قاتل بھی مقتول بھی۔ مقتول سے پوچھنے کا مقصد قاتل کو یہ جتلانا ہے کہ یہ کیا جرم تم نے زمین میں برپا کیا اور اللہ تمہیں روک نہ پایا؟ کیا یہ ہے وہ بچی جس کا قتل کر کے اور اللہ تمہیں روک نہ پایا؟ کیا یہ ہے وہ بچی جسے تم نے اپنے ہاتھوں سے مارا، اور اللہ کچھ نہ کر پایا؟ نقصان اس کو کہتے ہیں جس کا مداوا نہ ہو سکے۔ جس نے ایک قتل کیا اس نے ساری انسانیت کو قتل کیا، اور جو زندہ کرتی ہے اس کی طرف سے آپ جتنے برے انسان ہوں، اپنے ہی گناہوں میں اضافہ کرتا ہے۔ ورنہ اللہ کا اعلان صاف ہے کہ اگر تم سب ہدایت یافتہ ہو جائیں تو اللہ کی بادشاہت میں رتی بھر اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر تم سب گمراہ ہو جائیں تو اللہ کی بادشاہت میں رتی بھر کمی نہیں کر سکتے۔ حق پر ہونا ہے یہ انسانوں کی ضرورت ہے کہ ہم حق پر رہیں اور حق کو پھیلائیں۔ اللہ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ایک ایک جھگڑے کے جزا اپنے حصے میں سب سمیٹے ہوں گے تو پھر مقصد نہیں رہ جاتا۔

"کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کی ضرورت کیوں تھی؟" اس نے سوال کیا۔ "اگر اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو اچھائی بھی ہے اور برائی بھی۔ تو پھر برائی کو ختم کیوں نہیں کر دیتا۔ کسی ایسے کردار کی ضرورت ہے جو ہر بری طرف منسوب کرے۔"

"جواب نہیں۔ اللہ کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ بھلائی ہو۔ ..."

[illegible]

[illegible] میں [illegible] بات کا اقرار کرتے ہیں کہ [illegible]
[illegible] نہیں [illegible] دل میں اتار اور وہ اللہ کے حکم سے [illegible]
[illegible] ڈال دے۔ مگر وہ نہیں سمجھاتے کہ [illegible]
[illegible] غرض میں نہ پڑے" اس میں کہاں اللہ [illegible]
[illegible] تو تسلیم کر رہا ہے کہ یہ آزمائش کا طریقہ ہے [illegible]
[illegible] نہیں ڈرتا کہ کوئی اس کا پیچھا کرے گا۔

[illegible] کوئی انسان اپنی ارادی قوت سے برائی کرے [illegible] مجھے اس برائی میں مبتلا کیا۔ معاذ اللہ۔ [illegible] یہ واضح نہ کر دیا کہ شیطان [illegible] تو یہ الزام اللہ پر مت دو اپنے آپ [illegible] سچ ہے یا جھوٹ۔

[illegible] کے اطراف میں صرف [illegible] فرشتوں سے آگے مزید کی تلاش [illegible] کرنے کے بعد خالق انسان اس بات کا [illegible]

خدا کا عرش اور پانی

ملحدین کے کچھ سوالات ہیں۔

"۱۔ سورہ ہود کی آیت نمبر 7 کے مطابق تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے خدا کے عرش کا پانی پہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟ کیا مخلوقات کی پیدائش سے پہلے پانی موجود تھا جس پہ خدا کا عرش تھا؟ تو کیا وہ پانی اور عرش مخلوقات میں شامل نہیں؟"

جواب۔ بدقسمتی سے جو آیت آپ نے پیش کی ہے اس میں چھ دن میں آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر تو ملتا ہے مگر تمام مخلوقات کا لفظ موجود نہیں۔ آپ آیت کو غور سے پڑھیں۔ لکھا ہے۔۔۔

"اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ (تمہارے پیدا کرنے سے) مقصود یہ ہے کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے اور اگر تم کہو کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ یہاں صرف آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر فرما رہے ہیں۔ یہ نہیں فرما رہے کہ آسمان اور زمین سے پہلے اللہ نے کوئی مخلوق تخلیق ہی نہیں کی۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح بات کر رہا ہے۔ پھر ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ

قرآن۔ سورہ الانبیاء۔ آیت نمبر 30

"کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین بند تھے ہم نے انہیں کھولا، اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی۔ تو کیا وہ ایمان نہ لائیں گے؟"

اب اس آیت میں ہر جاندار چیز کو پانی سے تخلیق کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جب اللہ نے زمین بنانے کا ارادہ کیا تو کیا اس جاندار تخلیقات نہ کرنی تھیں؟ پھل پھول پیڑ پودے انسان حیوانات اور ہر قسم کی زندہ مخلوقات۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد اللہ کو معاذ اللہ فکر لاحق ہوئی ہو کہ زمین بنالی پانی تو بنایا ہی نہیں؟ کیا اللہ نے پورے قرآن میں کسی بھی مقام پہ یہ کہا ہے کہ آسمان اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ نے پانی بنایا؟ یا تمام مخلوقات زمین اور آسمان کے بعد بنائیں۔ اگر فرمایا ہے تو وہ آیت آپ کی دلیل بنتی ہے۔ سورہ ہود کی آیت نمبر 7 جو آپ نے پیش کی اس میں تو ایسا کچھ نہیں لکھا۔ معذرت۔

"۲۔ کیا زمین کی تخلیق سے پہلے پانی موجود تھا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ پانی صرف زمین پر ہی ہے تو جب زمین تخلیق ہوئی پانی بھی لامحالہ اسی وقت تخلیق ہوا ہوگا؟"

جواب۔ اس کا جواب ویسے تو آپ کی دی ہوئی آیت میں بھی موجود ہے کہ ظاہر ہے اللہ خود بتا رہے ہیں کہ جب زمین تخلیق ہوئی اس وقت عرش پانی پر تھا تو لامحالہ عرش اور پانی دونوں موجود تھے مگر اس کے قرآن میں مزید دلائل بھی موجود ہیں۔

مثلاً سورہ البقرہ آیت نمبر 22

"جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا۔ اور آسمان سے پانی اتارا، تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو تو اللہ کے لئے جان بوجھ کے برابر والے نہ ٹھہراؤ۔"

سورۃ الانعام۔ آیت 99

"اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی۔"

ان آیات کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پانی بادلوں سے برستا ہے

[illegible]

یہی معاملہ پانی [illegible]

کشتی ہوئی تو وہاں پانی نہیں تھا۔ [illegible]

[illegible]

سورہ الاعراف۔ آیت نمبر 57

"[illegible]

[illegible] بھاری بادل ہم [illegible]

[illegible]

پیدا ہوا۔ پہلے کے علم ہے کہ ستاروں کے اندر [illegible] سے [illegible]
[illegible] سے [illegible] کے [illegible] سے بڑے [illegible]
اور یوں ستاروں پر [illegible] ہے۔۔ [illegible] کوئی [illegible] نہیں رکھتا۔ تو [illegible]
تضاد کی بات ہے؟"

جواب۔ جب آپ قرآن یا اسلام پر اعتراض کر رہے ہیں تو اس میں سائنس کا
ایسا اعتراض کیا معنی رکھتا ہے جس پر آپ کے اپنے ہزاروں اشکالات پہلے ہی
موجود ہیں۔ "انسان کی پیدائش پر سائنس کی تھیوری مختلف ہے [illegible] ہے
کون فیصلہ کرے گا کون ٹھیک ہے۔ میں کہتا ہوں قرآن ٹھیک ہے سائنس [illegible]
تب اپنی بات سے پھر جائے" پچھلے 1400 سالوں میں ہم نے قرآن کی ایک آیت
بدلے نہیں، دیکھا مگر سائنس روزانہ کی بنیاد پر اپنا [illegible] ہوتی ہے۔

اب آتا ہوں احادیث پر۔

"[illegible] آپ نے حدیث کا حوالہ دیا ہے کہ [illegible] کی پیدائش سے پہلے [illegible]
[illegible] کہاں تھا [illegible] کی [illegible] کے بعد [illegible]"

"۵۔ عرش کو پیدا کرنے سے پہلے [illegible] کہاں سے آیا۔ [illegible]
بھی ہوا۔ حضرت عباس نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ پانی [illegible]
[illegible] کی [illegible] تھی۔"

"[illegible] کی [illegible] ہے [illegible] کی پیدائش سے [illegible]
[illegible] پانی پر تھا۔ [illegible]
[illegible] پانی [illegible] کا مطلب۔"

[illegible]
[illegible]
[illegible]

نہیں ہو سکتا؟

اب سوال یہ ہے کہ عرش پانی پر تھا پانی ہوا پر تھا اب ہوا کہاں تھی؟

سائنس کے طالب علم کو یہ سوال پوچھنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ اگر میں آپ سے پوچھوں کہ سائنس کی روشنی میں بتائیں کہ زمین کس چیز پر ہے تو کیا جواب ہوگا آپ کا؟ مریخ کس چیز پر رکھا ہوا ہے؟ عطارد زہرہ اور باقی سیارے اور ستارے سورج وغیرہ تو سائنس کے اہل علم کیا جواب دیں گے؟ جب آپ یہ بات مانتے ہیں کہ خلا میں کسی چیز کا معلق ہونا سائنسی اعتبار سے بھی ممکن ہے تو یہ سوال تو آپ کا بنتا ہی نہیں ہے۔

مسلم کی جو حدیث آپ نے بیان کی وہ مجھے مسلم میں نہ مل سکی۔ اس سے ملتی جلتی حدیث ملی مگر اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں جن سے آپ کی دلیل ثابت ہو یعنی اللہ اکیلا تھا اور کچھ نہ تھا۔ مگر وہی حدیث بخاری میں بھی موجود ہے جس سے آپ کے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ تو اسی پر بات کر لیتے ہیں اور اگر مسلم کی حدیث پر ہی بات کرنی ہے تو اس کا حوالہ درکار ہوگا۔

صحیح بخاری۔ کتاب بدء الخلق۔ حدیث نمبر 2898

"حضرت عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی اونٹنی کو دروازے پر باندھ کر حاضر ہوا تو آپ کے پاس بنو تمیم کے کچھ لوگ آئے۔ آپ نے فرمایا بشارت قبول کر لو اے بنو تمیم۔ انہوں نے دو مرتبہ کہا کہ آپ نے ہمیں بشارت تو دے دی ہے اب کچھ عطا بھی فرمائیے۔ پھر جب یمن کے لوگ آئے تو آپ نے ان لوگوں سے کہا۔ تم بشارت قبول کرو اہل یمن کیونکہ بنو تمیم نے تو اسے رد کر دیا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ہم نے قبول کیا۔ ہم آپ کی خدمت میں اس امر کی دریافت میں آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود اور کوئی چیز موجود نہیں تھی اس کا عرش پانی پر تھا۔ اور اس نے ہر ہونے والی چیز کو لوح محفوظ میں لکھ لیا تھا۔ اور اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمایا۔ عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ ابھی میں تو یہ بات ہی کر رہا تھا کہ منادی

کرنے والے سے آ[illegible] دی۔ اے ابن حصین تیری اونٹنی بھاگ گئی۔ میں اٹھ [illegible]
بہت دور نکل گئی۔ میں نے تمنا کی کہ کاش میں اسے چھوڑ دیتا (یعنی بات ہی سن لیتا)
پھر ابن عمر سے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے متعلق ہمیں بتایا [illegible]
نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا۔ جو بھول گیا وہ بھول گیا۔"

اس حدیث میں دو معاملات غور طلب ہیں۔ پہلا یہ کہ آغاز [illegible] کرنے میں ایک شخص سے جو کوئی چیز سنی اور وہ شخص سونے پر [illegible] تو [illegible] ہی اندازہ لگا لینا چاہئے کہ سونے کا اقرار تو ہو گیا اس کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ یہ تو سادہ سی دلیل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ اور قرآن کے الفاظ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ مگر حدیث پر گو کہ روایت کرنے والے صحابہ انسان تھے جن سے کسی حد تک بھول چوک کی گنجائش موجود ہے۔ اس حدیث کے آغاز میں یہ بات خود ہی واضح ہو جاتی ہے کہ ابن حصین کی اونٹنی بھاگ گئی تو ان کا سارا دھیان اونٹنی کی طرف چلا گیا اور وہ باقی حدیث سننے سے رہ گئے۔ پھر ابن عمر کے یہ الفاظ کہ جس نے یاد رکھا سو یاد رکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ ان الفاظ سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ یہ نشست کافی طویل رہی ہوگی کیونکہ اگر سب الفاظ اتنے ہی ہوتے جتنے حدیث میں درج ہیں تو ان کو یاد رکھنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

خدا کو عرش کی ضرورت کیوں تھی؟ کیا خدا کا وجود مادی ہے؟

اگر ہم کوئی کام ایسے یا اس طرح سے کرتا ہے تو یہ کوئی اس کی مجبوری نہیں ہے بلکہ ہماری مجبوری ہے۔ [illegible] بھی تخلیق کی جا سکتی تھی مگر پھر انسانوں کے لئے اس کو سمجھنا محال ہو جاتا۔ اللہ جو ہے اور جو کر سکتا ہے وہ ہم اور آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہمارے دماغ اس قابل نہیں ہیں۔ اس لئے اللہ استعاروں کا سہارا لیتا ہے۔ [illegible] [illegible] ہو مگر جن کو وہ تعلیم [illegible] [illegible] سمجھ [illegible]۔ لہٰذا اس کی کوئی [illegible]

اور اللہ نے آدمی کو [illegible] تخلیق [illegible]

وہاں کا [illegible] تخلیق [illegible]

[illegible] کا قرار [illegible]

[illegible] ہونے کا اقرار [illegible]

[illegible] کوئی وجود نہیں مگر ہم اس بات پر تحقیق [illegible]

قرآن۔ سورہ رحمٰن۔ آیت 33

"اے جن و انس کے گروہ! کیا تم زمین و آسمان کی ان حدوں سے بھاگ جانے کی استطاعت رکھتے ہو جو اللہ نے متعین فرما دی ہیں؟ تو بھاگ جاؤ، تم نہیں بھاگ سکتے مگر زور کے ساتھ۔"

اس آیت میں اللہ منع نہیں کر رہا، چیلنج کر رہا ہے۔ آپ غور کریں۔ کس نے روکا ہے؟

"جب مسلمانوں کا اصرار ہے کہ [illegible] کی طرف توجہ کرتے ہوئے مسلمان کریں گے تو مسلمان بھی [illegible] اور جس [illegible] بات [illegible] انسان اور انسانی دماغ کی حیثیت اور اس کی ایجادات کی حدود آپ پہلے ہی بیان کر چکے ہیں تو مجھے اس بات سمجھانے کا [illegible] ......"

جواب: دماغ کا [illegible] دوسری چیز ہے، دماغ کا استعمال کرنا بالکل مختلف چیز ہے۔ [illegible]

[illegible]

تحقیق [illegible] کروں گا تو آپ کا رویہ سخت ہو جائے گا اور [illegible]
پھر آپ دوسرے طریقوں سے بھی مجھے خاموش کروانے اور اپنی بات [illegible]
کریں گے۔۔۔ [illegible] مذاہب کے پھیلاؤ کا عمومی طریقہ یہی رہا ہے۔۔۔ مذہب [illegible]
سے ہی یہ بھی کہتے ہیں۔ فلاں چیز کے متعلق تحقیق کرو فلاں سے متعلق نہیں [illegible]
انسانی عقل کے دائرہ کار میں ہیں اور فلاں معاملات انسانی عقل سے [illegible]
ہیں۔۔۔۔۔ یہ باتیں قرون وسطی کے دور میں اور یہاں پاکستان میں تو چل جاتی ہیں [illegible]
بہت آگے جا چکی ہے سو وہ اب کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرتے؟

جواب: جی نہیں۔ آپ مجھ سے مسلسل گفتگو کریں۔ ان شاء اللہ آپ مجھے [illegible]
[illegible] پائیں گے تاوقتیکہ آپ میری یا میرے عقائد کی توہین نہ کریں۔ اور جو [illegible]
[illegible] سے نہیں لگائی وہ میں بھی نہیں لگاؤں گا۔ مشورہ ضرور دوں گا کہ [illegible] ہے۔
ایک شخص کہے کہ میں چھلانگ لگا کر سورج کو چھو سکتا ہوں تو میرا مشورہ ہو گا کہ وقت [illegible]
[illegible] کسی تعمیری کام میں استعمال کریں تاکہ دنیا آپ کو یاد رکھے مگر [illegible]
[illegible] کر کے [illegible] جائیں۔ بزور طاقت آپ کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا [illegible]
[illegible]

○

ایک ملحدہ خاتون کے اعتراض کا جواب

اسلامی بھائیوں سے ایک سوال

اگر کوئی خدا ہے تو کیا اس نے ہم سے [illegible] ...... [illegible] اس نے ہمیں فرشتہ بنا [illegible] کم [illegible] ......

جواب: اس بات کا سب سے مختصر جواب [illegible] [illegible] سے [illegible] لیکن مسئلہ یہ ہے کہ [illegible] [illegible] کے لیے [illegible] فرشتوں [illegible] ہے۔

۱۔ فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں، اور انسان خاکی۔

۲۔ فرشتے [illegible] ہے جب کہ انسان [illegible]۔

۳۔ فرشتوں کے لیے نہ جنت ہے نہ جہنم [illegible] [illegible]۔

۴۔ فرشتے اللہ کے حکم [illegible] [illegible] ہے۔

۵۔ [illegible]

اللہ نے عبادت کی غرض سے پیدا کیا ہے جس [illegible]

داریاں ہیں جن پر اس کا اختیار ہے۔

اب آجاتے منطق پر۔ اعتراض ہو گا [illegible] کی

جاتا۔ سبحان اللہ۔

یہ اعتراض اس صورت میں قابلِ تسلیم ہے جب اللہ نے [illegible]

ہر انسان ہی جہنمی ہے۔ کیا اللہ نے کہیں یہ کہا ہے کہ ہر انسان [illegible]

کئی مقامات پہ یہ فرماتے ہیں کہ انسان اگر سمندر کی جھاگ [illegible]

ہے تو میں نہ صرف اس کی توبہ قبول کروں گا بلکہ اس کے ان [illegible]

کی نیکیوں میں بدل دوں گا۔

اب یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لیے انسان [illegible]؟

جواب: صرف اللہ کی فرماں برداری۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ فرشتے کیا کرتے ہیں؟

جواب: صرف اللہ کی فرماں برداری۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے پر انسان کو ملے گا کیا؟

جواب: جنت

چوتھا سوال یہ ہے کہ صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے پر فرشتوں کو ملے گا کیا؟

جواب: کچھ بھی نہیں۔

پانچواں اور آخری سوال یہ ہے کہ جب اللہ کی فرماں برداری ہی [illegible]

تھے تو مجھے فرشتے کی ضرورت کیا ہے [illegible] جس کو اس فرماں برداری کا [illegible] نہیں ملے گا

[illegible]

ہے تو میں نہ صرف اس کو معاف کر دوں گا بلکہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دوں گا۔ اور کیا چاہیے؟

اس سوال کا جواب اب آپ نے دینا ہے۔

میرے خیال سے یہ اعتراض تو فرشتوں کا بنتا ہے کہ جو کچھ ہم صبح شام کر رہے ہیں اس کا عشرِ عشیر کرنے پر انسانوں کو جنت مل رہی ہے جبکہ ہمیں کچھ نہیں مل رہا۔ مگر آپ انسان ہیں اس لیے اعتراض کر رہی ہیں۔ فرشتوں کے پاس تو اعتراض کا بھی اختیار نہیں۔

o

نا امیدی گناہ

تکلیف کیوں آتی ہے؟ اس کا حل کیا ہے؟ کیا تکلیف سے نجات حاصل کرنے کے لئے خودکشی کی جا سکتی ہے؟ کسی خاتون کی عزت خطرے میں ہو تو کیا وہ خودکشی کر سکتی ہے؟

یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات میں ہم کنفیوز ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ علم بھرا پڑا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک اس دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ یہاں سے کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پینے دیتے۔

اس حدیث سے اس بات کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور کیوں یہاں گناہگاروں اور کافروں کو مال سے نوازا گیا ہے اور مومنوں کو محروم رکھا گیا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ

یہ دنیا کافر کے لئے جنت اور مومن کے لئے قید خانہ ہے۔

اس حدیث پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اچھے عمل سب کرتے ہیں خواہ مومن ہو یا کافر۔ مگر کافر کو اچھے عمل اس کے کفر کی وجہ سے جنت کا سامان نہیں بنا سکتے اچھے عمل [illegible] اس کو دنیا میں اچھی زندگی عنایت کر دی جاتی ہے مگر مومن کا معاملہ

ہیں ہے۔ [illegible] انسانی سہارا۔ جنت جہاں [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible] کی جنت [illegible]
ہے۔

ایک مدت میں آتا ہے اور دنیا میں اپنے وجود کا سفر۔

ہم جب بس، ریل یا ہوائی جہاز میں سفر کرتے ہیں تو ہماری توجہ ہماری منزل پر ہوتی ہے۔ ہم جہاز یا ریل کی سیٹ اس لیے نہیں لیتے کہ مستقل طور پر رہائش پر لیتے ہیں۔ سفر ختم ہوتے ہی ہمارا اس سیٹ سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ فرض کریں ایک شخص دہلی سے پاکستان کا سفر ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھ کر کرتا ہے۔ جب وہ پاکستان کے نزدیک پہنچا ہے تو جہاز کی اناؤنسمنٹ اسے یاد کراتی ہے کہ یہ سیٹ جس پر آپ بیٹھے ہیں یہ آپ کی ملکیت ہے۔ آپ جب تک چاہیں اس پر بیٹھے رہیں مگر ساتھ لے کر نہیں جا سکتے۔ تو پاکستان آجانے کے بعد آپ کتنی دیر اس سیٹ پر بیٹھیں گے؟ شاید کوئی بے وقوف ہو جو پاکستان آجانے کے باوجود وہ ایک منٹ بھی اس سیٹ پر بیٹھا رہے۔ کیونکہ جو اس کا گھر ہے وہ اس جہاز کی سیٹ میں نہیں۔ سفر ختم ہو جائے تو جہاز ایک قید خانہ لگتا ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے۔ یہ دنیا سفر کی جگہ ہے اور آخرت ہمارا گھر۔

موت کیا ہے؟

جس معاشرے میں ہم رہتے ہیں یہاں موت کو ایک گالی سمجھا جاتا ہے۔ ہم پیاروں کے لیے موت کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی لفظ قرآن میں انبیاء کے لیے استعمال کیا۔ مگر بہت سے لفظ [illegible] ہیں جن کو [illegible] طور پر منتقل کر سکیں۔

اہل اسلام میں موت ایک [illegible] کی خوشی کا نام ہے [illegible]
[illegible] وقت ہوتی ہے جب [illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

سورہ بقرہ آیت نمبر 96,95,94

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا
قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ
عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ
بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں اور وہ بھی چینی کی ہو سکتی ہے۔ مگر مجھے پتا ہونا [illegible]
[illegible] میں تیرے لئے جنت رکھی ہے۔ تب اس [illegible]
تکلیف پر صبر کر اس کی۔

یہ ہونا چاہیے ہمارا عمل۔ یہ دنیا ایک امتحان ہے۔ [illegible]
[illegible] پرچہ مشکل دیکھ کر امتحان [illegible]
[illegible] کی برداشت [illegible]
حقیقت میں اللہ کی اس بات [illegible] کوشش [illegible]
[illegible] دیکھا جاتا ہے مگر اگر وہ اپنے رب سے [illegible]
[illegible] در حقیقت خدا کا شکر ہے [illegible]
[illegible] کی تعریف کا شکر ہے۔

غزوہ [illegible] کے موقع پر ایک شخص [illegible]
[illegible] یہ شخص جنتی ہے [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] وہ شخص شدید زخمی ہوا [illegible] تکلیف برداشت [illegible]
[illegible] اپنے سینے پر رکھا اور [illegible]

[illegible]

ہمارا معاشرہ بھی قربانیوں کی ان مثالوں سے خالی نہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو دیکھا جاتا جو امریکہ کی جیل میں اپنی اسلام پسندی کی سزا بھگت رہی ہیں۔ اس وقت جب وہاں 80 سال قید کی سزا دینے سے غلامی کے نظام کے خاتمے کی باتیں کرنے والوں کا سکہ [illegible] چکا ہے۔ صرف نام بدل گیا ورنہ غلامی باقی ہے۔ کیا لگتا ہے کہ گوانتاناموبے جیل میں جتنی قیدی ہیں ان کو مسلسل ننگا رکھنے والے ان پر بھوکے کتے چھوڑنے والے ان سے [illegible] زبان پر عورتوں کو نگران مقرر کرکے ذلیل کرنے والے امریکی بھیڑیے کیا عافیہ صدیقی کے ساتھ کیا کرتے ہوں گے؟ اس کو اب کیا کرنا چاہیے؟ خودکشی؟

جی نہیں۔ اللہ کے ہاں عزت اور ذلت کا معیار یہ نہیں۔ اللہ کے ہاں سب سے عزت دار وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ کسی خاتون کے ساتھ جنسی زیادتی کا مطلب اسلام میں یہ نہیں کہ اس کی عزت لٹ گئی۔ جی نہیں۔ ہم سے تو آج بھی کوئی پوچھے کہ پاکستان کی عزت دار خاتون کون ہے تو ہم اپنی سگی بہنوں کو چھوڑ کر ڈاکٹر عافیہ صدیقی کا نام لیتے ہیں۔ امریکہ کے اختیار میں نہ عزت دینا نہ عزت لوٹنا۔ نہ تو کسی کا نام [illegible] کی زینت بنوانے سے اس کی عزت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ کسی پر ظلم کرنے سے اس کی عزت میں کمی کی جا سکتی ہے۔

ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک امیر شخص کو پیش کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا بتا بندے دنیا میں کتنی راحتیں دیکھیں۔ وہ کہے گا۔ راحت کی حد ہی نہیں تھی کبھی تکلیف کا منہ نہیں دیکھا۔ اللہ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کو جہنم کا چکر لگوا کر لاؤ۔ اس شخص کو جہنم کا پھیرا لگوا کر واپس لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ پھر پوچھیں گے۔ اب بتا کتنی راحتیں دیکھیں تھیں۔ تو وہ شخص کہے گا کیسی راحت؟ میں نے تو راحت دیکھی ہی نہیں۔ اسی طرح ایک غریب شخص کو لایا جائے گا۔ اس سے بھی اللہ پوچھیں گے کتنی تکلیفیں دیکھیں دنیا میں۔ وہ کہے گا تکلیفیں ہی تکلیفیں تھیں۔ بڑی مشکل زندگی تھی۔ اللہ فرشتوں سے کہیں گے اس کو جنت کا ایک پھیرا لگوا دو۔ فرشتے

جنت کا پھیرا اتنا گہرا ہے کہ ایک مرتبہ وہاں داخل ہونے کے بعد جب وہ پوچھے گا تو بتائے گا کہ کبھی تو وہ شخص ہے کہ کیسی تکلیف؟ میں نے تو کبھی راحت ہی راحت دیکھی ہے۔

جہنم کا ایک دورہ ساری راحتیں اور جنت کا ایک دورہ ساری تکلیفیں بھلانے کے لیے کافی ہے۔

اپنی اپنی آزمائش کا صبر سے مقابلہ کریں اور اپنے رب سے پر امید رہیں۔ جتنی زیادہ مشکل زندگی ہو گی اتنے ہی اونچے جنت میں درجات ہوں گے مگر صبر کے ساتھ زندگی گزارنا شرط ہے۔

○

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

ایک حاسد شخص اگر چاند سے حسد کرنے لگے اور وہ اندھا چاند کی طرف منہ کر کے تھوکنا شروع کر دے تو اس کا تھوک لوٹ کر کہاں آئے گا؟ میں نے سنا ہے ملحد صبح اٹھ کر منہ نہیں دھوتے۔ بس چاند پر تھوکنا شروع کر دیتے ہیں۔ منہ خود ہی دھل جاتا ہے۔ انشاء جی کہتے تھے دیوانوں کی سی نہ بات کرے تو اور کرے دیوانہ کیا؟ یہی اصول ملحدوں پر فٹ ہوتا ہے۔ ان کی گستاخی کی غلاظت ان کے منہ کی اور دماغ کی غلاظت کا پتہ دیتی ہے۔

یہ اینٹی اسلام چوہدری فیس بک کے پردے کے پیچھے چھپ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں ایسی بیہودہ سرائی کرتے ہیں جو اگر حقیقی زندگی میں کسی کے سامنے کریں تو ان کی ہڈی بھی سلامت نہ بچے۔ پھر اس پر ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی توہین پر ملحدوں سے نفرت کرنا عمل دہشت گردی ہے۔ سبحان اللہ۔ کسی کی عزت نہ کرنے میں اور کسی کی توہین کرنے میں فرق ہوتا ہے۔ اس دنیا کا کوئی بھی معاشرہ آپ کو کسی کی توہین کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ آپ کسی مذہب کی مقدس ہستیوں کی توہین [illegible]

[illegible]

ہوتے ہیں۔ پانچ وقت نماز میں ایک بار، اور ۲۱ مرتبہ درود بھیجا جاتا ہے ان پر۔ ایک مسلمان دن میں کم از کم 42 مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ یعنی تیس دن میں اور بارہ سو ساٹھ مرتبہ ایک سال میں ایک مسلمان پڑھتا ہے۔ اگر ایک مسلمان کی اوسط عمر پچاس سال بھی فرض کی جائے تو یہ 18250 دن بنتے ہیں۔ یعنی ایک مسلمان اپنی زندگی کی صرف نمازوں میں تین لاکھ تراسی ہزار دو سو پچاس مرتبہ سلام اور سات لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو درود و سلام بھیجے جاتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اور ابھی یہ صرف ایک مسلمان کا حساب ہے۔ اس وقت دنیا میں سوا ارب کے قریب مسلمان ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر ہم سات لاکھ چھیاسٹھ ہزار پانچ سو کو سوا ارب سے ضرب دیں تو جواب کیا آئے گا؟

ورفعنا لک ذکرک

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ یہ صرف ان مسلمانوں کا حساب ہے جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ پچھلے 1400 سو سالوں میں جو مسلمان گزر گئے ان کا حساب شامل نہیں ہے۔

مگر بات یہاں بھی ختم نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما

”بے شک اللہ تعالیٰ اور فرشتے نبی پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی اس نبی پر درود و سلام بھیجا کرو۔ (سورۃ الاحزاب۔ 56)

یعنی جس مقام پر مسلمانوں کو حکم ہے کہ نبی پر درود بھیجیں وہاں پر اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ درود بھیجتے ہیں۔ اور بے شمار فرشتے ہیں اور ہر فرشتہ ایک وقت میں درود بھیجتا ہے اور ہر فرشتہ ایک ... کرتا ہے ان کی ... قیامت تک ... سب ... فرشتوں کی تعداد اور ان کے بھیجے ہوئے درود و سلام کی

تعداد کا ؟ واضح رہے کہ فرشتوں کا کام ہی محض عبادت ہے۔ انسان کی عبادت فرشتوں کے مقابلے میں کسی گنتی میں ہی نہیں آتی۔

کبھی سوچا ہے اس نبی پر کی جانے والی ہرزہ سرائی ان تک پہنچتی بھی ہوگی یا نہیں؟ اس قسم کی حرکتیں صرف مسلمانوں کو اشتعال انگیز کرنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی موت کو خود دعوت دیتے ہو پھر کہتے ہو ہماری جان خطرے میں ہے۔

کیا کوئی لا کر مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کسی ایک بھی ایسے شخص کا نام بتا سکتا ہے جس کا اتنی بار دنیا میں محض تذکرہ ہی کیا جاتا ہو جتنی بار میرے پیارے نبی پر درود سلام بھیجا جاتا ہے؟

پوری تاریخ کھنگال ڈالو۔ ساری خدائی اپنے ساتھ ملا لو۔ چلو اتنا نہیں تو کوئی قریب ترین مقابل ہی بتا دو۔

چیلنج کرتا ہوں میں آج تمام ملحدوں کو اور سارے عالم کفر کو۔ کوئی ایک بندہ ایسا دو جس کا اتنا تذکرہ بھی ہوتا ہو؟ یا کوئی قریب ترین مقابل؟ ہے ہمت کسی میں کہ اس حساب کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر آنے والے کسی بھی شخص کے کیے جانے والے تذکرے کا حساب پیش کر سکے؟

کوئی نہیں؟ کیوں؟

کیونکہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

○

یو آر اے گڈ گرل

(You are a Good Girl)

کیا مرد اور عورت برابر ہیں؟

جی ہاں۔

کیا واقعی؟

جی ہاں برابر ہیں۔

پھر اگر ایک لڑکا ایک لڑکی کے ساتھ شادی کے وعدے پر رات گزار لے اور بعد میں شادی سے انکار کر دے تو مظلوم لڑکی ہی کیوں؟

جو ہوا دونوں کے ساتھ ہوا۔ جو کیا دونوں نے کیا۔ جو ملا دونوں کو ملا۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکے نے اپنا مطلب نکالنے کے بعد شادی سے انکار کر دیا۔ تو لڑکی والے سے لڑکی بھی شادی سے انکار کر دے۔ حساب برابر۔ اس میں مسئلہ کیا ہے؟

جی نہیں۔ یہ بوجھ بھاری پڑے گا بھاری قربانی ہے۔ کتنا بڑا دھوکا ہے۔ وہ ہے زندگی کی وہ حقیقت جس سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ آنکھیں بند کر لیتی ہیں اور دماغ کو سمجھاتی ہیں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ یہ سب تمہاری نظر کا دھوکا ہے۔ سبحان اللہ۔

فرق یہ ہے کہ لڑکی اب ایک بن باپ کے بچے کی، بغیر کسی باپ کے بچے کی ماں بنے گی۔ اس کی پرورش کرنی پڑے گی۔ معاشرے کی چبھتی نگاہوں کا سامنا صرف لڑکی کو کرنا ہوگا۔ سسکی کے ساتھ بھی یہ بات طے ہے کہ اس صورت میں ہوا سب۔

اپنی انتہا سے زیادہ محبت کرنے والی ماں کے ہاتھوں قتل سے بچ جائے۔ ماں ہی [illegible]
ساتھ بازی کر کے اس کو پیدا ہونے سے پہلے قتل بھی کروا سکتی ہے۔ [illegible]
ہوتا ہے؟ نتیجتاً نہیں ہوتا۔ لہٰذا مسئلہ برقرار ہے۔

کیا قصور ہے کہ معاشرہ اس لڑکی کو اور اس کے پیدا ہونے والے بچے کو؟

کیسے یہ معاشرہ بدلا جا سکتا ہے۔ جہاں اس قسم کی باتوں کی کوئی امید [illegible]
معاشرہ بدلنے کے خواہاں حضرات میں سے ایک صاحب کہتے ہیں کہ [illegible]
لڑکی اس قسم کا ایسا سوچے میں [illegible] اس لیے لازمی ہے کہ اسے گھریلو [illegible] جائے۔

گھریلو کی تعریف ان کے ہاں کیا ہے؟ کیا وہ جو ایک بات مرد کے ساتھ [illegible]
میں جلدی کرے؟ یا [illegible] سے رضامند ہو وہ شریف عورت جو
جلدی ماں بن جائے وہ گھریلو؟ جو [illegible] میں راضی ہو وہ شریف عورت جو [illegible]
گھریلو؟

مجھے یہ فلسفہ بالکل سمجھ نہیں آ رہا۔

مرد اور عورت برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ساتھ مخصوص طریقے سے وقت
گزارتے ہیں۔ پھر مرد عورت کو چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن عورت مرد کو چھوڑ کیوں نہیں سکتی؟
[illegible] پھر اس عورت کو کہا جاتا ہے گھریلو [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

You are a good girl

[illegible]
[illegible]

ق:

You are also a good boy

میں کون سا تم سے شادی کو مری جا رہی ہوں۔

پھر دونوں اپنے اپنے راستے چلے جاتے۔ مگر بدقسمتی سے ایسا ہوتا نہیں۔ لڑکے کا مسئلہ یہاں اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ مگر لڑکی کے مسائل ابھی باقی ہیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا۔

کیا یہ ارتقاء کا قصور ہے؟ یا فطرت کا؟ ارتقائی نظریے میں کیا یہ شق درج ہے کہ اس [illegible] کے نتیجے میں مرد حاملہ ہو جاتا اور لڑکی ہاتھ جھاڑ کر گھر چلی جاتی؟ [illegible] سے [illegible]؟ کس کی فیصلہ سازی ہے یہ؟

میں نے ملحدوں کے گروپ میں یہ تحریر پڑھی اور کمنٹس [illegible] کہ یہ کن لوگوں کے کمنٹس ہیں؟ نہ تو یہ مکمل مسلمانوں کے کمنٹس ہیں۔ [illegible] کی قوم ہے یہ۔ ایک کنفیوزڈ قوم۔ مذہب چھوڑ دیا، الحاد اپنایا۔ [illegible] کمنٹس میں [illegible] حقیقت کھول رہی ہے۔

انہوں نے مذہب چھوڑا مگر مذہب نے ان کو آج تک نہیں چھوڑا۔ انہوں نے [illegible] بنانے کی کوشش کی مگر الحاد نے انہیں دھتکار دیا۔

ملحدوں کے کمنٹس مجھے الحاد سے قریب ترین لگے۔ [illegible]

[illegible]

ہونے۔

"شادی؟ کیسی شادی؟ یہ تو مذاہب کے جھگڑے ہیں۔ لڑکے نے بھی مرضی کی لڑکی نے بھی مرضی کی۔ بات ختم۔ اسی طرح مرضی سے سیکس کرتے رہیے۔ باہمی رضامندی سے سب کچھ جائز ہوتا ہے۔"

ترجمہ۔ معاشرہ مشرقی ہو یا مغربی۔ مذہبی ہو یا الحادی۔ اس قسم کے معاملات میں عورت کی وقعت کسی ٹشو پیپر سے زیادہ کچھ نہیں۔ جسے کوئی مرد استعمال کرے اور پھینک دے۔ چاہے تو کچھ پیسے دے کر اس لڑکی کو بخشش بنا دے۔ چاہے تو "یو آر اے گڈ گرل" کہہ جاتا ہے۔

یہ ہے زندگی گزارنے کا الحادی ماڈل۔ جدید اور سائنٹفک ماڈل۔ یعنی لڑکی پیسے کمانے کی مشین بن جائے "ٹشو گرل"۔

اب آتے ہیں اسلام کی طرف۔

اسلام میں غیر شادی شدہ لڑکا لڑکی کی صحبت حرام ہے۔ شادی کے بعد مرد ایک عورت سے جسمانی تعلق رکھتا ہے تو بچہ ہونے کے بعد اسے ٹشو پیپر کی طرح پھینک نہیں سکتا۔ وہ مرد اس عورت کا ذمہ دار ہوگا۔ چاہے تو سونے کا پہاڑ حق مہر دے۔ تاحیات اسے نان نفقہ دے گا۔ اس کی ہر جائز ضرورت کو پورا کرنے کا ذمہ لے گا۔ اس کے کھانے کا بندوبست، رہائش کا بندوبست، کپڑے وغیرہ یہ سب اس مرد کے فرائض میں شامل ہیں۔ کوئی دوسرا مرد اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ اس کے بچے [illegible] جس کو باپ کہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کس کا ہے۔ ایک انسان بنتا ہے۔" [illegible] سے شروع ہونے والا یہ تعلق ایک روحانی رشتے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ [illegible] صرف جسمانی تعلق نہیں رہتا۔ [illegible] ہو جاتا ہے۔

یہ ہے فرق [illegible] مذہب کو [illegible] [illegible]

پیچھے لگ گئے۔ ورنہ اگر ان کی سوچ بھی [illegible]
ہوتے۔

بڑے بدقسمت ہیں وہ لوگ جو [illegible]
غلاظت کے ڈھیر پر اپنی خوراک تلاش کرتے [illegible]
مذہب کی پاکیزگی کو چھوڑ کر الحاد کی غلاظت میں جا پڑتے ہیں۔

طنزیہ جوابات

ملحدوں کے بعض اعتراضات اتنے احمقانہ اور غیر سنجیدہ ہوتے ہیں کہ ان کا جواب سنجیدگی سے دینا ممکن نہیں رہتا۔ ایسے تمام اعتراضات کا الزامی جواب طنز کی صورت میں دیا جاتا ہے۔

کتاب کے اگلے حصے میں اب جو تحاریر آپ پڑھیں گے وہ ایسے ہی اعتراضات اور ان کے طنز و مزاح پر مبنی جوابات پر مشتمل ہیں۔ ان تحریروں میں ملحدوں کے نام بھی استعمال ہوئے ہیں مگر یہ فرضی ہیں۔ یہ تمام ملحد جعلی ناموں سے بحث کرتے ہیں۔ حقیقی زندگیوں میں ان کے نام کیا ہیں ہم نہیں جانتے۔

○

منتقلی کعبہ

ایک محترم حاجی مست علی صاحب کی ایک تحریر تقریباً دو صفحے کی طلبہ کے گروپ میں چل رہی ہے۔ میں انتظار میں تھا کہ یہ وقت کی گرد بیٹھے تو اس تحریر کا جواب دوں۔ مگر آج ۲۰ سال سے شروع کی گئی یہ تحریر آج تک ختم نہیں ہوگی۔ لہٰذا اس پر کچھ تبصرہ بھی ضروری ہے۔

یہ تحریر ایک دعویٰ کر کے ایک انکشاف پر چل رہی ہے۔ اس تحریر کا مضمون یہ ہے کہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے وہ مکہ کی بستی ہے جسے آج مسلمان مکہ کہتے ہیں۔ شہر پر خانہ کعبہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں موجود تھا۔ یہ کعبہ روم کے ایک مقام پر کہیں موجود تھا مگر اب یہ کہیں موجود ہے جس نے اسے جعلی کعبہ سے بڑا قرار دیا۔

اس کے تحقیقی دلائل کا سلسلہ قریب ۲۰ سال سے جاری ہے اور ۲۰۱۱ء تک ہے کہ مسلمان کے دلائل کا رد کریں۔

اس قسم کی تحریر کا اب تک دو دلیل میں کو جو ہے [illegible] ضرورت تھی [illegible] مسلمان سے کرنے کی۔ اسے تسلیم کی [illegible] [illegible]

میں تو ولی محمد علی صاحب سے [illegible] اللہ [illegible]

نے ایسا کیا ہو گا۔ دل چاہتا ہے ان طلباء [illegible] کے [illegible] جس سے

ہماری نئی نسل کی آنکھیں بند رہیں ہو گئیں اور جلدی سے خود [illegible] وقت کو [illegible] کوشش

کو گرفت کر دیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ [illegible] حیرت [illegible] ہو گئے

ہوں گے اور لوگ جب اگلے دن صبح ہو کر [illegible] پہنچتی ہوگی۔ [illegible]

[illegible] رہے ہوں گے کہ ہمارا خانہ کعبہ کہاں ہے۔ [illegible] کے لوگ بھی [illegible] خانہ کعبہ

[illegible] رہے ہوں گے کہ یہ کہاں سے آگیا۔ [illegible] پر مسلمانوں کی ایک جماعت

کے لوگوں کو یقین دلانے میں مصروف ہوگی کہ [illegible] خانہ کعبہ [illegible]

[illegible] ہوگی۔ اور مکہ کے لوگوں کو اس بات کا یقین دلانا کہ آپ لوگ تو خانہ کعبہ کو [illegible] کر رہے

[illegible] پہلی بار [illegible] ہوا [illegible]

جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ [illegible] جو سال کے [illegible]

کعبہ کے طواف کے لیے جایا کرتے تھے وہ جب اگلے سال پہنچے ہوں گے تو وہاں کے

لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا ہو گا کہ یہاں کیسے آگئے؟ آپ لوگ تو ہر سال مکہ جایا کرتے

تھے [illegible] ایک [illegible] راستہ [illegible] بچتے بچاتے مکہ کی طرف [illegible]

گئے ہوں گے۔

اس [illegible] لوگ یہ کہیں کہ آپ [illegible] میں رہتے ہیں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسی میں کئی [illegible] جب [illegible] پر حضرت سلیمان
علیہ السلام سے ملنے کے لئے [illegible] نے چاہا [illegible]
کہ ان کے [illegible] تخت [illegible] لا [illegible] تو ایک شخص نے
کہا کہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے تخت کو یہاں لا سکتا ہوں۔ تو جب سلیمان علیہ
السلام نے آنکھ جھپکی تو تخت وہاں [illegible] مشکل نہ
ہوا کہ تخت [illegible] ملک سے [illegible] اسلام [illegible] پلک جھپکنے میں [illegible]
کہا جاتا کہ تخت [illegible]
[illegible] کے پاس [illegible] تخت کی
[illegible] ہے۔

جو شخص اس تخت کو پلک جھپکنے میں لایا قرآن کہتا ہے اس شخص کے پاس کتاب کا
علم تھا [illegible] قرآن تھا۔ لہذا کوئی مشکل نہیں [illegible]
[illegible] ہو گئی ہے۔

مسلمان بھائیوں کو میری طرف سے یہ خوشخبری سنا دو کہ اب تمہیں [illegible]
[illegible] کی کوئی ضرورت نہیں [illegible]
[illegible] پاس [illegible] کریں۔ [illegible] قدرت [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] جب [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
کہ انسان بندر کی اولاد ہے۔ جس کے بعد [illegible]
گھر سے باہر نکال دیا۔

ڈارون کی تھیوری کی جو تصاویر [illegible] بندر [illegible]
کو انسان بنتے دکھایا گیا ہے۔ پہلی تصویر میں ایک [illegible] کے بندر [illegible]
تصویر میں جو جانور ہے وہ بھی [illegible] گھر میں [illegible]
کہتے تھے۔ مگر [illegible]
[illegible] یعنی آدھا بندر آدھا انسان جس کی دم غائب ہو گئی ہے [illegible]
[illegible] کہ ارتقائی مراحل میں دم کیوں غائب ہو گئی۔ [illegible]
[illegible] ترقی کا نام ہے یعنی اگر [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ٹائپ ون غلطی کی صورت میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے جبکہ ٹائپ ٹو غلطی کی صورت میں آپ ایک شکاری جانور کی خوراک بن جائیں گے نیز ڈارون کے "نیچرل سلیکشن" کے قانون کے مطابق ارتقا کے لئے غیر موزوں قرار دے کر ختم ہو جائیں گے اور اپنا ڈی این اے اگلی نسلوں کو منتقل نہیں کر پائیں گے۔ یوں وقت کے ساتھ ساتھ ٹائپ ون غلطی کے رجحان والے انسان بڑھتے گئے اور ارتقا نے ٹائپ ون غلطی کو ہماری ڈیفالٹ پوزیشن بنا دیا۔ ہم یعنی انسانی نوع ہر منظر میں پیٹرن ڈھونڈنے لگے۔"

پھر مزید آگے لکھتی ہیں:

"یہ پیٹرن ڈھونڈنے کا کام صرف شبیہات تک محدود نہیں، ہم ہر چیز میں ارادہ یا ایجنسی بھی ڈھونڈنے لگے، ہوا لہرا رہی ہے یہ شکاری جانور ارادی جسکا مقصد ہماری زندگی پر اثر انداز ہونا (اس مثال میں ہمیں ختم کرنا) ہے۔ ایسے کیسز میں غلطی کی صورت میں (یعنی ہوا کو شکاری جانور سمجھنے کی غلطی) ہمارا کوئی خاص نقصان نہیں، پر درست اندازے (یعنی سرسراہٹ کو شکاری جانور سمجھنا جو واقعی وہاں موجود تھا) کی صورت میں ہمیں فائدہ ہے، ہم چوکنا ہو کر موت سے بچ گئے۔"

میں پہلے تو شکریہ ادا کروں گا اس خاتون محترمہ کا جنہوں نے کسی طرح سے ہی لیکن بہرحال تسلیم تو کیا کہ اگر شروع کے وقت مذہبی رجحانات سے حاصل نہ ہوتے تو اس کا وجود ہی مٹ جاتا۔ یعنی جیسے علامہ اقبال فرماتے تھے۔ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ اسی طرح ان خاتون کے مطابق وجود مذہب سے ہے، انسانیت کی بقا۔ چلیں کسی طرح تو ہماری قربانی تسلیم ہو چکی جانفشانی کی۔

شکریے کے بعد ٹائپ ون غلطی اور ٹائپ ٹو غلطی پر میں تھوڑی بات کروں گا۔

ٹائپ ون غلطی خاتون نے یہ بتائی کہ ہوا کی سرسراہٹ کو آپ شکاری جانور سمجھیں اور وہ محض ہوا کا جھونکا نکلے۔ تو ہر وقت آپ کا ماحول محض گمان پر غلطی سے بنی۔ اس خاتون کے مطابق یہی غلطی انسانی بقا کا سبب بنی۔

ٹائپ ٹو غلطی کے مطابق خاتون کہتی ہیں کہ ... [illegible]
ہو اسکو نظر انداز کر دیں۔ یہ غلطی تو یقیناً جان لیوا ہے۔

یعنی خاتون کی بات کی تشریح یوں کی جا سکتی ہے کہ احتیاط چاہے حد سے زیادہ ہو نقصان نہیں دیتی اور بے احتیاطی چاہے معمولی نوعیت کی ہو نقصان دہ ہے۔

اگر میں یہ کہوں کہ یہ ساری کائنات ایک خدا نے بنائی ہے۔ ہمیں اس ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیے ورنہ وہ ہمیں جہنم کی سزا دے گا تو ملحدوں کا جواب ہوتا ہے کہ خدا ہونے کا ثبوت لاؤ۔

یہاں دو امکانات پیدا ہوتے ہیں۔

۱۔ یا تو اللہ ہے اور وہ واقعی نافرمانوں کو سزا دے گا۔

۲۔ یا اللہ نہیں ہے اور ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے بس۔

فرض کریں ہمیں ان دونوں میں سے کسی کی صداقت کا علم نہیں۔ مگر ہم نمبر دو سلیکٹ کریں گے تو یہ خاتون ہی کی بتائی ہوئی فکر کے مطابق ٹائپ ٹو غلطی ہوئی جو اگر واقعی غلطی ہوئی تو نقصان ناقابل تلافی ہے۔ یعنی ہمیشہ ہمیشہ کی جہنم۔ مگر ہم نمبر ون سلیکٹ کریں تو یہ وہی ٹائپ ون غلطی ہوگی جو بقول خاتون کے بہت ہی ... [illegible] کا سبب بنی۔ یعنی یہ غلطی کرنے کا نقصان کوئی نہیں ہے۔ اگر ... [illegible] ... اگر جھوٹ نکلا تو سائنس تو سزا دینے سے رہی۔

بہرحال میری طرف سے خاتون کو سالگرہ مبارک ہو ... [illegible]

o

وہ محسن ذی کی گئی۔ برقعہ اور دنیا کا مایہ ناز سائنس دان

[illegible]

زیادہ پیدا کرتے ہیں اور وہ کم نکلتا ہے۔

مسلمان خواتین سے اس حد تک ہمدردی کی پچھلے چودہ سو سالوں میں مثال نہیں ملتی۔ یہود و نصاریٰ ہمارے دشمن تھے۔ مگر یہ طرز [illegible] ہمارے محققین کے طرز پہ ہماری خواتین کو ننگا گھومنے کے مشورے دے رہے ہیں [illegible] یا پھر گھر سے شروع کریں گے کہ تبلیغ کی ابتدا اخلاقی اعتبار سے گھر سے ہی ہوتی ہے۔

[illegible] میں الحاد کے عظیم مفکر اور دانشور جناب [illegible] صاحب کی کتاب موجود ہے جس میں موصوف فرماتے ہیں۔

"میں [illegible] بھی روزانہ رات اور جسم کی توہین کرتا ہوں۔ چونکہ [illegible] اس لیے [illegible] ننگا سوتا ہوں، بلکہ کبھی کبھی دن کو بھی ننگا رہتا ہوں۔ کبھی یہ تجربہ کر کے دیکھیے، [illegible] حاصل ہو جائے گا جب آپ اپنے ہی جسم سے گفتگو کرنا سیکھ جائیں گے [illegible] روحانی تسکین حاصل ہو جائے گی۔"

یعنی [illegible] ذات اور جسم دونوں کی توہین ہوتی ہے۔ بات تو ویسے [illegible] اپنے جسم کا دیدار کروایا جا سکتا ہے تو کیا بات [illegible] ہے؟ [illegible] رات کو ننگا سونے سے [illegible] مجھے یہ پوچھنے میں ڈاکٹر [illegible] رات کو ننگا سونے کے [illegible] حاصل ہو جائے گا۔ [illegible]

[illegible]

ہو رہا ہو حقیقت یہ ہے کہ جو عرفان برابر میں سو رہا ہے اسے نہ ان کا منہ [illegible]

کی طرف اور یہ ہم حسن کی جگہ عرفان نے دیا ہوتا تو ہمیں ہوتا کہ [illegible]

ہم حسن حاصل ہو جائے گا۔ ہم مسلمانوں کو چونکہ [illegible] ہم حسن [illegible]

حسن کی تنہائی نہیں ہے لہذا ہم کپڑے سے [illegible]

ہو گئے۔

میں نے [illegible] پر تھوڑی ریسرچ کی ہے۔

ویب سائنس کے مطابق [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پر کوئی اعتراض نہیں۔

[illegible] ویب سائنس پر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حاصل ہوتی ہیں۔ ایک وٹامن ڈی۔ دوسری کالک۔ وٹامن ڈی تھوڑے عرصے میں خرچ
ہو جاتا ہے مگر کالک برقرار رہ جاتی ہے۔ پھر مزید دھوپ تاپنے سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا
کہ سورج کی پیکیج ڈیل ہے۔ وٹامن ڈی کے ساتھ کالک فری ہے اور جو بندہ پہلے ہی کالا ہو
او ہوں کتے ہور وں منہ ہور کالا کرا لوے کہ سورج کوں اودے واسطے کج نئیں ہیغا۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ ویب سائٹ والوں نے برقعے کا حل تو بتا دیا کہ اتار دو۔ مگر
کالی چمڑی کا حل نہیں بتایا۔ مسلمان خواتین تو چلو برقعہ اتار دیں گی۔ افریقی لوگوں کی چمڑی
کیسے اتروائی جائے کہ یہ تو قدرتی برقعہ ہے؟

سوال یہ ہے کہ وٹامن ڈی کی کمی سے ہوتا کیا ہے؟ کیا کوئی خطرناک بیماری لگ
جاتی ہے؟ انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے؟

میں نے پورا انٹرنیٹ چھان مارا۔ مگر ہر ویب سائٹ پر صرف یہی معلومات درج
ہیں کہ وٹامن ڈی کی کمی نہیں ہونی چاہئے اور اس کو ننگے بدن دھوپ تاپنے سے پورا کیا جا
سکتا ہے۔ مگر اگر یہ کم ہو تو کیا ہوتا ہے اس پر معلومات تسلی بخش نہیں۔ ایک ڈاکٹر کے مطابق
اس بات کو ابھی تک سمجھا ہی نہیں جا سکا کہ وٹامن ڈی جسم کی صحت پر کس طرح اثر انداز ہوتا
ہے۔ یعنی اس وٹامن کا فائدہ ہی نہیں پتہ اس کے نقصانات کا اندازہ لگانا تو بعد کی بات
ہے۔ مجھے مرن شک کہ سوچ کے یہ درپے چکمیں لہذا لوگوں کو ننگا کرنے کا سلسلہ پہلے شروع کر
دیا گیا ہے۔ آپ اپنے کپڑے اتارنا شروع کریں۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک سائنس اس
بات کا پتہ لگا لے کہ وٹامن ڈی کی کمی سے ہوتا کیا ہے۔

باوجود اس کے کہ وٹامن ڈی کے فوائد اور نقصانات دونوں پر ابھی سائنس کی
تحقیق جاری ہے پھر بھی حفظ ماتقدم کے طور پر کچھ نقصانات بتائے جاتے ہیں جو انتہائی
مضحکہ خیز ہیں۔

۱۔ وٹامن ڈی کی کمی سے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔
حیرت ہے دانتوں کی سائنس کے مطابق مسلمان خواتین کے جسم پر جو کرد

پردہ ادا کرتا ہے۔ کسی سیاہ فام کے جسم پر وہی کردار اس کی چمڑی ادا کرتی ہے۔ جتنی سورج کی تمازت کو جسم تک پہنچنے سے روکتا۔ مسلمان خاتون کا برقع اتروایا جا سکتا ہے مگر سیاہ فام کی چمڑی اتارنا بغیر کسی قصائی کی معاونت کے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو تو وٹامن ڈی کی افزائش کے لئے بے حجابی بلکہ ننگا ہونے تک کا مشورہ دے دیا گیا مگر سیاہ فاموں کے لئے صرف صبر کا مشورہ ہے۔ ان کے آباؤ اجداد نے اپنی نسلوں کے حصے کی دھوپ بھی تاپ لی ہوئی ہے۔ لہٰذا اگلی نسلوں کو بغیر وٹامن ڈی کے ہی گزارا کرنا ہے۔ بھلا وٹامن ڈی کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی؟ ابھی تحقیق جاری ہے۔ ہو سکتا ہے گزر ہی جاتی ہو۔ مجھے تو دکھ یہ ہے کہ سورج کی تمازت سے اور وٹامن ڈی سے محروم سیاہ فام جب مسکراتے ہیں تو ان کے خوبصورت چمکیلے دانت ایک روشنی بکھیر دیتے ہیں۔ حالانکہ وٹامن ڈی کی کمی کی وجہ سے وہ خراب ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی خوبصورت اور مضبوط دکھتے ہیں۔ پتہ نہیں کیسے۔

۲۔ دوسرا نقصان وٹامن ڈی کی کمی کا یہ ہے کہ اس سے ذہن کمزور ہو جاتا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ویسٹ انڈیز کے سات فٹے باؤلر جوئیل گارنر کی ذہانت کمزور تھی۔ جس کا جلوہ پاکستانی بیٹسمینوں کی ذہنوں سے پتہ چلا۔ پاکستانی بیٹسمین شعیب محمد کہتے ہیں کہ میچ شروع ہونے پر جب امپائر جوئیل گارنر کے ہاتھ میں گیند تھماتا تو وہ جوئیل گارنر کے ہاتھوں میں بیر سے جتنی دکھتی تھی۔ [illegible]

[illegible]

اکثر ان بند کرنا ہی کی مرض ہے۔ بات قبل تو بچہ بچے گا۔ [illegible] ہے۔ [illegible]
حالوں میں ڈاؤن سنڈروم کی کمی ہوتی ہے جو [illegible] ہے۔ [illegible] صحت ہوا [illegible]
ہوئے بڑھاپا لانے کی بدولت ہوا کرتی۔

3۔ ڈاؤن سنڈروم سے مردانہ کمزوری ہو جاتی ہے۔

سب سے زیادہ ڈاؤن سنڈروم کی پاکستان میں پائی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے سب سے زیادہ بچے بھی قوم پیدا کرتی ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے [illegible] آبادی کے پروگرام پاکستان [illegible] فیل ہوتے تب بچے [illegible] کے بچے جو ایم بی بی ایس کے امتحان میں [illegible] تو وہ فیل ہوتا ہے۔ [illegible] ڈاؤن سنڈروم کا شکار [illegible] سے [illegible] کا باپ ہے [illegible] بچے [illegible] بھی تھی۔ یہ اس صورت میں جب یہ قوم ڈاؤن سنڈروم اور مردانہ کمزوری کا شکار ہے۔ ڈاؤن سنڈروم اور مردانہ کمزوری کا اگر یہ قوم شکار نہ ہوتی تو پاکستان کی [illegible] بلکہ [illegible] ہو سکتا تھا۔

وفاقی [illegible] کے مطابق [illegible] کی وجہ سے ڈاؤن سنڈروم کا شکار ہے [illegible] کے مطابق سب سے [illegible] میں سب سے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ دس فیصد آسٹریلوی اور نوے فیصد افریقی بن جاتی ہیں۔ جسم کے ذات گورے رہ جاتے ہیں انہیں مہذب ممالک میں صرف شوہروں یا سورج کے سامنے کھولنے کی اجازت ہے۔ جنہیں دیکھ کر ان کے شوہر بخوبی یہ تک اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی بیوی ماضی میں کتنا لباس پہنتی رہی ہے۔ بعض شوہروں کی فرمائش پر آسٹریلوی بیویوں کو قسم بھی اٹھانی پڑ جاتی ہے کہ اب جو بچا ہے وہ قدرتی کمال ہے جسے مزید اتارنا ممکن نہیں۔

مسلمانوں سے قبر میں سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ملحدوں سے وٹامن ڈی کے بارے میں۔ وٹامن ڈی پورا کرنے کے شوق میں ننگی گھومتی خواتین بے شک کسی بے غیرت کی مداخلت سے ایڈز کا شکار ہو کر مر جائیں۔ مگر پھر بھی ان کے جنازے پہ آئی خواتین قصیدے پڑھتی نظر آئیں گی کہ شکر ہے وٹامن ڈی پورا ہو گیا تھا۔

تنقید کرنے والے مومن لاکھ باتیں بنائیں کہ ننگے گھومنے کے شوق میں اہل مغرب ایڈز جیسے موذی مرض میں مبتلا ہوئے مگر اس حقیقت سے چشم پوشی ممکن نہیں کہ دنیا کے موجودہ آخری سانسیں گننے والے کسی ایک بھی ایڈز کے مریض میں وٹامن ڈی کی کمی تھی۔ جو ان شاء اللہ مرنے کے بعد قبروں میں بھی ان کے ساتھ جائے گا۔

○

ہمیشگی

ایک خاتون محمودہ شادمان سے یک بار کافی بحث ہوئی۔ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے چار پرندوں کو زندہ کرنے والے واقعے کو نشانۂ تنقید بنایا۔

ذرا ان کی تحریر پڑھیں پھر نکتے پر آتا ہوں۔

"ری سائیکل بن"

تحریر: شادمان (محمودہ)

اپنی سونے کی انگوٹھی کو سنار کے پاس لے جائیں، وہ اسکو پگھلا کر اس سے آپ کے لئے سونے کا ہار بنا دے گا۔ اس میں سے موتی نکال کو ہار میں پرو دے گا اور ہیرا نکال کر رکھ دے گا۔ اب ہار کو کسی سنار کے پاس لے جائیں تو وہ اسکو پگھلا کر کنگن بنا دے گا اور اس میں انگوٹھی والا ہیرا جڑ دے گا۔ حالانکہ انگوٹھی، ہار اور کنگن کی اپنی انفرادی حیثیت سے یہیں ایک کی موت دوسرے کی زندگی کا سبب بنی، انہی اجزاء سے نئی شکل تشکیل دے دی گئی۔ گویا سونا کائنات کی ری سائیکل بن ہے، جہاں ایک شکل اپنا سائیکل ختم کر کے دوسری شکل شروع کی ہے۔

یہی سب کچھ اس کائنات پر ہوتا ہے۔ جدید سائنسی نظریے کے مطابق کائنات میں موجود ہر چیز ایک ہی عظیم دھماکے سے تشکیل ہوئی تھی۔ یہ کہتے ہیں کہ "بگ بینگ" سے پہلے تمام مادہ ایک ہی صورت میں تھی۔ کائنات کا پھیلاؤ جس شکل سے

دوسری شکل میں تبدیلی کا ہے جس سے الیکٹرون، پروٹان، نیوٹران، عنصر کا وجود میں آنا شامل ہے۔ پچھلی ایک تحریر (کائنات کی ترتیب) میں ذکر کیا تھا کہ جب ہم بنیادی اکائی تک جاتے ہیں تو وہ سب میں ایک ہی پائی جاتی ہے۔ اپنی زندگی میں انسان بھی مادہ کی ہی ایک شکل ہے۔ گوشت و پوست، خون و خوراک، اعصاب، احساسات سب مادہ کی ہی شکل ہیں۔ اس کا مشاہدہ الیکٹرون مائکروسکوپ سے کیا جا سکتا ہے جس میں آپ کیمیائی [illegible] نظام میں خوراک کو ایک شکل سے دوسری میں تبدیل کرنے سے لے کر، خلیوں میں کیمیائی توانائی کو حرکی توانائی میں تبدیل کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ دوسری اس زندگی کا دارومدار زمین کے حالات سے جڑا ہے (حوالہ تحریر "[illegible]") اور یہی میں موت کی وجہ بھی۔ انسان کا شمار آکسیجن پر زندہ جانداروں میں سے ہوتا ہے۔ اس کے موت کا سبب دماغ کو آکسیجن کی ترسیل کے خاتمے سے ہوتا ہے۔ لیکن مرنے کے بعد کیا؟

مادہ کے جو مراحل کر آپ کی تشکیل ہوئی تھی وہ بعد (موت) کے واسطے چاہے جلا دیں، چاہے دفنا دیں، چاہے جنگلوں میں چھوڑ دیں، چاہے پانی میں بہا دیں۔ اس سے مرنے طریقے ہونگے لیکن نتیجہ نہیں۔ جیسے آگ میں [illegible] ہے۔ [illegible] سے [illegible]، اور یہ [illegible]۔ ایسے ہی انسان کے جسم سے [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] [illegible] کائنات ایک بڑی سی [illegible] ہے جو تشکیل [illegible] ہے [illegible]

[illegible]

اجزاء پر مشتمل ہے۔ اور مختلف اشیاء کے اجزاء میں تبدیلی ہوگا۔ یہ جاننے کے بعد آپ،
ایسی پرندوں والی مثالیں پڑھ کر میری طرح آپ بھی زیر لب مسکرائیں گے۔

یہ بھی جناب ان کی تحریر۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ غلام رسول (طوطا) بیمار ہے۔ اور اس کی بیماری کی خبر کے بعد اس کے چاہنے والے کمنٹ کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ پرندوں کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا جو طریقہ شاہ خان نے اپنی تحریر میں بتایا اس کے مطابق پرندے روسٹ کر کے کھا جاؤ تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے آپ کے اندر۔ اب مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ غلام رسول کو زندہ رکھنے کے لیے ان کا پروگرام کیا ہے؟ کہتے ہیں آپ ہمارے دل ہمیشہ زندہ رہو گے۔ لگتا ہے تو پارٹی کا پروگرام ہے۔ ان کے گروپ میں پارٹی کی ہوا ہے۔ کوئلے گرم کرنے رکھ دیے ہیں۔ مان گئے شاہ خان۔

آج میں بھی آپ کی طرح زیر لب مسکرا رہا ہوں۔

○

موت یا تبدیلی

سمیر احمد کا پیارا دوست ایکسیڈنٹ میں وفات پا گیا ہے۔ مومنوں سے ان کا مطالبہ ہے کہ اپنے خدا سے کہہ کر ان کا دوست انہیں واپس دلوایا جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مومنوں کو اور خدا کو ایک دن کی مہلت دی ہے۔ ورنہ۔۔۔۔۔

ورنہ؟؟؟

ورنہ وہ پہلے ہی ملحد ہیں اور زیادہ ملحد ہو جائیں گے۔

پکے ٹھیٹ ملحد ہو جائیں گے۔

مومنو! کچھ کرو۔

مسئلہ سنبھالو۔

میں تو رات بھر ڈر سے سویا نہیں۔

پھر میں نے ترکیب سوہن حلوہ استعمال کی۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ سوہن حلوہ کیا ہے۔ تو آیئے پہلے ترکیب سوہن حلوہ سیکھ لیں۔

ترکیب سوہن حلوہ:

تین کلو میدہ اور زردہ جمع لیں۔ انہیں ایک کڑاہی میں ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔ جب ان کا پاؤڈر بن جائے اور وہ اترنے لگے تو ایک جگ پانی لے کر اسے چولہے پر رکھ دیں۔ اس میں تھوڑا تھوڑا سوجی کا پاؤڈر ڈالتے رہیں اور چمچ چلاتے رہیں۔ جب وہ پانی میں مکس ہو جائے تو چولہا بند کر دیں اور ٹھنڈا ہونے دیں۔

صفحہ ہونے پر ایک عظیم ترین دماغ تیار ہوگا جس کا نیٹ ورک بے حد تفصیلی اور
پیچیدہ ہوگا۔ ذرا دیکھیں۔ جتنا گرد و غبار اتنا ٹھنڈا ہوتا ہے جتنے زیادہ دماغ جمع ہوں
اس ادارے کا اتنا ہی زیادہ نیٹ ورک مضبوط تیار ہوگا۔

اور آپ جیسے آدمی مر گئے ذہین ہوتے ہیں۔ سارے اشارے اسی طرف۔

اسی ترکیب کا استعمال کرتے ہوئے میں نے تین مجرموں کے دماغ سے یہ [illegible]
[illegible] اور ان سے یہ ترکیب بنوائی۔ (بنوائی مطلب تشکیل دلوائی)

جو ترکیب اس عظیم ترین دماغ نے سوچی اسے ہم ترکیب شاہ خان کے نام سے
یاد کرتے ہیں۔ اب آپ سمجھ گئے یہ ترکیب شاہ خان کیا ہے۔ تو دوستو۔ سارا [illegible]
[illegible]۔

ترکیب شاہ خان:

مرکزی خیال: (شاہ خان کی تحریری سائیکل بک سے اقتباس)

کوئی مرتا ہی نہیں بس روپ بدل لیتا ہے۔ کائنات کا یہ کھیل ایک شکل سے
دوسری شکل میں تبدیلی کا ہے۔ ان کا مشاہدہ الیکٹران مائیکروسکوپ سے کیا جا سکتا ہے جس
میں آپ کیمیائی اجزا، کو نظام ہضم میں خوراک کو ایک شکل سے دوسری میں تبدیل کرنے
سے، پودے میں کیمیائی توانائی و حرکی توانائی میں تبدیل کرتے دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری
روحانی [illegible] ہماری زمین کے حالات سے جڑا ہے۔

طریقہ: (شاہ خان کی تحریری سائیکل بک سے اقتباس)

اب آپ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر نظر ڈالیں۔ ایک پرندے کے
جسم کے ذرات چار کونوں میں رکھ دیں اور پھر انہیں جوڑ کے دوبارہ زندہ کر دیں۔ یہی
طریقہ [illegible] سے درست کر سکتا ہیں۔ [illegible] شامل ہو گئیں آپ کے جسم میں
[illegible] ہو گئے ہیں۔ اب انہیں زندہ کریں تو پرندے کے ٹکڑے آپ کے اندر سے
[illegible] آپ کے اندر زندہ ہے۔ آپ کا جو [illegible]

اداس مشکل ہے۔ اور اگر آپ نے اسے اپنا دوست بنا لیا ہو گا۔ یہ جاننے کے بعد کہ
کن پرندوں والی مثالیں پڑھ کر سب کی طرح آپ بھی اب مسکرائیں گے۔

• سب سے مناسب ترکیب یہ ہے کہ آپ اپنے دوست کو، مدد کریں کی جو خود آپ کی کیفیت
بدھ ماتون نے تیار کی ہے۔ اب آپ کو کرنا صرف یہ ہے کہ اپنے دوست کے چھوٹے
چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کریں اور ان کو
درست کرتا ہے۔ پھر ان کو کھا جاتا ہے۔ آپ کے دوست کے ٹکڑے اب آپ کے اندر
سے نکل رہے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ اب آپ کے اندر زندہ ہے۔

یعنی بڑا اسا، وہ سا مارا ہوا

اپنے دوست کو پکا کر کھا جائیں اور پھر شاہ طاہر کی طرح زیر لب مسکرائیں۔

○

ملحد نامہ

لوگ کہتے ہیں الحاد نہیں پھیلنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں تھوڑا تھوڑا تو پھیلنا چاہیے۔ ورنہ تفریح ہی رہے گی۔ آخر کو اس دنیا میں بندر بھی تو ہیں۔ ہمارے کس کام کے؟ مگر جو گھر میں بندر نہ نظر آئے تو بچے منہ بنا کر واپس آتے ہیں۔

الحاد کو کسی حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔ مگر کچھ قوانین کے ساتھ۔ ملحدوں کو پبلک مقامات پہ کپڑے پہننے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس سے ملحدوں کو ویسے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کے لحاظ میں شرم و حیا نفسیاتی مرض سے زیادہ کچھ نہیں۔ لہٰذا انہیں کپڑے پہننے کے اس مرض سے قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔

دوسرا فائدہ پاکستانیوں کو ہوگا۔ سنا ہے پاکستانی قوم پورن دیکھنے میں نمبر 1 ہے۔ بڑا شوق ہے انہیں لوگوں کو ننگا دیکھنے کا۔ خواہ مخواہ گوگل پہ سرچ ورچ مارتے پھرتے ہیں۔ پیسے کا ضیاع وقت کا ضیاع۔ اتنے پیسے انٹرنیٹ پہ خرچ ہوتے ہیں بچیں گے تو اسی سے غریب کی بچی کی شادی ہو جائے گی۔

لوگ ایک تیر سے دو شکار کرتے ہیں۔ میں نے دیکھیں کتنے شکار کر لیے۔

۱۔ ملحدوں کو ننگا گھومنے کا شوق ہے۔ ان کا شوق پورا ہو جائے گا۔

۲۔ پاکستانیوں کو ننگے لوگ دیکھنے کا شوق ہے۔ گھر کی کھڑکی کھولی اور دیکھ لیا۔

۳۔ ملحدوں کا ڈارون ازم پورا ہو جائے گا ننگے گھومنے سے۔

۴۔ امجد حسین کو عرفان حاصل ہو جائے گا۔

۵۔ پاکستانیوں کے انٹرنیٹ سے پورن مویز سائٹس سے فوراً ہٹا دی جائے گی۔

۶۔ بچوں کو بندر دکھانے چڑیا گھر نہیں لے جائیں گے۔ کل مجھے میری بیوی نے روک لیا اور بچے کو دکھا دیا کہ بیٹا ایسا ہی ہوتا ہے بندر۔ چڑیا گھر جانے کے پیسے بھی بچ گئے۔ اس سے شرفو کی دوسری بیٹی کی بھی شادی ہو جائے گی۔

جذباتی پاکستانی کہتے ہیں ہم گدھوں کو سڑکوں پر ننگا گھومنے نہیں دیں گے۔

کیوں نہیں گھومنے دو گے بھئی؟ پاکستان کیا صرف تمہارے باپ کا ہے؟ گدھوں کا بھی اس پر اتنا ہی حق ہے۔ آخر کتے اور بلیاں بھی تو سڑکوں پر ننگے ہی گھومتے ہیں۔ انہیں تو کوئی کچھ نہیں کہتا۔ پھر گدھوں کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں؟ کیا تم کسی کتے، بلی کو زبردستی کپڑے پہننے پر مجبور کر سکتے ہو؟ تو پھر تمہیں کس نے یہ حق دیا کہ تم گدھوں کو زبردستی کپڑے پہننے پر مجبور کرو؟

جس طرح انسانوں کے حقوق ہوتے ہیں۔

جانوروں کے حقوق ہوتے ہیں۔

اسی طرح گدھوں کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔

مجھے تو یہ بھی سمجھ نہیں آتا کہ پورن دیکھنے سے کیا مراد ہے؟

ہم چڑیا گھر جاتے ہیں۔ وہاں کسی بھی جانور نے کپڑے نہیں پہنے ہوتے۔ تو کیا ہم ان جانوروں کو پردہ کروا دیں؟ یا ہم انہیں دیکھ کر پورن دیکھنے کے مرتکب ہو جاتے ہیں؟

اب یہی منظر اگر ہم ٹی وی سکرین پر یا کمپیوٹر سکرین پر دیکھیں تو لوگ کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔

گدھوں کی اصل میں سوچ بڑی گہری ہوتی ہے۔ بعض اوقات بندہ سڑک پر ہوتا ہے اور اسے ٹوائلٹ جانے کی حاجت ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں پبلک ٹوائلٹ اتنے آسان نہیں۔ جتنی دیر میں ٹوائلٹ ملتا ہے، تب تک حاجت اپنے انجام تک پہنچ چکی ہوتی

ہے۔ ایسے میں جب بندہ گھبراہٹ میں اپنی شلوار کا نالہ کھولتا ہے تو غلطی سے گانٹھ لگ جاتی ہے۔ بڑی بے بسی محسوس ہوتی ہے کہ یہ عمل کیوں نہیں ... جائے پا ازار بند کی دیوار۔ پینٹ شرٹ پہننے والوں کی پینٹ کا اوپری ... جتنی مرضی پریکٹس کر رکھی ہو مگر موقعے پر دھوکا دے جاتا ہے۔

جانور ان تمام جھنجھٹوں سے پاک ہوں گے۔ جب حاجت ہوئی کسی بھی ... کنارے بیٹھ گئے یا کسی کھمبے کے ساتھ کھڑے ہو کر ٹانگ اٹھا دی۔ نہ پلیٹ ڈھونڈنے کا تکلف نہ شلوار یا پینٹ اتارنے کا جھنجھٹ۔ سکون ہی سکون۔

کہتے ہیں انسان اور جانور میں صرف شرم و حیا کا ہی فرق ہوتا ہے۔ انسان کپڑے پہنتے ہیں اور جانور نہیں پہنتے۔ جبکہ یہ اصول غلط ہے۔ جانور کپڑے نہیں پہنتے تو ان کے جسم پر فر کی کھال ہوتی ہے جو انسانوں کو بہت مہنگی پڑتی ہے۔ جانور پتہ نہیں کیسے اتنی مہنگی کھال افورڈ کر لیتے ہیں۔ پتہ نہیں کون سا کاروبار کرتے ہیں۔ مگرمچھ کی کھال سے بنے والا چھوٹا سا پرس دنیا میں انتہائی مہنگا بکتا ہے۔ مگرمچھ خود اتنی مہنگی کھال پہن کر گھومتا ہے تو دیکھیں کہ غرور بھی نہیں کرتا۔ کسی خاتون نے مگرمچھ کی کھال کا پرس پکڑا ہو تو جان بوجھ کر گھما کر دکھاتی ہے کہ مگرمچھ کی کھال کا ہے اسے گول گول گھومنے کی عادت ہے۔ مگرمچھ اپنی کھال بھی نہیں بیچتا۔ چوری کرنی پڑتی ہے۔ انسان کے جسم پر اتنی مہنگی کھال ہو تو بیچ کر آئی فون خرید لے۔

تو میں بتا رہا تھا کہ انسان اور جانور میں صرف شرم و حیا کا ہی فرق ہوتا ہے۔

انسان - شرم و حیا = جانور

اگلا فارمولا اس سے بھی دلچسپ ہے۔

جانور - رب کی شناخت = [illegible]

قدرتی قوانین اور نیچرل لاز

پہلے تو اپنے تمام بھائیوں سے تعزیت جو ہمارے مسلمان بھائی حافظ بابر علی سے زیادہ تر حقیقی زندگی میں یا سوشل میڈیا پہ۔ اللہ حافظ بابر علی کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو معاف فرمائے۔

میں حافظ بابر علی صاحب سے براہ راست واقف نہیں۔ بس اسی گروپ میں آکر ان کا ذکر سنا۔ ایک بھائی نے ان کی ایک تحریر بھی تحریر کی ہے۔ اور حیرت ناک رفتار سے محمود ان کے گروپ سے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ یقیناً حافظ بابر علی کی یہ تحریر گروپ میں پہلے بھی تحریر ہوئی ہوگی مگر عقل کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کی تحریر کا جواب اس کے مرنے کے بعد دیا جائے۔ تاکہ جواب در جواب کا ایک سلسلہ شروع ہو سکے اور آخری جواب پہ قصہ تمام ہو جائے۔

ہماری بھی تحریریں جمع کر رکھو بھائی کہ محمود کا وہ ٹیگ ہے۔ ہمارے مرنے پہ ہماری تحریروں کے جوابات بھی آنے شروع ہو جائیں گے۔ فی الحال تو سناٹا چھا جاتا ہے۔

حافظ بابر علی صاحب نے لکھا تھا کہ انسان کے لئے خوراک کا انتظام قدرت نے پہلے ہی کر دیا تھا جس کی لئے انہوں نے سبزیاں پھل اور میوہ جات کی مثالیں دیں۔

ایک محمد مسعود ملک نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ قدرت نے جو اناج دیا تھا وہ ناقص تھا وہ خوراک کھانے کے قابل ہی نہ تھی۔ پھر انسان نے ایگریکلچرل انجینئرنگ میں ترقی کی اور اس خوراک کو قابل استعمال بنایا۔ اس کے لئے انہوں نے کیلے کی مثال دی کہ نامعلوم سی ...ہزار سال پرانی بات ہے کہ کیلا کھانے کے قابل نہ تھا۔ پھر کچھ

دانوں نے ایگریکلچرل انجینئرنگ میں ترقی کی اور [illegible]
اس بات کے ثبوت میں انہوں نے ہزاروں سال پرانے [illegible]
تصویر سے موازنہ بھی کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ [illegible]
کسی مومن نے اعتراض اٹھایا کہ ہزاروں سال پرانے [illegible]
کسی طرح نے اعتراض اٹھایا ہے؟ وہ تو معصوم رہے تھے [illegible]
بیچارے ہمیشہ کیلا کھاتے ہوئے شرمندہ رہتے تھے کہ جس نباتات [illegible]
خوراک [illegible] کرنی پڑتی ہے وہ اور کی منافقت۔ آج مسعود نے یہ مسئلہ [illegible]
اب کوئی مومن تو کیلا کھاتے ہوئے شرمندگی محسوس کرے گا نہ کیلے کا چھلکا [illegible]
سائنس کی ایجاد ہے۔ خبردار جو کسی نے اس کو قدرتی پھل قرار دیا۔

سبحان اللہ۔ میں صدقے جاؤں ان مایہ ناز سائنس دانوں کے جو [illegible]
بھوکے ننگے خالی پیٹ انسان کا پیٹ بھرنے کے لئے [illegible]
جدید لیبارٹریوں میں بدل کر وہاں سبزیاں اور پھل قابل استعمال حالت میں [illegible]
مصروف تھے۔ شروع کا انسان گوشت کھا کر تنگ آ چکا تھا۔ یہ سوال بھی [illegible]
اچھا تھا کہ جن جانوروں کا گوشت استعمال کیا جاتا تھا کیا وہ قدرتی تھے؟ [illegible]
نفسیات کو دیکھتے ہوئے سوال پوچھنے سے اجتناب کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مومن [illegible]
نعمت سے بھی محروم ہو جائیں۔ اور کل کلاں کو ہمیں پتہ چلے کہ جو بکرے ہم کھاتے [illegible]
درحقیقت [illegible] نے ایجاد کئے تھے۔ جو مچھلیاں ہم کھاتے ہیں وہ [illegible]
[illegible] نے ایجاد کی تھی۔ چپ کر کے اللہ کا رزق بھی کھاتے رہو [illegible]
کھل گئے، اگر گوشت کا بھی راز کھل گیا تو ہم مومن کہیں کے نہ رہیں گے۔

[illegible] اعتراض حافظ [illegible] بھائی نے دوائیوں میں موجود قدرتی اجزا پر [illegible]
جس کے جواب میں [illegible] نے فرمایا کہ جو چیز قدرت میں پائی جائے وہی تو قدرتی
کہلاتی ہے۔ سبحان اللہ۔ بالکل ٹھیک فرمایا مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر قدرتی چیز [illegible]
[illegible] قدرتی ثابت کرنے کے لئے [illegible]

کائنات کی ہانڈی

قارئین! آج ہم آپ کو کائنات بنانے کا آسان طریقہ لکھتے ہیں۔

اجزائے ترکیبی:

کچھ نہیں آدھا کلو (ابلا ہوا)

کچھ نہیں ایک پاؤ

کچھ نہیں دو چائے کے چمچ

کچھ نہیں کا تیل ایک کپ

کچھ نہیں اور کچھ نہیں کا پیسٹ ایک کھانے کا چمچ

کچھ نہیں لال مرچ (پسی ہوئی)

کچھ نہیں کے پھول چار عدد

کچھ نہیں کا رنگ آدھا چائے کا چمچ

کچھ نہیں آدھا چمچ (فرائی کیا ہوا)

ترکیب:

ایک پاؤ کچھ نہیں میں آدھا چمچ کچھ نہیں کا رنگ ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔
پھر اس میں آدھا کلو ابلا ہوا کچھ نہیں ڈال کر ہلکی آنچ پہ آدھا گھنٹا بھونیں۔
جب اس کا رنگ کسی حد تک سنہری ہو جائے تو اس میں ایک کھانے کا چمچ
کچھ نہیں کا پیسٹ ملا لیں اور چمچ چلاتے رہیں۔ پھر اس میں چار عدد کچھ نہیں کے

پھر ... ذرا سی ہوا چند نہیں ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ دھیمی آنچ پر ... سے انتظار کریں۔ جیسے ہی ہانڈی کھولیں گے بہت ساری چیزیں نیچے، میں ... سے ... وغیرہ تخلیق ہو چکے ہوں گے اور ہر چیز اپنی اپنی جگہ جڑی ترتیب سے درست ہو چکی۔

ایک مزیدار اور خوشنما کائنات تیار ہے۔

چند اعتراضات اور ان کے جوابات:

چند جاہل اور ان پڑھ ملحدوں نے سوالات پوچھے تھے جو حسب ذیل تھے:

۱۔ اس ہانڈی کو کس برتن میں پکاتا ہے جبکہ ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے؟

جواب: جب آپ خود اپنے منہ سے اقرار کر رہے ہیں کہ آپ کے پاس "کچھ بھی نہیں" موجود ہے تو اسی میں پکا لیں۔

۲۔ بھوننے ابالنے اور فرائی کرنے کے لئے آگ کی ضرورت ہے۔ وہ آگ کہاں سے آئے گی؟

جواب: کسی ملحد کو بھوسے کے ڈھیر پر بٹھائیں اور اسے خدا کی ... دیں ... وہ آپ کے پیچھے بھاگے گا۔ اسے ... دے کر واپس آئیں تو بھوسے کے ڈھیر میں آگ لگ چکی ہوگی۔ یہ ہانڈی اسی آگ پر پکی ہے۔ غاروں میں رہنے والے قدیم انسان بھی آگ لگانے کے لئے یہی طریقہ استعمال کرتے تھے۔

۳۔ جب کچھ نہیں کو کچھ نہیں کے ساتھ پکایا جائے گا تو ہانڈی کس چیز میں ہوگا نہیں ... ہے یا نہیں؟

جواب: یہ ایک سائنسی اصول ہے کہ جب "کچھ نہیں" کو "کچھ نہیں" سے ... [illegible] ... "کچھ" بنتا ہے۔ [illegible] ... ملحدوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس سے ... [illegible] ... جواب نہیں دیں گے۔ سائنس ... وقت آنے پر ... [illegible]

جواب خود بخود دے دے گی۔

اگر آپ کو کائنات بنانے کا یہ طریقہ مشکل لگتا ہے تو ایک اور طریقہ بتا دیتی ہوں۔ جو کہ ... نے بتایا۔ اس کے مطابق:

آپ تھوڑا سا وقت لیں اور تھوڑی سی خالی جگہ۔ ان دونوں کو آپس میں ملا کر لیں۔ ایک زوردار دھماکہ ہوگا اور کائنات تخلیق ہو جائے گی۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ کائنات موجود نہیں ہے لیکن یہ طریقہ ایجاد کرنے کے بعد ... نے ... کی طرح خودکشی کر لی تھی۔

○

اللہ کی مرضی اور انسان کی مرضی

پہلا منظر

میں: مجھے دو درجن انڈے چاہئیں۔

دکاندار: جناب انڈے نہیں ہیں۔

میں: کیوں؟ [illegible]

دکاندار: جناب [illegible]

میں: تو کیا مرغیوں کو کوئی بیماری؟

دکاندار: اللہ نہ کرے جناب۔ [illegible] مرغیاں سب کی [illegible] جان کی سلامت۔

میں: تو کیا مرغیوں نے انڈے [illegible] ہو گیا [illegible] ان کا؟

دکاندار: نہیں جناب مرغیوں نے انڈے [illegible] رہی ہیں۔

میں: تو پھر انڈے کہاں [illegible]؟

دکاندار: جناب! [illegible]

میں: [illegible]

دکاندار: بیٹا میرے پاس تو فاسلز ہی ہیں۔ انڈے، بچے، اور بڑے
چوزے، مچھلیاں وغیرہ۔

میں: مگر جب مرغیاں سلامت ہیں تو وہ اور انڈے کیوں نہیں دے رہیں؟

دکاندار: وہ انڈے دیتی ہیں مگر ناپید ہو جاتے ہیں۔

میں: وہ کیسے؟

دکاندار: اللہ کی مرضی بیٹا۔

دوسرا منظر

ٹیچر: چمپینزیز نے لاکھوں سال کی تبدیلیوں کے بعد ہومو ارکٹس کا روپ دھارا اور پھر لاکھوں سالوں کی مسافت طے کر کے انسان بن گئے۔

میں: وہ ہومو ارکٹس آج کہاں ہیں سر؟

ٹیچر: وہ ناپید ہو گئے سارے کے سارے۔

میں: کیوں؟ کیا سارے چمپینزی مر گئے؟

ٹیچر: نہیں بیٹا! شبھ شبھ بولو۔ چمپینزی سب بچ گئے ہیں۔ سلامت ہیں۔

میں: پھر کیا ارتقاء رک گیا؟

ٹیچر: نہیں بیٹا! ارتقاء اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری و ساری ہے۔

میں: تو پھر ہومو ارکٹس کیسے ناپید ہو سکتے ہیں؟

ٹیچر: بیٹا "کچھ" ایسا ہوا کہ سارے کے سارے ہومو ارکٹس ناپید ہو گئے۔ اب صرف ان کے فاسلز موجود ہیں۔ کہتے ہو تو فاسلز کے ثبوت پیش کروں؟

میں: مگر جب چمپینزیز موجود ہیں تو وہ مزید ارتقاء پذیر ہو کر ہومو ارکٹس میں تبدیل کیوں نہیں ہو رہے؟

ٹیچر: سائنس کی مرضی بیٹا۔

تلاش گمشدہ

(ایک طنز یوسف امرازی سے پہلے چھپا تھا۔ خدا نے اس پر مجھ سے ملاقات کی
جانے۔ دوران ملاقات وہ میرے دل سے اتنے بیزار ہوئے کہ ملاقات چھوڑ کر فرار
ہو گئے اور ہمیں ان کی تلاش میں جگہ جگہ ملاقات کرنی پڑی ہے۔)

کہتے ہیں ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ مگر ہم تو ڈھونڈتے ڈھونڈتے
بندہ خود ہی گم ہو جاتا ہے۔ یہ بات ایک طنز جن کی عمر پچیس تیس سال ہے۔ بتاتا
یوسف امرازی بتاتے ہیں کہ گم ہو چکے ہیں۔ آخری مرتبہ انہیں ساتھ لوگوں میں دیکھے گئے
تھے۔ سفید رنگ کی شرٹ اور اب تیزی سے رنگ رہی ہے۔ یہ بھی شعر ہے کہ دیال تیوری اور ہے
وہ حسین کی طرح وہ من وی کے چہروں میں نہیں پڑتے ورنہ تجھے بری کا تو حلیہ بتانا
مشکل کام ہے۔ دراصل تو اب بقول ان سے تو لطیف ہے مگر ری لوگوں میں اب بہت شدید
خراب پیدا ہوتا ہے۔ حسن صاحب کو جیسی دوکان سے پکڑ کر رکھا ہے، ان کے اوپر دیکھا ہے
کہ بھائی یہ جو پنڈورا بکس کھولا ہے اسے بند کون کرے گا؟ خود پوچھیں تو خود ہی واپس
آ جائیں۔ انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ میں سوال کی مدد دوں گا۔ بعد میں سوال پوچھوں گا
... دوں گا۔

نہیں۔ آپ خود ہی سوال پوچھتے رہتا۔ میں صرف ہنسوں اور دوں گا۔ بعد تحقیق سے بھی کی
مجھ سے غلطی ہوئی کہ سوال تھوڑے سے مشکل ہو گئے۔ ... بھلا
اس لئے تو بات ہوا ہے۔ اسے تخلیق نے بھی کی ... سب
... کر دیے جاتے ہیں۔

نے پیچھے امرازی کے مرے بیٹھے۔ جس ملحد کو دیکھو وہ فاسل لے کر گھوم رہا ہے۔ بلی اور اونٹ کی نسل کی ہو گئی تب جا کر اس کے فاسل ملے۔ امرازی کے بھی مجھے لگتا ہے اب فاسل بن جائیں گے۔ اس کی ایک ہڈی اور ایک دانت سے پھر ملحدوں نے وہ مخلوق بنا کر کھڑی کر دی ہے کہ جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی دل میں اس کا خیال آیا۔ مستقبل میں بھی جب ہمارے گروپ کی کھدائی کی گئی تو یہاں سے بڑے ملحدوں کے فاسل دریافت ہونے والے تھے۔ ہماری نسلیں ان پر مقالے لکھیں گی اور ملحد کہیں گے دیکھو دیکھو ارتقاء ثابت ہو گیا۔

○

دنیا کی کمسن ترین ملحدہ گریز شمسی

آیئے آج ہم آپ کو دنیا کی کمسن ترین ملحدہ سے ملوائیں۔ ان کا نام ہے گریز شمسی۔ ان خاتون نے اپنے بچپن میں ۱۰۰۰ باتیں سوچیں جو ہم نے آج تک نہ سوچیں۔ 1992 میں پیدا ہونے والی یہ حیرت انگیز بچی کوئی عام بچی نہیں ہے بلکہ گریز شمسی ہے گریز شمسی۔

جب انہوں نے پہلی بار سوشل میڈیا پر اسلام سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا تو اس کے بعد سے آج تک سیکڑوں بار مومنین ان سے پوچھ چکے ہیں کہ آپ نے اسلام ترک کر کے الحاد کیوں اختیار کیا؟ پورے سوشل میڈیا کے تمام مومنین میں بے چینی کی لہر پھیل گئی۔ سب کے دلوں میں ایک ہی سوال تھا کہ اب کیا ہوگا؟

اب اسلام کا کیا بنے گا جب گریز شمسی ہی چھوڑ گئی؟

کیا اسلام اپنے وجود کو برقرار رکھ پائے گا؟

اپنے ترک اسلام اور قبول الحاد کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ

"بچپن میں کھیل ہی کھیل میں جب بھی بھائی مجھ پر ہاتھ اٹھاتا اور میں امی سے اس کی شکایت کرتی تو امی بھائی کو ڈانٹنے یا سمجھانے کے بجائے الٹا مجھے سمجھانا شروع کر دیتیں اور کہتیں:

"بیٹا وہ آپ کا بھائی ہے، اور بھائی سے ناراض نہیں ہونا چاہیے اور اس کی شکایت نہیں کرنی چاہیے۔"

یہ بیان کرتی ہیں کہ:

"اسی طرح اگر کبھی کھیل ہی کھیل میں میں اپنے کسی بھائی کو کاٹ بھی لیتی اور وہ امی کے پاس شکایت لے کر جاتا تو جب بھی امی نے مجھے کاٹنے میں ہی غلطی تھی یعنی بھائیوں کو وہ کبھی کچھ نہ کہتیں۔"

اب آپ خود فیصلہ کریں کہ یہ ملحد کیوں نہ ہوتیں؟ اس کا بھائی جو کہ ایک بت پرست مسلمان تھا اور (چار پانچ سال) روایتی مرد بھی تھا اس کو ڈانٹ کر یا مار کر حقوق نسواں پرواہ کرتا تھا اور اس کی والدہ جو کہ ایک شدت پسند مسلمان خاتون تھیں اس معاملے میں مجرمانہ خاموشی اختیار کر لیتیں۔ جبکہ اس کے برخلاف جب یہ اپنے کسی بھائی کو "کاٹ لیتیں یا "نوچ" لیتیں تو شکایت پر اس کی بازپرس ہو جاتی۔

یہ سوچ کی پختگی بھی کسی کسی کو ودیعت ہوتی ہے ورنہ ایک ہم بھی تھے بیوقوف۔ جن کی بڑی بہنیں سبق یاد نہ کرنے پر مار مار کے بھرکس نکال دیا کرتی تھیں اور ہمیں احتجاج تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔ احتجاج کا مطلب ہوتا تھا اپنے لیے ایک اور چھترول کا راستہ ہموار کرنا۔ ہمارے لیے تو ہماری ماں ہائی کورٹ تھیں نہ ہی سپریم کورٹ کہ جہاں شکایت کر کے اپنے مردانہ حقوق کی آواز اٹھائی جا سکے۔ جس پلیٹ فارم پر بھی گئے شرمندہ کروا کر آئے۔ خود راقم کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ بہن بھائیوں کو نہیں بلکہ مردانہ حقوق اور زنانہ حقوق کا معاملہ ہے۔

مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ میری پیدائش پر عقیقے کے دو بکرے قربان ہوئے تھے یا ایک۔ اللہ جانے عقیقہ ہوا بھی تھا یا نہیں۔ اتنی گہری سوچ اور عقل رکھنے کے لیے گھر کا ماحول ضروری ہے جو کہ میں نہیں تھا۔

پھر یہ فرماتی ہیں۔

اس کی وجہ انہیں دس سال کی عمر میں ہوئی جب پڑوسیوں کے گھر بیٹا ہوا اور بیٹا ہونے پر پڑوسیوں نے لڑکے کے لیے دو بکرے عقیقے کے طور پر قربان کیے اور

کے لیے صرف ایک۔ انہوں نے والدہ سے وجہ پوچھی تو والدہ نے بتایا کہ فقہ کے تحت ہم بحث نہیں کرتے۔ یہ بکرے چونکہ صدقے کے بکرے ہوتے تھے لہٰذا ان سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔

یہ حکم چونکہ اسلام کا ہے لہٰذا انہوں نے مزید اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر قرآن کا ترجمہ اور احادیث پڑھیں۔ جیسے جیسے یہ پڑھتی گئیں اسلام کی پول کھلتی گئی۔

اسلام مرد بچوں کے لیے دو بکروں کی قربانی کا حکم اس لیے دیتا ہے تاکہ لڑکے کی ساری بلائیں اتر جائیں اور لڑکی کی تھوڑی سی بلائیں ہی ٹل جائیں۔

میرے خیال سے یہ صرف بکروں کی تعداد کا تنازعہ ہے۔ گوشت کا اس سے تعلق اس لیے نہیں بنتا کہ ایک تو یہ گوشت صرف مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے گھر والے خود نہیں کھاتے۔ اور اگر کھا بھی لیں تو جن بچوں کی عمریں ابھی کل سات دن ہیں ان کے نصیبوں میں یہ گوشت نہیں۔ چاہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ دانتوں کے بغیر گوشت نہیں کھایا جا سکتا۔ یعنی اس پر اعتراض بھی غریب فریدہ کا بنتا ہے جن کو لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں نسبتاً کم گوشت کھانے کو ملے۔

یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ فریدہ نے عقیقے والی حدیث خود نہیں پڑھ لی۔ کیوں کہ حدیث میں بکرے کی جگہ بکری کے الفاظ ہیں۔ کہ حقوق نسواں کا مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ حقوق بکریاں گلے پڑ جاتا کہ ایک لڑکے کے لیے دو جانوروں سے بکرے کی نہیں بکریاں۔

پھر آگے فرماتی ہیں کہ انہوں نے قرآن کے ترجمے کا مطالعہ شروع کیا۔

”جیسے جیسے میں یہ ترجمہ پڑھتی گئی ویسے ویسے میرا دل الٹتا گیا کیونکہ مجھے قرآن میں جگہ جگہ ایسی باتیں نظر آئیں جو کسی بھی طرح میری فطرت سے میل نہیں کھاتی تھیں اور مجھے مکمل طور پر غیر فطری محسوس ہوئیں۔“

یہاں انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ وہ کون سی باتیں تھیں جو ان کی

عورت نے منع نہیں کیا تھیں۔ بہرحال پھر فرماتی ہیں کہ اس کا دل ٹوٹ گیا کہ خدا نے مجھے ہی عورت کیوں بنایا۔ ایک یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر سے رہنمائی لینے کی کوشش کی مگر کہاں ایک یونیورسٹی کا معمولی پروفیسر اور کہاں گریز جسٹس۔ چاروں شانے چت ہو گیا بیچارہ۔

پھر انہوں نے خودکشی کی کوششیں بھی کیں۔ مگر کامیاب نہ ہو سکیں اور آخرکار ملحد ہو گئیں۔

کیا کہانی ختم ہو گئی؟

جی نہیں۔ کہانی تو اب شروع ہوئی ہے۔ اس سے آگے کی اب داستان مجھ سے سن۔

انہوں نے مجھے کتاب الحاد پر ابھی تک ریسرچ نہیں کی۔ وہ میں کروا دیتا ہوں۔
آخر میں بھی تو یہاں کسی کام سے بیٹھا ہوں۔ دلیاں کھانے کی مجھے عادت نہیں۔

جس الحاد کو انہوں نے اسلام ترک کر کے چنا وہاں سرے سے عقیقہ ہی نہیں ہوتا۔ کیا لڑکا اور کیا لڑکی۔ کیا ایک بکرا تو کیا دو بکرے۔

وہاں کے مسائل دوسرے ہیں۔

وہاں بچے کی ماں کو بچے کے پیدا ہونے پر سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اس کی پیدائش کا الزام کس مرد پہ ڈالنا ہے۔ الحاد میں نکاح نہیں ہوتا۔ باہمی رضامندی سے راتیں گزاری جاتی ہیں۔ ایک مرد سے جی بھر آئے تو دوسرا مرد۔ دوسرے سے جی اکتا جائے تو تیسرا مرد۔ راتیں گزارنے کے اس معاہدے میں یہ شق بالکل نہیں ہوتی کہ اگر بچہ پیدا ہوا تو پالے گا کون۔ عقیقہ تو بعد کی بات ہے۔ ملحد مرد ایسی ذمہ داریوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ مرد نے چند منٹ کے مزے کی قیمت وہ کسی بچے کو تاحیات پال کر کبھی نہیں دیتا۔

آپ ایک بکرے اور دو بکروں کو رو رہی ہو۔ الحاد میں بچے کی پیدائش پر صرف اور صرف ماں قربان ہوتی ہے۔ یعنی مرد نہیں۔ صرف عورت۔

مرد چند منٹ مزے لے کر کہے گا You are a good girl Thank you -
عورت اس کے جانے کے بعد نو ماہ تک پیٹ میں تکلیف سہے گی۔ پھر تاحیات اس

کون وہ تنہا پالے گی۔ مرد کا دل کرے تو بچے کے لیے کوئی خرچ دے سکتا ہے ورنہ [illegible] اس کو اس بات کا پابند نہیں کرتا۔

آپ نے خدا کا انکار کر دیا اسے الحاد کہا جاتا ہے۔ ٹھیک ہے۔

مگر کیا اب مرد اور عورت برابر ہو گئے؟

مرد کے چند منٹ کے مزے اور عورت کی نو مہینے کی تکلیف کے برابر۔

کیا اس کو برابری کہتے ہیں؟

کس نے کیا عورت پر یہ ظلم؟

خدا کے وجود کا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اب باقی ارتقاء بچا ہے۔

ارتقاء نے مرد اور عورت کو برابر کیوں نہ بنایا؟

مرد اور عورت دونوں ایک رات خوب عیاشی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے بعد مرد ہاتھ منہ دھو کر گھر چلا جائے اور عورت نو مہینے اس کے بچے کا بوجھ اٹھائے گھومتی رہے۔ کیا ایسا نہ ہو سکتا تھا کہ یہی بوجھ ساڑھے چار مہینے مرد اٹھاتا، ساڑھے چار مہینے عورت؟ نو مہینے بعد دونوں مل کر بچہ پیدا کر لیتے؟ ایک جیسی تکلیف سہتے؟ کیوں ڈی این اے نے اپنے ارتقاء کے وقت اتنی عقل استعمال نہ کی؟

بچہ پیدا ہونے پر پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد یہ بات تسلیم ہی نہیں کرے گا کہ اس بچے کا باپ وہ ہے۔ پھر اگر ڈی این اے ٹیسٹ سے ثابت ہو بھی گیا تو اگلا مطالبہ یہ کہ کیا ہم نے اس شرط کے ساتھ رات گزاری تھی کہ بچہ پیدا ہوا تو باپ ذمہ داری اٹھائے گا؟

ٹھیک ہے۔ ہوئی غلطی۔ جذبات کی رو میں بہک گئے دونوں۔ اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں مگر بچہ ساری عمر نہیں پال سکتا۔ میں نے ایک رات گزاری ہے۔ اس کی قیمت دینے کو تیار ہوں۔ بس....

اب اس ایک رات کی وصولی کرو، وہ قیمت سے بچے کا [illegible]

سمجھنا آپ کا کام ہے۔

کچھ بھی نہیں

انسانی زندگی میں اغراض و مقاصد کی بڑی خصوصی اہمیت ہے۔

مسلمان دین کی تبلیغ کیوں کرتے ہیں؟

کیوں کہ انہیں جنت ملے گی۔

ہندو اپنے دھرم کا پرچار کیوں کرتے ہیں؟

کیوں کہ انہیں سورگ میں جانا ہے۔

عیسائی اور یہودی اپنے دین کو فروغ دیتے ہیں تاکہ انہیں ہیون Heaven ملے۔

مگر ملحد الحاد کا پرچار کیوں کرتے ہیں؟

انہیں کیا ملے گا؟

کچھ بھی نہیں۔

مجھے میرے آفس والے کہیں کہ آپ روز آفس آؤ۔ صبح سے شام تک محنت کرو۔ مگر ہم آپ کو کچھ بھی نہیں دیں گے۔ تو پھر نوکری کرتی ہے میری جوتی۔ میرا دماغ خراب ہے میں صبح سے شام تک محنت کروں مگر ملے کچھ بھی نہیں۔

مگر میں ملحدوں کی بے لوث محنت دیکھ کر حیران ہوتا ہوں۔ سید امجد حسین کی بینائی متاثر ہو چکی ہے۔ اسلام کے خلاف دو کتابیں لکھ چکے ہیں۔ فیس بک پہ تقریباً روزانہ ان کی تحریر آتی ہے۔ سو دو جوتے کھاتے ہیں۔ کسی دن بھی جھٹکے سے جان نکل جائے گی۔

ملے گا کیا؟

کچھ بھی نہیں۔

اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اسلام کے خلاف سارا دن فیس بک پہ کام بھی کرتے ہیں۔ توہین کرتے ہیں۔ پراکسی استعمال کر کے اپنی حفاظت کا کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں۔ پھر جس دن کسی مسلمان کے ہتھے چڑھ جائیں اس دن مشال خان کی طرح جام شہادت نوش کر جاتے ہیں۔

اس کے بعد ملتا کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

اس دنیا میں ایک کتا بھی بھونکتا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔

مگر آپ ملحدوں سے پوچھیں کہ تمہیں اسلام کے خلاف بھونک کر ملتا کیا ہے؟

جواب ملے گا۔

کچھ بھی نہیں۔

اس "کچھ بھی نہیں" سے ملحدوں کا بڑا گہرا تعلق ہے۔

آپ ان سے پوچھیں۔

کائنات بننے سے پہلے کیا تھا؟

جواب ہوگا۔

کچھ بھی نہیں۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

کچھ بھی نہیں۔

پیدا ہونے سے پہلے انسان کیا تھا؟

کچھ بھی نہیں۔

عالم ارواح کا تصور کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

الحاد کی تبلیغ کا فائدہ کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

توہین کرنے سے کیا ملتا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے پیدا ہونے کا مقصد کیا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے پیدا ہونے سے دنیا کو کیا ملا؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہارے مرنے سے دنیا کو کیا نقصان ہوگا؟

کچھ بھی نہیں۔

رات کو سوتے وقت کیا پہننا چاہیے؟

کچھ بھی نہیں۔

تمہاری امی تمہارے ابو کی کیا لگتی ہیں؟

کچھ بھی نہیں۔

ملحدوں کے دماغ میں کیا ہوتا ہے؟

کچھ بھی نہیں۔

ان کی ہر کہانی "کچھ بھی نہیں" سے شروع ہو کر "کچھ بھی نہیں" پہ ہی ختم ہو جاتی

○

ہونا ہی تھا

ایک ملحد کی داستان عبرت

"میں اب آپ کو ایک منٹ بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی۔ ریموو یور ڈرٹی فیس فرام مائی سائٹ۔" وہ انتہائی غصے میں تھی۔

"مگر میری بچی۔ کچھ تو خیال کرو۔ میں بوڑھا اس عمر میں کہاں جاؤں گا؟" اس کے لہجے میں منت تھی۔

"یہ آپ کو اس عرفان کے ساتھ منہ کالا کروانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔" اس نے غصے کے عالم میں عرفان کو گھورا تو پاس کھڑا عرفان منہ پر ہاتھ پھیر کر گویا کالک مٹانے کی کوشش کرنے لگا۔

"میری بچی۔ میں نے تمہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا ہے۔ تمہارے ناز نخرے دیکھے ہیں۔ تمہیں تمہارے خدا کا واسطہ ہے۔ مجھے اس طرح بے عزت کر کے گھر سے مت نکالو۔ یاد کرو میں تمہیں کندھے پر بٹھا کر پورا بمبئی گھماتا تھا۔" وہ بولا۔

"خدا کا واسطہ تو آپ نہ ہی دیجیے۔ کس خدا کو مانتے ہیں آپ؟ گوگل کو؟ یا اپنے نفس کو؟" بچی نے حقارت سے جواب دیا۔

"بچی۔ میں سارے خداؤں کو مانتا ہوں۔ وہ تو فیس بک پہ یونہی دل لگی کرتا رہتا ہوں مگر دل سے سارے خداؤں کو مانتا ہوں۔" وہ منمنایا۔

"تو پھر مجھے خدا کا واسطہ نہ دیجیے۔ اپنے کسی خدا سے کہیے کہ آپ سے بچے کی

ادھر سے گھر بار کا ہو رہے۔" وہ غصے سے بولی۔

اس نے ایک دستک دی اور تھوڑی دیر میں وہ دونوں گھر سے باہر کھڑے تھے۔ نکلتے ہوئے صرف ایک جوڑا کپڑوں کا لے پائے تھے۔ شلوار عرفان نے پہن لی تھی اور قمیص احمد حسین نے۔ وہ جانتا تھا کہ ننگے گھومنے سے عرفان حاصل ہوتا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ بندہ گھر سے بے گھر کیسے ہو جاتا ہے۔

"پھر بھی۔" آخر احمد حسین بولا۔ "رفتہ رفتہ ختم قصہ ہو گیا، ہونا ہی تھا
وہ بھی آخر میرے سبب ہو گیا، ہونا ہی تھا۔"

"جی بالکل۔" عرفان نے جواب دیا۔ "گھر سے وہ بے گھر بالآخر ہو گیا، ہونا ہی تھا۔ بد سے بدتر حشر ہمارا ہو گیا، ہونا ہی تھا۔"

"تم نے کیا قسم کھائی ہوئی ہے میری شاعری کا بیڑا غرق کرنے کی؟ تم جانتے ہو جس محفل میں یہ غزل پڑھی تھی، وہاں شعر شعر ہو گیا تھا۔" احمد حسین غصے سے بولا۔

"جی ہاں تو جناب آپ کا حشر نشر ہو گیا ہے۔ اب جائیں کہاں ہے یہ سوچیں۔" عرفان نے یاد دلایا کہ وہ گھر سے نکالے جا چکے ہیں۔

"اب اسلام کی قبر کھودنے جا رہا ہے۔ اس بے عزتی کا بدلہ میں اسلام سے لوں گا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہے الغرض۔ میرے خیال میں گزارہ، توبہ توبہ استغفار۔" احمد حسین نے ترنم سے کہا۔

"جناب آپ گزارے کی فکر چھوڑیں شلوار کی فکر کریں جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ گلی میں رات کو ہوا کیسے چلتی ہے۔ سر سنبھالنا بھی مشکل ہو جائے گا اور میرا اندازہ ہے لونڈے بھی۔ اور محلے کی عورتیں الگ مذاق اڑائیں گی کہ کیسے گیا تیر اور آ رہے ننگے کی تیری شلوار تو بچا پاتے حضور۔" عرفان نے تمسخر سے کہہ کر پردہ ہٹایا۔

"شلوار کی فکر نہیں۔ وہ میں تم سے لے لوں گا۔" احمد حسین اطمینان سے بولا۔

"تو میں کیا پہنوں گا؟ تمبو؟" عرفان بوکھلا کر بولا۔

"تمہیں کچھ پہننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ ننگے گھومنے سے وٹامن ڈی کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔" امجد حسین نے کہا۔

"نہیں جناب۔ مجھے میرا روڈ کے درجن بھر لونڈوں سے وٹامن ڈی کی کمی پوری کروانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ ایسا کریں اپنی قمیض بھی اتار کر مجھے دے دیں۔ آپ تو ویسے بھی عجیب مشاغل میں مبتلا ہیں۔" عرفان نے گویا راز فاش کیا اور امجد حسین بوکھلا گیا۔

"خبردار جو تم نے پبلک میں میرا کوئی اور راز فاش کیا۔ مجھے صرف آنکھوں کی بیماری ہے سمجھے۔" امجد حسین جلدی سے بولا۔

"جناب وہ غالب تھا جس کے کہ ہاتھ کو جنبش نہیں تھی۔ آنکھوں میں دم تھا۔ آپ کے تو نہ ہاتھ کو جنبش نہ آنکھوں میں دم۔ اب تو جو کرے ساغر و مینا کرے آپ کے ساتھ۔ آپ کے بس میں کچھ نہیں۔" عرفان اطمینان سے بولا۔

"تم یہ فضول بکواس بند کرو اور وہ سامنے والے شیخ صاحب کا دروازہ بجا کر کہو قبلہ اشعر مجی صاحب بذات خود پدھارے ہیں۔ دیکھنا اب میں کیسے رہائش کا بندوبست کرتا ہوں۔" امجد حسین نے کہا۔ عرفان سامنے والے گھر کا دروازہ بجانے لگا۔ ایک خاتون باہر نکلیں۔ عرفان نے پیغام دیا تو خاتون نے پہلے ایک اچٹتی ہوئی نظر عرفان پر ڈالی۔ پھر تھوڑا منہ باہر نکال کر امجد کو سر سے پیر تک دیکھا اور عرفان کو کچھ کہہ کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔

عرفان مسکرا کر واپس آ گیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں شیخ صاحب کی بیگم؟" امجد نے بے چینی سے پوچھا۔

"وہ کہہ رہی تھیں کہ انہیں کہو کہیں اور جا کر پدھاریں۔ ہمارے ہاں پانی نہیں آ رہا۔" عرفان نے کہا اور امجد حسین نے سر پکڑ لیا۔

"ادبی زبان بھی نہیں سمجھتے یہ لوگ۔" امجد حسین بڑبڑایا۔

"جناب جس حلیے میں ہم گھوم رہے ہیں ہمیں ادب کی بات کرنی ہی نہیں چاہیے۔ ادب کی چلتی پھرتی توہین ہیں ہم۔ اگر میں آپ کا تعارف کروانے کے بجائے اللہ کے نام پر کچھ مانگ لیتا تو شاید مل جاتا۔" عرفان منہ بسورتے ہوئے بولا۔

"چلو کوئی نہیں۔ میرے پاس برے وقت کے لئے بندوبست ہے۔ آؤ چلیں۔" امجد حسین بولا اور وہ دونوں ایک سمت چل پڑے۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک بک اسٹال کے پاس کھڑے تھے۔

"اب میری بات ذرا دھیان سے سنو۔ یہ جو بک اسٹال ہے یہاں میں نے اپنی کتاب بکنے کے لئے رکھوائی ہوئی ہے۔ چھ ماہ میں کچھ تو کاپیاں بک گئی ہوں گی۔ ہم دونوں کے کچھ پیسے آ جائیں گے۔" امجد حسین نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے آپ اندر جا کر پیسے لے آئیں۔" عرفان خوش ہو کر بولا۔

"مگر اس حلیے میں جاؤں گا تو وہ مجھے بھیک بھی نہیں دے گا۔ تم تھوڑی دیر کے لئے اپنی شلوار مجھے دے دو۔ میں واپس آ کر تمہیں نیا بوسکی کا جوڑا دلوا دوں گا۔" امجد حسین نے کہا اور عرفان کی خوشی فوراً کافور ہو گئی۔

"نہیں جناب۔ میں ایسا رسک نہیں لے سکتا۔ آپ تو ویسے ہی بھگوڑے مشہور ہیں۔ اگر بھاگ گئے تو میں کہاں جاؤں گا؟" عرفان نے صاف جواب دیا۔

"دیکھو۔ بات کی نزاکت کو سمجھو۔ پھر میں تمہیں جنگ بدر کا قصہ سناؤں گا وہ بھی قسط وار۔" امجد حسین نے اسے لالچ دیا۔

"مجھے جنگ بدر میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے جنگِ دربدر کا وہی قصہ کافی ہے جو آپ جی کے درمیان میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ایک ہی قسط میں قصہ تمام۔" عرفان نے صاف انکار کر دیا۔

"دیکھو۔ میری بات مان لو۔" امجد حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ کم بخت صرف اپنے ننگے حال کی نزاکت کو دیکھ رہا تھا۔ مجبوراً امجد حسین کو اسی حلیے میں بک

اسٹال جانا پڑا۔

خوش قسمتی سے بک اسٹال کا مالک اسے پہچان گیا اور بڑے پرتپاک انداز سے ملا۔

"شکر ہے جناب آپ نے مجھے شکل دیکھتے ہی پہچان لیا۔" امجد حسین بولا۔

"ارے چھوڑیے جناب۔ شکل تک تو نوبت ہی نہ آئی۔ میں نے تو آپ کو آپ کی آنکھیں دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور امجد حسین جھینپ گیا۔

"تو کتنی کاپیاں بک گئیں ہماری کتاب کی؟" امجد حسین فوراً مطلب کی بات پر آ گیا۔

"ساری بک گئیں جناب۔" وہ بولا اور امجد حسین کی باچھیں کھل گئیں۔

"واہ اسے کہتے ہیں ادب کے سچے پرستار۔ گلی بھری پڑی ہے ادب کے قدردانوں سے۔ میں خوامخواہ پریشان ہو رہا تھا۔" امجد حسین بولا۔

"کافی عرصے تک تو ایک بھی نہیں بکی تھی۔ میں خود پریشان ہو گیا تھا کہ ان کو کہاں سنبھالوں۔ پھر پرسوں کرسو کباڑیا آ گیا۔ میں نے ساری تلوا دیں۔" اس نے بتایا۔

"تلوا دیں مطلب؟" امجد حسین چونکا۔

"تلوا دیں مطلب تلوا دیں۔ پورے تین روپے کلو کا ریٹ مل رہا تھا۔ آگے تو سنا ہے ریٹ گرنے والے ہیں ردی کے۔ پھر یہ بھاؤ بھی نہیں ملتا۔" بک اسٹال والے نے تفصیل بتائی۔

"کتنے پیسے ملے؟" امجد حسین نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"جناب۔ ایک ہزار کاپیاں تھیں۔ دو سو گرام کی ایک کاپی کے حساب سے ۲۰۰ کلو۔ پورے چھ سو روپے بن گئے۔" اس نے حساب بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ لائیں پیسے۔" امجد حسین نے بھاگتے چور کی لنگوٹی کو غنیمت جانا۔

"کہا دیجیے۔ اس نے ابھی پیسے تو بھجوائے ہی نہیں۔ آج کا وعدہ ہے۔ آپ یہ کام کیوں نہیں کرتے۔ یہ گھر پتا کباڑ خانہ ہے اس کا۔ وہاں جا کر خود ہی وصول کر لیجیے۔ میں فون کیے دیتا ہوں۔" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ آپ فون کیجیے میں وہاں سے لے لیتا ہوں۔" احمد حسین نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا اور بک اسٹال سے باہر آ گیا۔

"چلو بھی۔ کرمو کباڑیے کی دکان پر چلیں۔ دلچسپ امکان میں یہ میرا مشغلہ بھی خوب ہے۔ روزن دیوار چہرہ ہو گیا ہوتا ہی تھا۔" احمد حسین گنگنایا۔

"جناب۔ جس قسم کے آپ کے مشاغل ہیں اس شہر میں پرچے کی جگہ چھاپ کر جا کریں۔ یعنی دلچسپ امکان میں یہ میرا مشغلہ بھی خوب ہے۔ روزن دیوار کرتے ہو گیا ہوتا ہی تھا۔" عرفان بولا اور بولتے ہی دوڑ لگا دی کیوں کہ احمد مکا لے کر اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ مگر پھر اسے فوراً ہی بریک مارنی پڑی۔ بھاگنے کی وجہ سے اس کا روزن زدہ کرتا ہوا ہمیلو وہ شروع ہو گیا تھا جو خاصی نامعقول بات تھی۔

کرمو کباڑیے نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا تھا اور حیرت سے کسی سوچ میں گم تھا۔

"ہمیں سے آج کہا تھا کوئی بہت بڑی ادبی شخصیت تشریف لا رہی ہے۔ آپ کی تو دیکھی بھی بہت بے پرواہ ہوئی جاتی ہے۔ میری سمجھ سے باہر ہے کہ آپ دو لوگوں کا ایک [illegible] ہے۔" کرمو کباڑیہ حیرت سے بولا۔

"جناب ہم کسی کی جراثیمی تقسیم کے ذریعے دو ہوئے ہیں ورنہ تو ہم ایک تھے۔" عرفان نے [illegible] احمد [illegible]۔

"جناب آپ اس [illegible]۔ مطلب کی بات کریں۔ آپ کی طرف [illegible] سے [illegible] دستیاب [illegible] وہ ہمیں عنایت کر دیں۔" احمد حسین بولا۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس وقت میرے پاس [illegible] پہنچی نہیں تھیں۔ ایک [illegible]

والے سے بات چل رہی ہے۔ جیسے ہی نسبت طے ہو گی پیسے آ جائیں گے۔" کرمو بولا۔

"کیا پکوڑے والا امیر ہونے کی سوچ رہا ہے؟ کیا اس نے میری کتاب پڑھی ہے۔" احمد حسین کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"نہیں جناب۔ وہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ آپ کی کتاب کے ورقوں میں پکوڑے لپیٹ کر بیچے گا۔" کرمو نے صاف جواب دیا اور احمد کا چہرہ اتر گیا۔

"ٹھیک ہے وہ جو مرضی کرے مگر مجھے اس وقت پیسوں کی سخت ضرورت ہے۔ نہ میرے پاس پیسے ہیں نہ کپڑے ہیں نہ رہائش ہے۔" احمد نے اپنی مجبوریاں گنوائیں۔

"آپ کی رہائش کا تو میں بندوبست کر دیتا ہوں۔ آپ پیسوں کو چھوڑیں۔ میرے پاس پیچھے ایک کمرہ ہے جہاں میں نے کتا پالا ہوا ہے۔ میں اس کتے سے تنگ آ گیا ہوں۔ سوچ رہا ہوں اس کتے کو نکال کر وہ کمرہ آپ کو دے دوں۔ بس آپ کو رات کو گاہے بگاہے بھونکنا پڑے گا تاکہ کوئی چور یہاں نہ آئے۔" کرمو نے آفر دی۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ انہیں تو بھونکنے کی عادت ہے۔ آپ اگر نہ بھی کہتے تب بھی یہ گاہے بگاہے بھونکتے رہتے ہیں۔" عرفان نے بیچ میں ہی ٹانگ اڑائی اور احمد اسے گھور کر رہ گیا۔

"ٹھیک ہے جناب۔ مجھے آپ کی آفر منظور ہے۔ مجھے کمرہ دکھا دیں۔" احمد حسین نے کہا اور کرمو انہیں کمرے میں لے گیا جہاں ایک کالا کتا پہلے سے موجود تھا۔ کرمو نے کالے کتے کو باہر نکال دیا۔

"یہ ہے جناب آپ کا کمرہ۔ آپ یہاں سکون سے رہیں۔ جو لکھنا ہے لکھ سکتے ہیں۔ ہاں اپنے بک اسٹال کو بھجوانے کے بجائے مجھے ہی دے دیا کیجیے۔" کرمو نے مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔ احمد اور عرفان بستر پر لیٹ گئے۔ تھکن سے برا حال تھا۔ فوراً ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

امجد کی بیٹی بار بار سے یہ کہہ کر لیے نکلی تھی کہ اسے ایک کالا کتا نظر آیا۔ کتا بیچارے کو کسی نے مار کر نکال دیا ہے۔ انسانیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ وہ واپس گھر آگئی اور امجد کا کمرہ اس کے لیے مخصوص کر دیا۔

پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

''کسی'' نے کیا خوب کہا ہے کہ

میں نے بھی پرچھائیوں کے شہر کی پھر راہ لی

اور وہ بھی اپنے گھر کا ہو گیا، ہونا ہی تھا

○

الحاد کی خوراک

(نوٹ: نفیس فطرت رکھنے والے حضرات اس تحریر کو نہ پڑھیں تو اچھا ہے۔ خواہ مخواہ موڈ خراب ہوگا۔ اور جو ملحد ہونے کی سوچ رہے ہیں وہ اس تحریر کو پرکھنے سے پہلے دوائی کے طور پر ایک بار ضرور پڑھ لیا کریں۔ شکریہ)

خموش لب ہیں جھکی ہیں پلکیں، دلوں میں اُلفت نئی نئی ہے
ابھی تکلف ہے گفتگو میں، ابھی محبت نئی نئی ہے
ابھی نہ آئے گی نیند تم کو، ابھی نہ ہم کو سکوں ملے گا
ابھی تو دھڑکے گا دل زیادہ، ابھی یہ چاہت نئی نئی ہے

میں نے سنا تھا کہ شیطانی تنظیمیں اپنے نئے آنے والے ہرکاروں کو حرم جانور کا خون پیش کرتی ہیں۔ ایک پیالہ خون پیتے ہی اس کی رہی سہی مزاحمت بھی دم توڑ جاتی ہے۔

ہمارے گروپ کو گٹر گروپ کہنے والے ملحدوں کے لئے نئی ڈش متعارف کروائی ہے۔ کاکروچ کے آٹے سے بنے ہوئے کیک اور روٹی۔ حرام حلال کے چکر میں نہیں پڑنا۔

گھبرائیے نہیں۔ یہ آٹا ہمارے باورچی خانوں اور گٹر میں پلنے والے کاکروچوں سے تیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کے لئے امریکہ اور شمالی افریقہ سے کاکروچ امپورٹ کیے جائیں گے۔

اصل میں ہمارا فضلہ زیادہ غلیظ اور بدبودار ہوتا ہے۔ جبکہ امریکیوں کا فضلہ امپورٹڈ ہوتا ہے۔ تو امریکیوں کے فضلے کی پاکیزہ غلاظت سے جو کاکروچ جنم لیتے ہیں ان سے یہ آٹا تیار کیا جائے گا۔ ہون تے کھالو گے نا؟

کاکروچ کا آٹا تیار کرنے والی خواتین انجینئرز کا دعویٰ ہے کہ اس آٹے میں عام گندم کے آٹے کے مقابلے میں چالیس فیصد زیادہ پروٹین شامل ہے۔ اور اسے ہر طرح کے ذائقے دار اور بہترین بریڈ کی تیاری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اب دیکھیں کتنی کشش پیدا ہو گئی آٹے میں۔ ایک تو امریکیوں کی غلاظت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے کاکروچ کا "آٹا" (یعنی پاک صاف اور امپورٹڈ)۔ اوپر سے اسے "خواتین انجینئرز" تیار کر رہی ہیں (یعنی سائنٹیفک آٹا)۔ پھر اس میں پروٹین بھی گندم کے آٹے سے زیادہ ہیں (یعنی صحت بخش بھی)۔

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو فیر، جس طرح کو بھی تحریر پڑھ کر الٹی ہو گئی ہے۔ اس کو صاحب تحریر نے حوصلہ دیا کہ ابتدائے الحاد ہے روتی کیوں ہے پگلی؟

مجھے تو حقیقت میں یہ چیز لگ گئی ہے کہ یہ ملحد ترقیوں پہ ترقیاں کرتے جا رہے تھے اور ہم پیچھے رہ گئے۔ پہلے چاند سے ملحدوں کے کمنٹس آیا کرتے تھے کہ موحدو! ابھی زمین پہ ہی ہو؟ دیکھو ہم چاند پہ پہنچ گئے۔ اب وہ امریکیوں کی امپورٹڈ غلاظت سے پیدا شدہ کاکروچ کے آٹے کی روٹیاں کھائیں گے تے تسی منہ ویکھنا۔

اور تو اور ملحد گدھوں اور کتوں کی بھی فارمنگ کا سوچ رہے ہیں۔ لگتا ہے ان کو بھی کھا جائیں گے۔ اپنے اپنے ارتقائی بزرگوں کے ساتھ یہ سلوک؟

میں تو اس سانحے پر ان کا افسردہ ہوں جو ملحدوں کو یہ مشورہ دے رہا ہے۔

وہ امریکی کی خاطر پہلے تو ملحدوں کے بچے سے انکار کرتے نہیں اور اب ادا کر سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اب پاکستان کے گھر میں آ کر روچ کا آٹا کھانے کو مل رہا ہے۔ جے جی

کے بدلے لے رہا ہے کوئی سائنسدان ان سے۔

الحاد کے عظیم دانشور اور مفکر قبلہ جناب سید احمد حسین نے فرمایا تھا کہ میں تو ذہنی مادرزاد ننگا ہو کر کرتا ہوں۔ مجھے لگتا ہے وہ ابھی کاکروچ سے آگے سے نئی رانی ماتا ہوگا۔ ایک ٹکٹ میں دو مزے۔ وٹامن ای کا وٹامن ڈی اور پروٹینز کے پروٹینز۔ اور ساتھ میں اگر عرفان بھی ہو تو وٹامن شی، بالکل فری۔

○

پردے میں رہنے دو

تحریر کا موضوع آپ کو تھوڑا عجیب لگے گا۔ اصل میں معاملہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمان خواتین کے پردے پہ اعتراض کرتے ہیں ان کے جب اپنے کپڑے اتریں تو تکلیف بہت ہوتی ہے۔

پہلے تو ملحد اور لبرل خواتین کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ پردے کے موضوع پہ مسلمانوں کے خلاف خوامخواہ ہرزہ سرائی سے باز رہیں اور یہ کام اپنے مردوں سے کروائیں۔ کم از کم میرے سامنے تو یہ کام ہرگز نہ کیا جائے۔ کیوں کہ جو اعتراض لبرل خواتین کو مسلمان خواتین کے برتنے پہ ہے مجھے وہی اعتراض ملحد اور لبرل خواتین کے تمام کپڑوں پر ہے۔

اسی قسم کی صورت حال کا سامنا رات کو ایک ملحد خاتون کو کرنا پڑا۔ ان خاتون کو پردے پہ زبردست اعتراضات تھے۔ خاتون میرے شروع کے سوالوں سے ہی پریشان ہو گئیں اور سمجھ گئیں کہ مسلمانوں کے پردے پہ اعتراض کھڑا کرنا اتنا بھی آسان نہیں جتنا انہوں نے سمجھ لیا تھا۔ بچے تن کے سارے کپڑے بھی خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔

میرا پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کے خیال میں پردے کی شرح کیا ہونی چاہیے؟ مجھے ان کا جواب پہلے سے پتہ تھا کیوں کہ میں ملحدوں کی ذہنی استطاعت سے واقف ہوں۔

انہوں نے جواب دیا کہ پردہ ہونا ہی کیوں چاہیے؟

پھر میں نے ان کو پردے کی صحیح تعریف سمجھا دی کہ پردہ انسانی جسم اور دوسرے لوگوں کی نظروں کے درمیان آڑ کو کہتے ہیں۔ جس سے وہ میرا سارا مدعا سمجھ گئیں اور ان کا

راستہ اختیار کیا۔

مقصد میری اس تحریر کا یہ ہے کہ پردے سے متعلق اعتراضات کا جواب مسلمان بھائیوں کو کیسے دینا چاہیے۔

اس ضمن میں ایک بات کو ذہن نشین کر لیں کہ پردے پر اعتراض کم از کم کوئی انسان تو نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ تھوڑا یا زیادہ پردہ ہر انسان کرتا ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ اعتراض صرف پردے کی مقدار پر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً جن لوگوں کو مسلمان خواتین کے سر چھپانے پر اعتراض ہے اپنے جسم کے کچھ حصے تو وہ بھی چھپاتے ہیں۔ بالکل ننگے نہیں گھومتے۔ اور جب انسان خود ایک کام کرتا ہو تو دوسروں پر اعتراض کرنے کا جواز نہیں رہتا۔

چہرہ بھی انسانی جسم کا ایک حصہ ہے اور شرمگاہ بھی۔ اگر چہرہ چھپانا غیر منطقی ہے تو شرمگاہ چھپانا کیوں منطقی ہے؟ جو لوگ عقل سائنس کو مانتے ہیں وہ شرمگاہ چھپانے کی کیا توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟ وہ ضابطے اور قوانین کہاں سے لائیں گے جو مسلمانوں کے پاس موجود ہیں؟

مسلمانوں کے پاس تو پردہ کرنے کے لیے دینی اور اخلاقی دلائل بھی موجود ہیں۔ مگر وہ کس بنیاد پر کپڑے پہن کر گھومتے ہیں؟ انہیں کس نے سمجھایا ہے؟

دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک میں پردے کی کوئی نہ کوئی شرح موجود ہے۔ یہ کہیں بھی ممکن نہیں کہ انسان مادر زاد برہنہ ہو کر گھومے۔ وہ کتنا ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ ملک مسلمان ہو یا نہ ہو۔

مجھے یقین نہیں کہ دنیا میں کوئی ملک ہے جہاں ننگے گھومنے کی اجازت ہو۔ کوئی نہ کوئی قانون تو بنا ہی ہے۔ جس کی وجہ سے پردہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اور جب وہ پردہ کرتے ہیں تو وہ دوسروں کے پردے کی مقدار پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

جہاں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام عورتوں کے لباس ... ہے
کے لیے پابند ہے۔ ...

ہیں مگر کم از کم چڈی ضرور پہنے رکھتے ہیں۔ یہ بے جتنے مرضی بے شرم اور بے غیرت ہوں۔ خواتین سمندر کنارے دو کپڑے پہنتی ہیں۔ مجھے اعتراض ان کے اوپر کے سارے کپڑے اتار دینے پر نہیں ہے۔ بلکہ ان دو کپڑوں پر ہے جو اب بھی جسم پر موجود ہیں۔

اس مسئلے کا ملحدوں کے لئے بڑا آسان سا حل ہے کہ مسلمان خواتین کو پردے میں رہنے دو ورنہ۔۔۔۔ (سمجھ گئے نا)

○

شرمیلے بے غیرت

پاکستان کی معاشرتی بنیادیں اس حد تک مضبوط ہیں کہ الحاد کو یہاں پھٹکنے میں آٹے دال کا بھاؤ پتہ چل گیا ہے۔ مجھے الحاد کی بالکل سمجھ نہیں آتی۔ عجیب اصول ہیں ان کے۔ بعض وقت لطیفے بن جاتے ہیں۔ انگریز ملحدوں کے پیچھے لگ کر پاکستانی ملحد ایک قانون کا انکار کرتے ہیں۔ پھر جب ان کے خود ساختہ قانون پر بھی کوئی کر پڑ جائے تو پتنگے لگ جاتے ہیں۔

پھر تو یہ کس کو سکھا رہے ہیں؟ مسلمانوں کو؟

کہتے ہیں انسان بندر کی اولاد ہے۔ آپ ان کے گروپ میں جا کر کسی ملحد کو بندر کی اولاد کہہ کر دیکھ لیجئے۔ اسے آگ لگ جائے گی۔ پتہ نہیں خود کو انسان کیوں سمجھتے ہیں یا ابھی تک بندر ہی ہیں۔

دانیال تیموری کہتے ہیں انسان کو ننگا گھومنا چاہئے۔ میں نے ننگا کیا تو شرم آ گئی۔ ایسی آگ لگی ہے کہ قابو سے باہر ہے۔ ایک نے ننگا ہو کر سونے کا اعتراف کیا دوسرا کہتا ہے میں تو نیکر بھی نہیں پہنتا۔ بالکل ننگا سوتا ہوں۔ اس کو ساتھ ننگا محمد عرفان "پسند" کیا ہے (وہ اس شی سے بھرپور)۔ اب وہ ننگے بادشاہ کی تحریر مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان کو ننگا ہونے کے طعنے دے رہا ہے۔ بے شرم بن گئے ہو تو پورے بنو۔ بے غیرت بنے ہو تو پورے بنو۔ یہ بار بار شرم اور غیرت کیسے آ جاتی ہے؟

دانیال تیموری صاحب کہتے ہیں غیرت اور شرم و حیا روحانی بیماریاں ہیں۔ تو جناب جب میں نے ننگا کیا تھا تو ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے۔ وہاں آپ کو شرم کی آ گئی اور غیرت بھی۔ لگے سائنسی پتوں سے تن ڈھانپنے۔

ایک محترمہ خاتون نے تحریر لکھی ہے جو بچوں کی جنسی تربیت سے متعلق ہے۔ اس میں وہ فرماتی ہیں کہ بچوں کو بتایا جائے کہ خود لذتی حاصل کرنا کوئی بری چیز نہیں۔ پھر یہ بھی کہ اگر بچوں کی طرف سے پوچھے گئے جنسی سوالات کے جوابات میں انہیں اسلام کے [illegible] کروا دیا جائے گا تو وہ ہرگز نہیں آئیں گے مگر اپنے فطری تقاضوں کی تکمیل کے لیے غلط طریقے بنانے کی کوشش کریں گے۔

غلط طریقے؟ کون سے غلط طریقے؟

ہم جنس پرستی اسلام میں جائز ہے۔

غیر نکاح جنسی اختلاط پر تو کوئی اعتراض نہیں۔

خود لذتی اس تحریر میں جائز قرار دے دی گئی۔

پھر کون سا طریقہ رہ گیا جسے غلط کہا گیا؟

وہ بچہ ایسا کیا کرے گا جو اسلام میں حرام ہے؟

مجھے سمجھ نہیں آئی۔

ان اصولوں کو اسلام میں واضح کیا جانا چاہیے۔ تاکہ جو بچے نئے طریقوں انہیں پتہ ہو کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

پہلے اپنا ایمان خود دیکھو پھر ہمیں سکھاؤ۔

وائیل تیموری صاحب نے ایک اور تحریر لکھی ہے جس کے مطابق شادی سے پہلے لڑکا لڑکی کو بوائے فرینڈ ایک ساتھ رہنا چاہیے جیسا مغرب میں ہوتا ہے۔ پھر شادی کرنی چاہیے۔

مجھے ان کے صرف آخری حصے پر اعتراض ہے۔

میرا سوال یہ ہے کہ پھر شادی کی ضرورت ہی کیوں ہے؟

جب کچھ ساتھ رہے۔ ساتھ [illegible]۔ اور پھر ساتھ سو بھی گئے۔ (جملہ وائیل تیموری کے ہے وہ ایسی ہی محبت کے لیے ملتے ہے۔) مغرب میں تو وہ بچے ہو جانے تک اور اس کے بعد بھی سوچتے رہتے ہیں کہ ہمیں شادی کرنی چاہیے یا نہیں۔ وہ بچے ہو کر لینے کے بعد شادی کا مقصد کیا ہے؟ میری سمجھ سے باہر ہے۔ میرے تمام ریڈرز کو بتا دیجیے کہ ہم شادی کرنے سے پہلے حلال ہو جاتے ہیں؟

اسلام میں شادی کا مقصد بالکل واضح ہے۔ جنسی تقاضے انسان کی ضرورت ہیں۔ مرد کی بھی اور عورت کی بھی۔ نکاح اس جذبے کی تکمیل کا ایک حیادار اور اخلاقی راستہ ہے جو ہمیں مذہب بتاتا ہے۔

پھر فیاما کی تحریر ہے۔ ارشد خان (چھاپے والا) کا اٹھارواں بھائی پیدا ہوا ہے اور فیاما کو اعتراض ہے۔ جس نے زچگی کی تکلیف سہی اس کو اعتراض نہیں ہوا تو ہمیں کیوں تکلیف ہوتی ہے۔ اس کا وہ تاسن ای پورا ہوگا اس نے پیدا کرنے ضرور ہے۔ کتنی ہی غریب ہے۔ بھلا تم سے آنا دگنا آتا ہے؟ کتنی ہی بچے کے حقوق ہوتے ہیں۔ ان کو اچھا کھانا اچھی تعلیم دینا آپ کی ذمہ داری ہے۔

یہ اخلاقیات الحاد نے کہاں سے کاپی کیے ہیں جناب؟ جب بچے نکاح کے بعد محض اس لئے کیا جا رہا ہے تو بچے کی ذمہ داری نہ اٹھانی پڑے۔ یہاں بچوں کے حقوق کہاں سے آ گئے؟ کس نے متعین کیے؟

فیاما کو ارشد خان کے بھائی پیدا ہونے کا غم کھائے جا رہا ہے دوسری طرف وہ اب تیموری سے مگرمچھوں اور ڈائنوسارز کے انڈوں کی جگہ بچے دینے شروع کر رہے ہیں۔

ارتقا ثابت ہو گیا ہے جناب۔

ڈارون مرتے وقت پیش گوئی کر کے گیا تھا کہ جس دن مگرمچھ اور ڈائنوسار انڈوں کی جگہ بچے دینے لگیں اسی دن ارتقا ثابت ہو جائے گا۔

پس دلائل کو چیلنج کر دو ان پرانے ڈائنوسارز کے فوسل سے جن کے پیٹ میں بچے ہے۔ ارتقا کا یقینی ثبوت ہے = ڈائنوسارز اور مگرمچھ پہلے بچے دیا کرتے تھے۔ بعد میں ترقی کر کے انڈے دینے شروع کر دیے

اسی لئے میں اس ارتقا کی ترقی کے سخت خلاف ہوں۔

○

فیملی سسٹم

طوروں کے گروپ میں ایک طور فائق علی شیخ نے ہمارے مشرقی فیملی سسٹم پہ تنقید کی ہے اور گوروں کے فیملی سسٹم کا دفاع کیا ہے۔

کیوں کیا ہے؟

یہ تو مجھے نہیں پتہ۔ کیوں کہ موصوف نے جو پروفائل پک لگا رکھی ہے گر وہ ان کی اپنی ہے تو کم از کم یہ صاحب گورے تو نہیں ہیں۔ بس یوں سمجھیے کہ انصاف کے تقاضوں کے تحت انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ گوروں کا مقدمہ لڑنے کے لیے خود گورا ہونا ضروری نہیں۔ پھر ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ارتقائی اصولوں کے تحت جو جس طرف جھکاؤ رکھتا ہے اس کے ڈی این اے میں ویسے ہی جرثومے پیدا ہو جاتے ہوں۔ اب یہ تو کوئی سائنسدان ہی بتا سکتا ہے کہ خواہ مخواہ کسی انگریز کی طرفداری کرنے سے انسان اندازاً کتنے عرصے میں انگریز بن سکتا ہے۔ ارتقا کی اس سیڑھی میں جو پچھلی مثالیں موجود ہیں ان کے تجربات تو بہت زیادہ حوصلہ شکن ہیں۔ یعنی فائق علی شیخ کو شاید کئی لاکھ سال تک مسلسل یہ فریضہ سر انجام دینا پڑے گا پھر جا کے خاندان کی صرف زبان گوری ہو جائے۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک۔

بہرحال فرماتے ہیں۔

"ہمارے ہاں کے فیملی سسٹم پہ بڑا فخر کیا جاتا ہے اور یہ فخر یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ ہم بڑی ۔۔۔۔۔۔ جب جب کہ گوروں کے فیملی سسٹم پہ تنقید بلکہ لعن طعن کرتے

ہیں۔ چلیں آج ان دونوں کو مختصراً کمپیئر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بیڈ پہ والدین کے درمیان place ہو جاتا ہے اور دوسرا بچہ پیدا ہونے پہ اب کا بستر علیحدہ ہو جاتا ہے۔"

جواب: ہمارے ہاں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بیڈ پہ والدین کے درمیان place ہو جاتا ہے؟

یہ بات صرف وہ کر سکتا ہے جو ہو تو غیر شادی شدہ ہو۔ وہ تم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہو۔ اس کو بڑے ہونے پہ اس کے اکلوتے ہونے کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ بیٹا تم جو بیچ میں آ گئے تھے۔ پھر ہم نے باقی زندگی رہبانیت میں گزار دی۔

پھر اگلے ہی جملے میں اس کے الٹ بات کر رہے ہیں کہ دوسرا بچہ پیدا ہونے پہ------

کون سا دوسرا بچہ جناب؟ اسے کھوئی سا نس لڑائی ہے؟ ماں باپ بستر کے کناروں پہ ہیں۔ بیچ میں بچہ placed ہے۔ تو اگلے بچے کے لئے نہ تو حالات سازگار نہ موسم خوشگوار۔ لغو اور کذب کی کوئی حد ہوتی ہے۔ ایک تو مسلمانوں پہ الزام یہ ہے کہ بچے بہت پیدا کرتے ہیں۔ دوسرا آج پتہ لگ گیا کہ نو سو دو بچوں کو درمیان میں سلا لیتے ہیں۔

سبحان اللہ

خیر آگے چلتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"اور بچے ماں کے ساتھ ایک ہی بستر میں سوتے ہیں۔ کیونکہ ماں تب تک سوتے ہیں جب تک بالغ نہیں ہو جاتے۔ کئی فیملیز میں تو شادی کے بعد ہی بچے ماں سے علیحدہ سوتے ہیں۔ اس کے فوائد و نقصانات تو آپ کو پتہ ہی ہوں گے، لیکن اتنا مجھے ضرور پتہ ہے کہ وہ بڑے ہو کر بھی اتنے بچوں کو بھی علیحدہ دوسرے کمرے میں سونے سے ڈر لگتا ہے۔ اکیلا گھر میں رہنا پڑ جائے تو رات تو بہرے گھر آ جاتا۔ جب کبھی کسی سے اور ادھر ہی سو جاتا۔"

جواب۔ عجیب بات یہ بیان ہو رہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ بستر پہ ماں اور باپ کے درمیان place ہو جاتا ہے اور اس سے [illegible] جنسی مناظر کی جگہ جنسی تولید کے طریقے سے پیدا ہوتا ہے [illegible] ہو یا بستر گیلا کر دیتا ہے۔ پھر بستر پہ صرف ماں اور بچے ہیں (اگلے بچے [illegible] بڑا لیمی تقسیم کے طریقے پہ پیدا ہوتے ہوں گے)۔ پھر بچے اس وقت تک ماں کے ساتھ ایک ہی بستر پہ سوتے رہتے ہیں جب تک جوان نہیں ہو جاتے۔ پھر ان کی شادی ہو جاتی ہے اور ماں کے بستر سے سیدھا بیوی کے بستر پہ ٹرانسفر ہو جاتے ہیں۔ پھر [illegible] سال بعد ان کی زندگی میں بھی وہ لمحہ آ جاتا ہے جب یہ اپنی زندگی میں پہلی بار الگ کمرے میں تنہا سوتے ہیں۔ یعنی ہے گھر دوسرے بچے کی پیدائش پہ۔ اس کو کہتے ہیں جیسی کرنی ویسی بھرنی۔

اب یہ کس کی کہانی ہے؟ مجھے نہیں پتہ۔ یہ کون سا معاشرہ بیان ہو رہا ہے؟ مجھے تو سمجھ نہیں آئی۔ فائق علی شیخ کی اپنی ہو تو میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ مگر یہ کم از کم ہمارے معاشرے میں نہیں ہوتا۔ جو ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ بچہ جب تک سوال کرنے کے لائق نہیں ہو جاتا یعنی بولنے لائق نہیں ہو جاتا وہ اپنے ماں باپ کے بستر پہ ہی سوتا ہے اور ہماری سائز کے بستر پہ بچے کو بیچ میں سلانا فرض نہیں ہے۔ وہ ماں کے ساتھ کسی کنارے پہ بھی سو سکتا ہے۔ مگر تین ساڑھے تین سال کی عمر میں جب بچہ بولنے سوچنے اور سمجھنے کی عمر کو پہنچتا ہے تب اس کا بستر اور کمرہ دونوں الگ کر دیے جاتے ہیں۔

اس کی دو وجوہات ہیں۔

پہلی یہ کہ ڈھائی تین سال کی عمر سے پہلے وہ اپنے ماں باپ کے خلوت کے لمحات (چونکہ جاگ جانے کی صورت میں) دیکھ کر سمجھ بھی نہیں پاتا اور ان سے متعلق سوال بھی نہیں پوچھتا۔

دوسری یہ کہ الگ کمرے میں کسی قسم کی ایمرجنسی کی صورت میں اس عمر کا بچہ [illegible]

کم چلا کر ماں باپ کو متوجہ کرنے لائق ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ ماں باپ کی بے پروائی سے گھر میں نومولود بچہ بلی اٹھا کر لے جائے۔

بہرحال آگے چلتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"گورے کے ہاں عام طور پہ بچہ ex plan ہوتا ہے۔ اس پلاننگ میں یہ بھی ہے کہ بچہ کدھر سوئے گا؟ کچھ لوگ بچے کو پہلے دن سے ہی علیحدہ اس کے اپنے کمرے میں ہی سلاتے ہیں۔ بچے کے بیڈ کے پاس واکی ٹاکی ٹائپ کوئی ڈیوائس رکھ دیتے ہیں کہ اگر بچہ روئے تو ماں کو آواز آ جائے۔ کچھ لوگ بچے کو baby crib جسے ہمارے ہاں بے بی کاٹ بھی کہا جاتا ہے اس میں ڈال کر اپنے بیڈروم میں سلاتے ہیں لیکن یہ سلسلہ بھی چھ مہینے یا ایک سال سے زیادہ نہیں چلتا۔ عام طور پہ ایک سال کے بچے کو علیحدہ اس کے کمرے میں شفٹ کر دیا جاتا ہے۔ سوچ اس کے پیچھے یہ ہے کہ علیحدہ سونے سے بچے کی والدین پہ dependency کم ہوتی جاتی ہے۔ بچے کی خود اعتمادی اور قوت فیصلہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچے کا والدین کے بیڈ پہ سونے کو وہاں ناپسند بلکہ discourage بھی کیا جاتا ہے۔"

جواب: گورے کے ہاں بچہ ex plan ہوتا ہے؟

یقیناً یہ شادی شدہ گوروں کی بات ہو رہی ہے۔ ورنہ غیر شادی شدہ لوگوں میں تو ابھی شادی پلان نہیں ہوئی ہوتی اور بچہ روز ٹھکتا دیتا ہے۔ اس کے پیچھے اگر کسی کا کوئی پلان ہو بھی تو اس پیدا شدہ بچے کا ہی ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کا صرف روش پوش۔ بعض ماں باپ پھر اس بچے کا پلان فیل کرنے کے لئے ڈاکٹروں کی تلاش کرتے پھرتے ہیں مگر بچہ قانونی طور پہ ڈاکٹروں کو ساتھ ملا لیتا ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ پلاننگ میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ بچہ کدھر سوئے گا۔

میرا خیال ہے کہ بچہ پیدا کرنے کا پلان بن جانے کے بعد اگلے سارے پلان بچے پہ چھوڑ دینے چاہئیں۔ آخر انگریز کا بچہ ہے۔ ماں باپ اپنے بستر پر نہیں سوئیں گے تو وہ کسی اور کے بستر پہ جا کر سو جائے گا۔ تسی انگریز او تے او کہو پاکستانی ہے؟

[illegible] dependency [illegible]

[illegible]

جائے۔ بہت زیادہ بیمار مثلاً فالج ہو جائے۔ یادداشت جاتی رہے۔ ایسے میں دیکھیے میاں بیوی اور بچے تو صبح آٹھ بجے سے اپنے کاموں پہ چلے گئے ہیں۔ شام کو ہی واپس آئیں گے۔ آپ اس بزرگ کو کھانا دوائی، ٹوائلٹ اور کمپنی وغیرہ کون دے گا؟ نرسنگ کیئر کون کرے گا؟ ایسی صورتحال میں اولڈ ہوم سے بہتر کوئی آپشن نہیں بچتی۔"

اور

"ادھر آپ نے حال ہی میں بیٹا تو چلا گیا کام پہ اور پیچھے فالج زدہ ماں کی ذمہ داری بے چاری بہو پہ۔ آپ بہو کہیں گی بے شک خدمت کریں لیکن اکثر تو بزرگ کی سیوا کرنا بوجھ ہے۔ کچھ دل میں کڑھتی رہتی ہیں۔ کچھ شوہر کے منہ پہ بول دیتی ہیں۔ کچھ ساس کے منہ پہ بول دیتی ہیں۔ کچھ گالم گلوچ کرتی ہیں۔ جھگڑا، مار کٹائی بھی کئی جگہ ہو جاتی ہے۔ کئی جگہوں پہ طلاق تک نوبت جا پہنچتی ہے۔ کچھ کو بتایا جاتا ہے مذہب میں تو بہو پہ والدین کی خدمت فرض ہی نہیں ہے جو کہ سچ بھی ہے لیکن شرعاً بھی پھر آپکی مرضی کی چلتی ہے کیونکہ شرع میں تو اور بھی بہت سارے احکامات ہیں؟ خیر، میں کہتا ہوں انسانی نقطہ نظر سے بات کروں تو وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں۔ جب اس پہ آپ کے والدین کی خدمت فرض ہی نہیں ہے تو وہ یہ ذمہ داری کیوں اٹھائیں؟ ماں تمہاری ہے۔ خود اس کی ذمہ داری اٹھاؤ۔ رکھو اپنی ماں کو علیحدہ کمرے بلکہ علیحدہ گھر میں اور ایک یا دو ملازمائیں رکھو اس کی خدمت کے لئے۔ کیا یہ میرے اوپر خواہ مخواہ کی چودراہٹ بنا رکھی ہے۔ بڑھیا ہر وقت بیٹھی حکم چلاتی رہتی ہے۔ اس کی تو ٹوکا ٹاکی، بڑبڑ ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتی۔ مصیبت میرے سر ڈال دی ہے۔ نہ مرتی ہے نہ معذور ہی ہوتی ہے۔

آپ بتائیے ایسی صورتحال میں اولڈ ہوم بری آپشن ہے؟"

جواب: یہ تو بہت نازک صورتحال ہے۔ میاں بیوی نے صبح آٹھ بجے اٹھ کر جاب پہ جانا ہے۔ پیچھے بڑھاپا ہے۔ بوڑھی بیمار، فالج زدہ ماں ہے۔ ... سنبھال کون سکے گا۔ "یہ اولڈ ہوم بری آپشن ہے؟"

کھٹی میٹھی خبریں

ایک تحریر بسیر احمد صاحب نے لکھی ہے۔ ان کا مسئلہ بھی بڑا قابلِ غور ہے۔ یہ مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتے تھے پیچھے سے ان کی چپل چوری ہو جاتی تھی۔ نتیجتاً یہ ملحد ہو گئے۔ جان چھوٹی جھگڑا مکا۔ اب نہ یہ مسجد نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ نہ ان کی چپل چوری ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو کیا ان کی چپل کی حفاظت پر قادر نہیں؟ ذرا سوچیے اور ملحد ہو جائیے۔ یہ دنیا کی اکلوتی سوچنے سمجھنے والی مخلوق ہے۔ اصولاً ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر مسلمان کی چپل کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر ہوتا۔ کم از کم بندہ خشوع و خضوع سے نماز تو پڑھتا۔ سر سجدے میں ہوتا ہے اور دماغ جوتی میں اٹکا ہوتا ہے۔ پی کے فلم میں عامر خان نے طریقہ بھی بتایا تھا جوتی کو لاک کرنے کا۔ مگر دیر کر دی۔ اس وقت تک موصوف کئی جوتیوں کا نقصان برداشت کرنے کے بعد ملحد ہو چکے تھے۔ یہ ایسے ہے زیادتی۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی کائنات بنائی۔ انسان بنایا۔ اس کے اندر اتنی پیچیدہ مشینری فٹ کر دی۔ پھول بنائے۔ خوشبو بنائی۔ جہنم بنائی جنت کے باغات بنائے۔ چار فرشتے اور بنا دیتے جو بوقت نماز بسیر احمد کی چپل کے چاروں طرف حصار بنا کر کھڑے رہتے تو اسلام بسیر احمد جیسے عظیم ترین مسلمان سے محروم نہ ہوتا۔

مگر خیر۔ اب پچھتاوے کیا ہوت۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اللہ پوچھے گا تمہیں چپل چورو۔

پھر بسیر احمد صاحب نے ایک نئی سائنس بھی بیان کی ہے۔ 11 گھنٹے تک کے

جب میں خدا کی عبادت کرنے مسجد جایا کرتا تھا تو میری چپل چوری ہو جاتی تھی۔ مگر آج
جب میں نئے جوتے پہن کر مسجد گیا تو یاد آیا کہ جب میں خدا کی عبادت کے لیے مسجد جاتا
تھا تو چپل چوری ہو جاتی تھی مگر اب نہیں ہوتی۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ جب خدا کی عبادت ہی نہیں کرنی تو مسجد جائیں
گے ہی کیوں؟

یہ ہمارے اور مذہب کا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ پانچ وقت کی نماز سے سستی
برتی جا سکتی ہے۔ جمعے کی نماز کو چھوڑا جا سکتا ہے مگر عید نماز سے فرار ممکن نہیں۔ یہ نماز مسلمانوں
کے لئے تو سنت ہے مگر مولویوں پر فرض ہے۔ یہ انہی نے فرض کی ہے۔ اسی سے تو پھر
جہاں اپنے موٹے پیٹ کو چھپاتی ہیں وہاں مولوی پیٹ کو بھی اٹھانا پڑتا ہے۔ ورنہ اسی جوتی سے
تو شرم ہوتی ہے جس کی قسمت میں مسجد جا کر چوری ہونا لکھا ہوتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اب جب کہ میں خدا کی عبادت کی نیت کے بغیر مسجد جاتا ہوں
تو چپل چوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا خدا اور مجھ برابر ہے (معاذ اللہ)۔

یہ بڑا سسٹمیٹک سا میکنزم ہے جو مسلمانوں کی ہر مسجد میں فٹ ہے۔ جب بھی
کوئی ایسا شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے جو صرف نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آیا ہو اور اس
کی نیت خدا کی عبادت نہ ہو تو اس کی روح خدا کی طرف سے بالکل اوپر ہی رہتی ہے کہ غیر خدا کی
عبادت والے مسجد کے گیٹ پر کھڑے ہو کے جوتے [illegible] کرتے ہیں اور میں نے بچپن سے
[illegible] مسجد کو دیکھا [illegible]۔ مسجد جب خطبہ شروع کرتا ہے تو اس
کی آواز [illegible] روشنی کا [illegible] سے [illegible] کر دیتے
تھے۔ مگر یہ صرف [illegible] مسجد کو نظر آتا ہے [illegible] کے لیے
[illegible] ہوتے تھے۔ [illegible] مسجد [illegible] پیچھے سے اپنے [illegible]
[illegible] مسجد میں موجود [illegible]
[illegible] سب اپنے [illegible] میں موجود [illegible] کرتے تھے

جن کا براہ راست رابطہ مسجد کے گیٹ پر لگے سنسرز سے ہوتا ہے۔ وہ سنسرز اس شخص کی طرف چوروں کی رہنمائی کر دیتے تھے۔ پھر وہ چور اس شخص کے پیچھے سے گزرتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے جدید ترین کیمرا کے ذریعے اس شخص کے پاؤں کا عکس اپنی ہارڈ ڈسک میں محفوظ کر لیتے تھے۔ پھر یہ چور جوتوں والے ڈبے کی طرف جاتے ہیں اور جوتیوں کے ڈبے پر ایک کیمیکل اسپرے کر دیتے تھے۔ پھر ان کیمروں کا ریڈار سرو آن کر لیتے تھے۔ پھر وہ ریڈار اس شخص کی جوتی کی نشاندہی کر دیتا ہے جس کے پاؤں کے پرنٹس اس کی ہارڈ ڈسک میں محفوظ ہوتے تھے۔ پھر یہ اپنے پاس موجود سافٹ کاپی سسٹم کے ذریعے اس جوتی کا ہو بہو بیسری عکس تیار کرتے تھے اور اس کو ٹن ایز کر دیتے تھے۔ سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے آن کی آن میں وہ عکس دنیا کے تمام چوروں کے پاس موجود ڈیٹا بیس میں منتقل ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ پیغام منتقل ہو جاتا ہے کہ

"یہ ایک طرح کی چار سو روپے والی چپل ہے اسے چوری نہیں کرنا۔"

اور اس طرح ایک مسلمان کی مسجد میں ایک طرح کی چپل چوری ہونے سے محفوظ رہ جاتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ صاحبی ہے۔ جو کردار ہے مولوی کرام پائے۔ وہ جس کی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا کہ یہ داڑھی والے ٹوپی پہنے والے اور شلواریں اونچی رکھنے والے مولوی اندر خانے کتنی ترقی کر چکے تھے۔

مسلمان اس سے پہلے بھی ایسی ایک ترقی کر چکے ہیں جس میں یہ سارے کے سارے ڈاکٹر ہیں طرح کے سوال اٹھانے کی تحریک چلانے والے تھے۔ اس سے ایک بہت بڑا انقلاب آ سکتا تھا مگر مسجد میں لگے کیمروں اور سوالوں والے لوگوں پر پیچھے والے پر پتھر سے ڈر گئے اور دنیا تاریخ کے عظیم ترین انقلاب سے محروم ہو گئی۔

○

میڈیائی فتنہ

حقیقی خبر: حادثے میں ایک شخص دوسرے شخص کی گاڑی کے نیچے آکر ہلاک۔

میڈیائی فتنہ: ایک سنی مسلمان نے ایک شیعہ مسلمان کو مذہبی تنازعے پر اپنی گاڑی کے نیچے بہیمانہ انداز میں کچل کر ہلاک کر دیا۔ ہمارے ساتھ لائن پر موجود ہیں علامہ فلاں نقوی صاحب اور علامہ فلاں قادری صاحب۔

خاتون اینکر: جی علامہ نقوی صاحب! بڑی افسوسناک خبر ہے۔ آپ کا ایک بندہ شہید کر دیا گیا ہے۔ اب آپ کا اگلا لائحہ عمل کیا ہوگا؟

علامہ نقوی: جی ہم نے شیعہ علماء کانفرنس بلا دی ہے۔ آج شام تک ہم اپنے لائحہ عمل کا اعلان کر دیں گے۔

خاتون اینکر: جی علامہ قادری صاحب! آپ کی طرف آتی ہوں۔ کیا آپ اس قتل پہ اظہار افسوس کرنا چاہیں گے؟

علامہ قادری: جی بالکل! ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔ مگر میری معلومات کے مطابق یہ ایک معمولی حادثہ ہے جسے قتل نہیں کہا جا سکتا۔

خاتون اینکر: کیا آپ ایک شیعہ کی جان کو معمولی قرار دے رہے ہیں۔ آپ کے نزدیک ایک انسانی جان اور ایک شیعہ کی جان میں فرق ہوتا ہے؟

علامہ قادری: میں نے قطعاً یہ نہیں کہا بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی تفتیش ہونے دیں۔ یہ محض ایک حادثہ ہے جس کا شیعہ سنی تنازعے سے کوئی تعلق نہیں۔

خاتون اینکر: مگر جناب! ہماری تحقیق کے مطابق جس گاڑی سے حادثہ ہوا اس کے آئینے پر نعلین مبارک کی شبیہ لٹک رہی تھی اور جس شخص کو بہیمانہ انداز میں کچلا گیا اس نے

کالے کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ ایک مجلس سے آ رہا تھا۔

علامہ قادری: اصل میں یہ حادثہ رات کے وقت پیش آیا۔ عین ممکن ہے کہ رات کے اندھیرے میں کالے لباس میں ملبوس شخص ڈرائیور کو نظر ہی نہ آیا ہو۔

خاتون اینکر: یعنی آپ کے نزدیک حادثے کی وجہ کالا لباس ہے۔ ٹھیک ہے آپ کا موقف آ گیا۔ جی علامہ نقوی صاحب۔ کالے کپڑے پہننا جرم بن گیا۔ کیا کہیں گے؟ کیا یہ آپ کی محافل کے تقدس پہ حملہ نہیں؟ ہم تو بچپن سے یہی دیکھتے آئے ہیں کہ مجالس میں شریک شیعہ حضرات کالے کپڑے ہی پہنتے چلے آئے ہیں اور یہ ان کا حق ہے۔ کیا آپ سنیوں کے شر سے بچنے کے لیے کالے لباس سے دستبردار ہو سکتے ہیں؟

علامہ نقوی: محترمہ پہلے گنگی صاحب! جیسا کہ آپ نے خود ہی بتا دیا کہ یہ شیعہ حضرات کی بڑی پرانی رسم ہے کہ ماتم کے لئے کالا لباس ہی استعمال ہوتا آیا ہے۔ اس پر کسی سنی عالم کی طرف سے اعتراض انتہائی قابل افسوس ہے۔ ہمیں ان سے قطعاً یہ امید نہیں تھی۔ ہم نے ہمیشہ کالے کپڑے پہنے ہیں اور کالے کپڑے ہی پہنیں گے۔ چاہے ہمیں کالے کپڑے پہننے کے جرم میں شہید کر دیا جائے۔ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

خاتون اینکر: جی قادری صاحب! نقوی صاحب کا موقف ہے کہ جان دے دیں گے مگر کالے کپڑے پہننا نہیں چھوڑیں گے۔ اب کالے کپڑوں کے خلاف آپ کا اگلا لائحہ عمل کیا ہو گا؟

(ٹوں ٹوں ٹوں)

قادری صاحب؟

ارے او قادری صاحب؟

لگتا ہے قادری صاحب نے غصے میں آ کر فون ہی بند کر دیا ہے؟

ہم نقوی صاحب کی طرف واپس چلتے ہیں۔ جی نقوی صاحب! قادری صاحب تو کالے کپڑوں کے سوال پہ غصے میں آ کر فون ہی بند کر گئے۔ اب آپ اپنے لائحہ عمل کا اعلان کریں۔

علامہ نقوی: جی بالکل! ہماری علماء کونسل نے تین روزہ سوگ اور احتجاج کا اعلان کیا ہے۔

خاتون اینکر: ٹھیک ہے نقوی صاحب! بہت شکریہ آپ کا کہ آپ نے ہمیں وقت دیا۔

جی ناظرین جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ ....

رضوان سے پوچھیں کوئی خبر ہے؟

میں بور ہو رہی ہوں بیٹھی ہوئی۔ کوئی بریکنگ نیوز ہی دے دیں۔

پروڈیوسر: رضوان آج نہیں آیا۔ اس کی ماں نے اس کی چھٹی لگائی ہے۔

خاتون اینکر: کیوں؟

پروڈیوسر: گھر سے ماں نے دہی لینے بھیجا تھا۔ راستے میں ایک حادثے کی موبائل سے ویڈیو بنانی شروع کر دی۔ گھر لیٹ پہنچا تو ماں نے مار مار کے بھرکس نکال دیا۔

خاتون اینکر: یہ تو خود ایک بریکنگ نیوز ہے۔

لائٹس، کیمرا، ایکشن

خاتون اینکر: ناظرین ایک بریکنگ نیوز پیش کر رہے ہیں۔ مزنگ کے علاقے میں ایک عورت نے مار مار کے ایک مرد کا بھرتہ بنا دیا۔ اسے دہی لینے بھیجا گیا تھا اور وہ باہر جا کر دوسروں کی ویڈیو بنا رہا تھا۔

ہمارے ساتھ موجود ہیں فلاں باری صاحبہ جو عورتوں کے حقوق کی چیمپیئن ہیں اور مفتی فلاں صاحب جو مردوں کے حقوق کی بات کریں گے۔

جی فلاں باری صاحبہ! کیا کہیں گی آپ۔ کیا آج کی عورت مرد اتنی بے وقعت اور بے حیثیت ہو چکی ہے کہ وہ مرد کو دہی لینے بھیجے اور مرد باہر جا کر گھر سے لاڈ اٹھا پھرے؟

چلو بس یار بند کرو خبریں۔

انسان تجسس کا مارا کبھی سمندر کی تہوں میں قدرت کی فنکاری کے نمونے دیکھتا ہے کبھی خلاؤں میں۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنا لیتا ہے۔ ایک چیل کو اڑتا دیکھ کر جہاز ایجاد کرتا ہے۔ وہیل مچھلی کو دیکھ کر آبدوز بنالیتا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز کی نقل بنانے پر کوشاں ہے اور اللہ کی بنائی کائنات کے رازوں سے پردہ اٹھانے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ دیگر مخلوقات میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ انسانی عقل محض اس بات پر مطمئن نہیں ہوتی کہ یہ کیا ہے کیسے ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو بھی کھوجتی ہے کہ یہ کیوں ہے؟ اور جب انسان "کیوں" کے جواب کو کھوجنے نکلتا ہے تو اس کی تلاش اس کے خالق پہ ختم ہوتی ہے۔ ہدایت اسی کو کہتے ہیں۔

الفرقان پبلشرز

84- مین بازار چوبرجی لاہور